التبیان فی مسائل السلوک والاحسان
المعروف بہ
دلائل السلوک
افادات
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ

باراول ـــــــــ 1992ء

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

ھدیہ ـــــــــ 150 روپے

مطبوعہ ـــــــــ

ناشر ـــــــــ ادارہ تالیفات اویسیہ، مرشد آباد

(ضلع میانوالی)

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نشانِ راہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است

خم وخمخانہ بامہر ونشاں است

کوئی بائیس سال ادھر کی بات ہے کہ شیخ العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف قلزم فیوض بحر العلوم حضرت مولانا اللہ یار خاں علیہ الرحمہ والرضوان کو دربار نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہوا کہ اسلامی سلوک واحسان کے مسائل ودلائل کو کتاب وسنت کے احکام اور سلف صالحین کے ارشادات اور تعامل امت مرحومہ کی روشنی میں اس طرح پیش کریں کہ خواص وعام کے لئے اتمام حجت ہو جائے نیز اس دعوت کو عام کریں اور ایک ایک آدمی کو لے کر اس کی تربیت کریں تاکہ وہ فیضان خصوصی جو صدر مشکوٰۃ نبوتؐ سے مقتبس انوار واسرار کا ابر گہربار ہے طالبین راہ سلوک کی سیرابی وشادابی اور زندگی کا سبب بن سکے۔

۱۹۶۴ء میں حضرت مرشد مخدوم علیہ الرحمۃ نے یہ کتاب ''التبیان فی مسائل السلوک و الاحسان'' المعروف بہ ''دلائل السلوک'' بزبان اردو تحریر فرمائی جسے پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے نے ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال سے شائع کیا۔

کتاب مذکور کے کئی ایڈیشن زیور طباعت سے آراستہ ہوئے اور حضرت علیہ الرحمۃ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ہر طباعت ایک نئی روشنی اور نئی قوت سے اصحاب بصیرت کے لئے غذائے روحانی اور تربیت قلوب کا سبب بنتی رہی۔ چند عرصہ قبل پھر اس

ضرورت کی اہمیت کا احساس دلایا جارہا تھا کہ کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ ابھی تیاری کے مراحل ہی تھے کہ حضرت العلام مرشد مخدوم مولانا اللہ یار خاں علیہ الرحمتہ والرضوان مختصر علالت کے بعد ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کی شام اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ جعلہ اللہ الجنتہ ماواہ ومثواہ رحمتہ اللہ علیہ و برکاتہ' و مغفرتہ' و رضوانہ۔

آپ کی جدائی کا صدمہ جانکاہ بھلایا نہیں جاسکتا اور یہ زخم اتنا گہرا ہے کہ اس کے مندمل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی:

وہ نہیں بھولتے جہاں جائیں

ہائے ہم کیا کریں کہاں جائیں

مگر حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جدائی کے سانحہ کا تصور قلب محزوں کی ڈھارس بندھاتا ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور ارشادات گرامی کا مفاد زخموں پر مرہم رکھتا ہے کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب اور یہ کہ "شہیدان محبت الہیہ مرتے نہیں بل ینتقلون من دار الی دار۔۔۔۔ وہ اللہ کریم کے فضل و رحمت خصوصی سے حیات طیبہ کے انعام سے سرفراز ہوتے ہیں "رفیق اعلیٰ" کے آغوش رحمت میں اور اس کے سایہ عاطفت میں آرام فرماتے ہیں۔ اعلیٰ علیین کے باسی کبھی ملاء اعلیٰ سے جا ملتے ہیں انہیں اصحاب الیمین کہیے یا شہیدان مرضیات باری تعالیٰ سے تعبیر کیجیے۔ حقیقی زندگی تو ایسے ہی خوش بختوں کی ہے کہ سعادت ازلی نے جنہیں اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے۔"

"من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبہ"

یہ حیات طیبہ کیا ہے؟ ایمان وعمل کے ثمرات حقیقی سے فیضیاب ہونے کا نام ہے یہ
وہ جوہر ہے جو فنا کو بقا اور بقا کو ابدیت آشنا کرتا ہے:

میں یہ کہتا ہوں فنا کو بھی عطا کر زندگی
تو کمال زندگی کہتا ہے مر جانے میں ہے

"احیاء عند ربهم یرزقون" اور "فرحین بما اتاهم الله"

اس پر شاہد عدل:-

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اور یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

وذالک فضل الله یوتیه من یشاء

دلائل السلوک' طالبین راہ سلوک و احسان کے لیے مینارہ نور ہے' ایک
خورشید درخشاں ہے' رہبر طریق اور مرشد کامل ہے۔
آپ کے ارشادات کی خوشبو مشام جان کے لئے نزہتوں کی امین اور نسبت روحانی
کے لئے شادابی و فرحت کا سرچشمہ و منبع' دلوں کے لئے روشنی اور آنکھوں کے لئے نور
ہے:

مشام جاں میں بسی ہے ابھی وہی خوشبو
ابھی ابھی تو چمن سے بہار گزری ہے

یہ کتاب کیا ہے رہبر راہ سلوک' مرشد طریقت' اسم با مسمیٰ یعنی التبیان فی مسائل
السلوک والاحسان' ۔۔۔ در حقیقت یہ ایک دعویٰ ہے اور حضرت مرشد العلام علیہ الرحمۃ
والرضوان کے تربیت یافتگان کی جماعت اس کی دلیل اور جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

''سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے منتسبین و متوسلین اور زیر تربیت سالکین نے تقریباً نصف صدی سے انفرادی طور پر اور ربع صدی سے اجتماعی انداز سے شیخ العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا' تحدیث نعمت کے طور پر **حمد اللہ و شکرا علی نعمائہ** سینکڑوں بلکہ ہزاروں خوش بخت تزکیہ و تعمیر سیرت کے مراحل سے گزر کر سلوک و احسان کے اعلیٰ مقامات سے فیضیاب ہوئے ؛۔ اللہ کریم کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے اس دور آخر میں صحیح اسلامی سلوک و احسان کی تجدید و احیاء کا اہم اور منفرد کام حضرت شیخ مکرم کو علمی اور عملی طور پر انجام دینے کی توفیق خاص سے نوازا

وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اور **واللہ یختص برحمتہ من یشاء:**

ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

''جماعت سالکین اویسیہ'' کا وجود آپ کے فیضان کا عملی ثبوت ہے اور دلائل السلوک آپ کے علمی فیوض و برکات پر شاہد **کما لایخفی علی من لہ حظ من العلم:**

آفتاب آمد دلیل آفتاب

آپ کا طریق تربیت اور سلسلہ تصوف ''نقشبندیہ اویسیہ'' ہے یعنی آپ کا طریق تربیت و تزکیہ مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کا طریقہ ہے کہ جس کا مدار صحبت شیخ کامل' القاء و اعطاء نسبت و انعکاس انوار پر ہے اور اویسیت سے مراد روح سے فیض ہے اور اس فیضان کی اعلیٰ صورت وہ نعمت و سعادت ہے کہ جس سے بڑی نعمت و سعادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہے حضور نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر روحانی بیعت' اس موہبت کبریٰ اور اس سعادت عظمیٰ کے حصول کے تصور پر بھی قربان

جائیے اور اس مرشد مخدوم کے جوتوں کی خاک بن جائیے کہ جس کی نگاہ کیمیا اثر انسان خاکی کی روح کو تزکیہ کی دولت سے مالا مال کر کے ان بلندیوں سے آشنا کر دے۔ اگر ہر موئے بدن زبان بن جائے اور زبان ہزار بار زبانوں سے ترجمان حال ہو جائے تو، تعبیر مافی الضمیر کسی صاحب دل کی ہمنوائی میں یوں ہو گی:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　مرا با جان جاں ہمراز کردی

اس مقام پر شیخ الشیوخ عالم حضرت العلام مرشد مخدوم بحر العلوم قلزم فیوض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات عالیہ سے مختصراً نقل کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے تا کہ قارئین اجمالی طور پر آپ کی دعوت تزکیہ و تربیت کا کچھ نقشہ اپنے سامنے رکھ سکیں فرمایا:

"ہمارے سلسلہ کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے۔ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان ۴۰۰ سال کا فاصلہ ہے۔ میں نے اویسی طریقہ سے اپنے محبوب شیخ ؒ کی روح سے فیض حاصل کیا۔ خلافت بھی ملی اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔۔۔ میں تصوف کو جزو دین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دکھا دوں گا روح سے فیض کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ شخص روح سے کلام کرے گا۔ قبر کے عذاب و انعام کو دیکھ لے گا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح طیبہ سے ملاقات کرے گا اور حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر

روحانی بیعت کرا دوں گا بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو اور خلوص لے کر آئے۔ کوئی غرض فاسدہ نہ رکھتا ہو طلب صادق ہو نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو۔۔ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی' حالات' واردات کیفیات اور روحانی ترقی کے لئے مراقبات کتابوں سے سیکھنے کی چیز نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لئے الفاظ وضع نہیں کئے۔ یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں۔ شیخ کے باطن سے اور اس کی روح سے حاصل ہوتے ہیں۔ جس نے ولایت و معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا۔۔۔ دربار نبوی ﷺ تک رسائی تصوف و سلوک کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جہاں سے سلوک کے اعلیٰ مقامات کے لئے فیض ملتا ہے ظاہر ہے کہ جو شیخ اس مقام تک رسائی نہیں رکھتا پھر بھی سلوک طے کرانے کی بیعت لیتا ہے۔ وہ دھوکہ باز نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے"

حضرت العلام مرشد مخدوم علیہ الرحمتہ والرضوان کا فیض اب بھی بفضلہٖ تعالیٰ اسی طرح بلکہ ان کی توجہ سے اس سے بھی زیادہ روحانی قوت کے ساتھ جاری و ساری ہے اور آپ کے متوسلین و متبعین کو ہر "منزل" اور ہر "مقام" پر پہنچ رہا ہے۔

نفعنا اللہ و ایاکم بفیوضہ و برکاتہ'

حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے اس فیض رسانی کے لئے اور اس نعمت عظمیٰ اور امانت کبریٰ کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے اور سلسلہ کے اتصال معنوی اور ربط روحانی کو قائم رکھنے کے لئے اپنے بعد نائبین' خلفاء' مجازین' اصحاب الرائے اور مسترشدین کی ایک کثیر جماعت چھوڑی ہے جو اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضرت علیہ الرحمتہ کی

تعلیمات اور فیضان تربیت کی روشنی میں آپ کے فیوض و برکات اور ارشادات' اسرار و انوار کو بفضلہٖ تعالیٰ طالبین راہ ہدایت تک پہنچاتی رہے گی اور اب بھی جسے طلب صادق ہو وہ آئے اور اس نعمت عظمیٰ اور موہبت کبریٰ سے اپنا حصہ پائے۔ آپ کا فیض جاری ہے اور آپ کا سلسلہ موجود ہے:

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است

خم و خمخانہ با مہر و نشان است

آپ کے خلفاء حضرت میجر محمد احسن بیگ مدظلہ العالی (راولپنڈی) اور حضرت سید بنیاد حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی (سرگودہا) سالکین کی رہنمائی اور تربیت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ صلائے عام ہے کہ جسے بھی سلوک سیکھنا ہو وہ انہی آداب و شرائط کے ساتھ جو حضرت علیہ الرحمتہ نے مقرر فرمائے ہیں' آئے اس کی تربیت کی جائے گی۔ بفضلہٖ تعالیٰ حقیقت اس پر منکشف ہو جائے گی۔ رضائے الہٰی اور خلوص نیت شرط ہے۔ کوئی غرض فاسدہ نہ ہو' نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو۔ وہ خود دیکھ لے گا کہ روح کس طرح پرواز کرتی ہے۔ منازل سلوک کس طرح طے ہوتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر روحانی بیعت بھی کرا دی جائے گی:

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

ابوالحسن نقوی کان اللہ لہ

تذکارِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۹۰۴ میں اپنے آبائی گاؤں موضع چکڑالہ (ضلع میانوالی) میں ہوئی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کچھ اپنے ہی گاؤں میں اور کچھ ضلع کیمبلپور کے بعض مقامات پر حاصل کی۔ اس کے بعد موہڑہ کورچشم (ضلع چکوال) میں مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل دیوبند تلمیذ خاص حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ پھر چک نمبر ۱۰ جنوبی ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم سے علم منطق وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔

دورہ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں ۱۹۳۳ء میں زیر سرپرستی حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم مکمل کیا۔

یونانی طب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس شروع فرمایا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور ۲۴ برس کی مسلسل کاوشوں سے اس میں کمال حاصل کیا۔

۱۹۶۱ء میں آپ نے سالکین کی تربیت بسلسلہ نقشبندیہ اویسیہ شروع فرمائی آپ کے تربیت یافتہ بفضلہ تعالیٰ آج دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سینکڑوں صاحب کشف و کرامت بھی ہیں اور آپ کی تعلیمات کی منہ بولتی تصویر بھی۔ آپ کی پوری زندگی دین حق کی تبلیغ و ترویج اور مذہب باطلہ کی تردید میں گزری۔ آپ چوٹی کے مناظر رہے اور "فاتح اعظم" کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ نے باطل

فرقوں کو بے نقاب کرنے میں اپنی تحریر وتقریر کا بے دریغ استعمال فرمایا۔عبداللہ چکڑالوی منکرحدیث کے باطل مذہب کی بیخ کنی بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔

تردید روافض کے سلسلہ میں ''آپ نے تحذیر''المسلمین عن کیدا لکاذ بین''۔

'' الدین الخالص''اور ایمان بالقرآن' جیسی معرکہ آرا کتب تصنیف فرما کرامت مرحومہ کوکسی مزید تحقیق سے رہتی دنیا تک بے نیاز فرمادیا۔

تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا تو'' دلائل السلوک''۔''حیات برزخیہ''۔ ''حیات انبیاء''۔اور''اسرار الحرمین''جیسے گوہر نایاب سالکین کے ہاتھ آئے اس کے علاوہ تربیت السالکین کے موضوع پر آپ کے مکتوبات اور ملفوظات بصورت تحریر وآڈیو کیسٹ موجود ہیں جن سے آپ کی مبارک مجالس ذکر وارشاد کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

یہی مشاغل دم آخر تک آپ کی مبارک زندگی کا جزو لاینفک بنے رہے حتیٰ کہ ۱۸۔ فروری ۱۹۸۴ءکو ۸۰ برس کی عمر میں آپ نے اسلام آباد میں دارالفنا کو خیر باد کہا اور ۱۹ فروری ۱۹۸۴ء غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ دنیائے تصوف وسلوک کا یہ آفتاب عالم تاب اپنے جملہ کمالات کیساتھ ظاہری نظر سے اوجھل ہوکر اپنی آخری آرام گاہ مرشد آباد (داخلی چکڑالہ میں) جلوہ ریز ہوا۔انا للہ و انا الیہ راجعون ولنعم من قال۔

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابدا علی افق العلیٰ لا تغرب

○

عرضِ حال

اعوذ بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم.

نحمدہ ونصلیی علی رسولہ الکریم وعلے الہ وصحبہ وعلے من تبعھم اجمعین

تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق عوام بلکہ علماء کے دلوں میں بھی کچھ شبہات پائے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ حضرات اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت دو الگ الگ چیزیں ہیں یا اسلامی تصوف عجمی سریت اور باطنیت کے مترادف ہے۔ یا یہ کہ تصوف تکلیفات شرعیہ سے آزادی کا نام ہے ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور عوام وخواص کی علمی تشفی کی خاطر اللہ رب العزت نے یہ رسالہ تحریر کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔

اگرچہ میری زندگی کا اکثر حصہ متکلمین کے نہج پر اسلام کی حقانیت کے اثبات اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گذرا ہے۔ اور کلامی مباحث اور تصوف وسلوک میں بظاہر تغایر اور بُعد نظر آتا ہے لیکن احقاق حق کے لیے علم کلام سے کام لینے اور تصوف کے ذریعے ایمان ویقین کی کیفیت پیدا کرنے میں فرق صرف دلیل سمعی اور دلیل ذوقی کا ہے۔ مگر با ایں ہمہ لوگ یہ سن کر حیران ضرور ہوتے ہیں کہ وہ شخص جسے کل تک ہم ایک مناظر اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتے تھے آج تصوف' ذکر' حلقہ ذکر' تذکیہ نفوس اور منازل سلوک پر اظہار خیال ہی نہیں کر رہا بلکہ اپنا باطنی رشتہ صوفیائے کرام سے جوڑ رہا ہے مگر ان کی حیرت پر تعجب ہوتا ہے کہ

اھم یقسمون رحمت ربک "کیا وہی آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں"۔
اور اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء
یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

تبلیغ و اشاعت دین کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کا کام انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا رہا۔ مگر نبی آخرالزماں ﷺ کی اس آخری امت میں اس کی ذمہ داری علمائے ربانیین پر عائد ہوتی ہے۔ جو ورثۃ الانبیاء ہیں اور ہر مادی اور الحادی دور کی تاریکیوں میں روشن چراغ کی مانند ہوتے ہیں موجودہ دور پُرفتن میں اس ذمہ داری کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس دور میں اسلام کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی دینی پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ سے ان کا ایمان اور روحانی تعلق برائے نام ہی رہ گیا ہے ان کی اعتقادی خرابیوں اور عملی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ انہیں اس قعرِ مذلت سے نکال کر اور اس خوابِ غفلت سے جگا کر شریعت مطہرہ کے اتباع، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اس کی آواز پر لبیک کہنے کی بجائے الٹا اپنے آپ کو اوہام و تشکیک کی وادیوں میں دھکیل دیتے ہیں اور:

ظلمات بعضھا فوق بعض "تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں"
کی صورت پیدا ہوتی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ رکھی ہے۔ اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور اصلاح خلق کی خدمت لیتا رہا۔ اور

صوفیائے کرام نے جس خلوص اور للّٰہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں:

صوفیائے کرام کے ہاں تعلیم وارشاد اور تزکیہ واصلاح باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوف کا عملی پہلو ہے۔ جس کا انحصار صحبت شیخ پر ہے۔ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ "تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں" مگر جہاں تک تصوف کے علمی پہلو کا تعلق ہے صحیح اسلامی تصوف کے خدوخال کا تعین اور اس کی حقیقت سے علمی حلقوں کو روشناس کرانا نہایت ضروری ہے کیونکہ آج کل جس چیز کو تصوف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پیش کیا جاتا ہے اسے تصوف اسلامی سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح اسلامی تصوف کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کی عامۃ المسلمین کو صحیح اسلامی تصوف سے روشناس کرایا جائے جس کی اساس کتاب وسنت پر ہے تاکہ اس کی روشنی میں اپنی فکری اور عملی اصلاح کر کے ابدی فلاح حاصل کرسکیں اسی احساس فرض کا نتیجہ یہ کتاب ہے۔

وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب

اللہ یار خاں۔ چکڑالہ (ضلع میانوالی)

یکم شعبان سنہ ۱۳۸۵ھ۔

۱

اِسلامی تصوّف کی حقیقت

تصوف کیا ہے؟

موضوع علم تصوف

علم تصوف کی تعریف و غایت

تصوف کیا نہیں؟

اسلامی تصوف کی حقیقت

تصوف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الہٰی ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعۂ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آثار صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

عہد رسالت اور صحابہ کرامؓ کے دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، اصول، فقہ، کلام وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں ہر چند کی ان کے اصول وکلیات موجود تھے اور ان عنوانات کے تحت یہ شعبے بعد میں مدون ہوئے اسی طرح دین کا یہ اہم شعبہ بھی موجود تھا۔ کیونکہ تزکیہ باطن خود پیغمبر ﷺ کے فرائض میں شامل تھا۔ صحابہؓ کی زندگی بھی اسی کا نمونہ تھی لیکن اس کی تدوین بھی دوسرے شعبوں کی طرح بعد میں ہوئی صحابیت کے شرف اور لقب کی موجودگی میں کسی علیحدہ اصطلاح کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے متکلم، مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی کے القاب استعمال نہیں کیے گئے۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دین کے اس شعبہ کی خدمت کی اور اس کے حامل اور متخصص قرار پائے۔ ان کی زندگیاں زہد واتقاء اور خلوص وسادگی کا عمدہ نمونہ تھیں۔ ان کی غذا بھی سادہ اور لباس بھی موٹا جھوٹا اکثر صوف وغیرہ کا ہوتا تھا۔ اس وجہ سے وہ لوگوں میں صوفی کے لقب سے یاد کیے گئے اور اس

نسبت سے ان سے متعلقہ شعبہ دین کو بعد میں تصوف کا نام دیا گیا۔ قرآن حکیم میں اسے تقویٰ' تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے ''احسان'' سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل حدیث جبریل علیہ السلام میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ تصوف' احسان' سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔

نبوت کے دو پہلو ہیں اور دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں

کماقال تعالیٰ:

لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمته.

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے جب کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا۔ جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

نبوت کے ظاہری پہلو کا تعلق تلاوت آیات اور تعلیم وتشریح کتاب سے ہے اور اس کے باطنی پہلو کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے۔ جن نفوس قدسیہ کو فیضان نبوت کے ظاہری پہلو سے حصہ وافر ملا وہ مفسر' محدث فقیہ اور مبلغ کے ناموں سے موسوم ہوئے اور جنہیں اس کے ساتھ ہی فیضان نبوت کے باطنی پہلو سے بھی سرفراز فرمایا گیا ان میں سے بعض ابدالیت' قطبیت' غوثیت اور قیومیت وغیرہ کے مناصب پر فائز ہوئے مگر ان سب کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام بالکتاب والسنہ ہے یہی مدار نجات ہے۔ قبر سے حشر تک اتباع کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیائے کرام نے شیخ یا پیر کے لئے

کتاب وسنت کا عالم اور عامل ہونا لازم قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے مگر اس کی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا ہے شعبدہ باز ہے کیونکہ تعلق مع اللہ کے لئے اتباع سنت لازمی ہے۔

کما قال تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اتباع سنت کا پورا پورا حق ان اللہ والوں نے ادا کیا جنہوں نے نبوت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کی اہمیت کو محسوس کیا اور ہمیشہ پیش نظر رکھا اور تبلیغ واشاعت دین کو تزکیہ نفوس سے کبھی جدا نہ ہونے دیا۔ تمام کمالات اور سارے مناصب صرف حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی بدولت ہی حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباع سنت ہے۔

موضوع علم تصوف

کسی علم کے موضوع کا تعین اس کے عوارضات ذاتیہ کی بحث سے ہوتا ہے پس علم تصوف کا موضوع مکلفین کے احوال ہیں مگر مطلقاً احوال نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ کونسا فعل قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے اور کونسا فعل اللہ سے دوری کا موجب۔ جیسا کہ علم طب میں موضوع بدن انسانی ہے لیکن مطلقاً بدن نہیں بلکہ من حیث الصحۃ والمرض ہے۔

پس علم تصوف میں بھی احوال مکلفین کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قرب و بعد کی حیثیت سے بحث ہوگی۔

علم تصوف کی تعریف اور غایت

هو علم تعرف به احوال تزکیه النفوس وتصفیه الاخلاق وتعمیر الباطن والظاهر لنیل السعادة الابدیه ویحصل به اصلاح النفس والمعرفه ورضاء الرب وموضوعه التزکیه والتصفیه والتعمیر المزکورات وغایته نیل السعادة الابدیه۔

''تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ تا کہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اسکی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے''

تعریف' موضوع اور غایت کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر علم کی شان ان امور سہ گانہ سے واضح ہو جاتی ہے اور ہماری غرض یہ ہے کہ تصوف وسلوک کا دین اسلام میں جو مقام اور مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو جائے اور کسی کے لئے اس امر کی گنجائش نہ رہے کہ محض اس احتمال سے یہ علم ظنی ہے وہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ دین کے دوسرے شعبوں میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کی حیثیت ظنی مسائل کی ہے۔ انہیں قبول کر لینا اور علم تصوف میں صرف ظنی کا احتمال پیدا کر کے اسے چھوڑ دینا اور اس عقیدہ میں غلو کرنا علمی دیانت سے بعید ہے ایسا کرنا در حقیقت ارباب تصوف یعنی اولیاء اللہ سے عداوت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کے لئے من عادی لی ولیا فقد اذنته للحرب ' کی وعید موجود ہے اس لئے تصوف کے معاندین اپنی عاقبت کی فکر کریں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا' اسے اس فن اور اہل فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں فلاسفہ جنہیں علم و تحقیق

پر بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسلہ ء کشف پر آتے ہیں تو انہیں اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں ملتا کہ هذا طور وراء طور العقل لایدرکه الا اصحاب قوة القاسیه۔

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لئے نہ کشف وکرامات شرط ہے نہ دنیا۔کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے۔ نہ تعویذ گنڈوں کا نام تصوف ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے۔ نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے نہ قبروں پر سجدہ کرنے ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانیکا نام تصوف ہے۔اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے۔ نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد وتواجد اور رقص وسرود کا نام تصوف ہے عام طور پر یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کی خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔

۲

تصوف کے متعلق مختلف نظریات

مُنکرینِ تصوّف

قائلینِ تصوّف

تصوف کے متعلق مختلف نظریات

منکرین تصوف

تصوف کا انکار مختلف بہانوں اور مختلف الزامات کی آڑ میں کیا جاتا ہے۔ ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ تصوف بدعت ہے۔ بدعت کی بحث مناسب مقام پر آ جائیگی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ تصوف بدعت ہے یا سنت اور روح اسلام ہے۔ یہاں ہم اصولی طور پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ منکرین تصوف کی حیثیت نہ تو مجتہد کی ہے کہ ان کا انکار کسی کے لئے حجت ہو۔ اور نہ یہ علمائے حق اور صوفیہ محققین پر کسی طرح فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کی رائے کا احترام کیا جائے بلکہ بقول مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ یہ منکرین تصوف چور ڈاکو اور راہزن ہیں جو دین کا ایک اہم جز دین سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک کروڑوں نفوس قدسیہ کو بدعتی کہنے کی بجائے یہ زیادہ قرین عقل و انصاف ہے کہ ان منکرین تصوف کو ہی بدعتی سمجھا جائے۔ ان کے انکار کی وجہ ان کی جہالت اور کم علمی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ایسا کرتے آئے ہیں: الناس اعداء لماجھلو 1

کماقال اللہ تعالے : بل کذبو ابمالم یحیطو ابعلمہ

اگر یہ لوگ ارشاد ربانی کو پیش نظر رکھتے کہ :

ولاتقف مالیس لک بہ علم ۳

تو ممکن ہے انہیں انکار کی جرأت نہ ہوتی۔

قائلین تصوف

قائلین تصوف کے پھر دو گروہ ہیں ایک قلیل جماعت اعتقاداً تصوف کی قائل ہے اور عملاً بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ درحقیقت یہی لوگ اہل حق ہیں اور قلیل من عبادی الشکور ؎ کے مصداق ہیں۔ ان کا وجود ہر زمانے میں رہا ہے اور نبوت کے اس شعبہ کی برکات انہیں کے وسیلے سے دنیا میں پھیلتی رہی ہیں۔ ایک جماعت ایسی ہے جو بظاہر تو تصوف کی قائل ہے مگر عملاً اس کی منکر ہے ان کے نزدیک تصوف صرف کتب تصوف کا مطالعہ کر لینے' اولیاء اللہ کی حکایات سن لینے' سر دھننے اور جھومنے تک محدود ہے۔ یہ لوگ اول تو کسی عارف کامل مزکی و مصلح کی تلاش کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے جو عملاً سلوک سکھائے اور اتباع سنت پر زور دے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو تزکیہ باطن کا طریقہ سکھائے یا راہ سلوک طے کرائے تو اس پر یقین نہیں کرتے بلکہ اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے حالانکہ ان کی بے یقینی کی اصل وجہ ان کا فکری اور عملی جمود ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنی پڑے محض زبانی باتوں اور حکایتوں سے ہی سلوک طے ہو جائے یہ لوگ بھی دراصل تصوف اسلامی کے منکر ہیں۔ اس جماعت میں بعض اوقات اس نعرہ کی گونج بھی سنائی دیتی ہے" کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے" یہ نعرہ کیا ہے کتاب وسنت سے آزادی اور اتباع سنت سے فرار کی ایک راہ نکال لی ہے۔

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ روض الریاحین میں علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں

کہ:

''انکار کرامات کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں ایک تو وہ جو مطلقاً منکر ہیں یہ مشہور اہل مذہب اور پرہیزگاری سے منحرف ہیں۔ دوسرے وہ جو اگلے لوگوں کی کرامات کے قائل ہیں۔ مگر اپنے زمانے کے اصحاب کرامات کے منکر ہیں یہ لوگ بقول سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ' بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وقت تصدیق کی جب ان کو نہیں دیکھا اور محمد ﷺ کی تکذیب کی اور اس کا باعث حسد وعداوت اور شقاوت کے سوا کچھ نہ تھا۔ تیسرے وہ ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے زمانے کے لوگوں میں بھی خدا کے اولیاء ہیں لیکن کسی شخص معین کی تصدیق نہیں کرتے ایسے لوگ اولیاء اللہ کی رہنمائی سے محروم ہیں۔''

O

۳

تصوف کا ثبوت

حدیث جبریلؑ

بعثت انبیا کا مقصد

دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد

تصوف کا حصول فرض عین

امام غزالیؒ کی رائے

تصوف اصول دین ہے۔

اہلسنت والجماعت کا مدار شریعت وطریقت پر ہے۔

تصوف تواتر سے ثابت ہے۔

حدیث احسان پر تفصیلی بحث

قربِ نوافل

قربِ نوافل اور قربِ فرائض میں فرق

تصوّف کا ثبوت

حدیث جبرئیل علیہ السلام

کتب احادیث میں حدیث جبرئیل کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے احسان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے:

قال اخبرنی عن الاحسان. ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک قال لی یا عمر اتدری من السائل قلت الله ورسوله اعلم. قال فانه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم ۱؎۔

"جبرئیلؑ نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے رسولؐ خدا نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں فرمایا۔ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

اس حدیث کی شرح میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے۔

قال الامام مالک رحمته الله علیه من تصوف علم یتفقه فقد تزندق ومن تفقه علم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهما فقد تحقق۔

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ زندیق ہوا۔ اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔"

''بدانکہ بنائے دین وکمال آن بر فقہ وکلام وتصوف است وایں حدیث شریف بیان ایں ہر سہ تمام کردہ اسلام اشارت باعتقادات کہ مسائل اصول کلام اند واحسان اشارت بہ اصل تصوف است کہ عبارت از صدق توجہ الی اللہ است وجمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت بان اشارت کردہ اند راجع بہمیں معنی است وتصوف وکلام لازم یکدیگر اند کہ ہیچ یکے بے دیگر تمام نہ پذیرد چرا کہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندد زیرا کہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نہ شود وفقہ بے تصوف تمام نشود زیرا کہ عمل بے صدق توجہ تمام نہ پذیرد وہر دو بے ایمان صحیح نگردد بر مثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بے دیگر وجود نگیرد وکمال نہ پذیرد''

''خوب سمجھ لو کہ دین کی بنیاد اور اسکی تکمیل کا انحصار فقہ کلام اور تصوف پر ہے اور اس حدیث شریف میں ان تینوں کا بیان ہوا ہے۔ اسلام سے مراد فقہ ہے کیونکہ اس میں شریعت کے احکام اور اعمال کا بیان ہے اور ایمان سے مراد عقائد ہیں جو علم کلام کے مسائل ہیں اور احسان سے مراد اصل تصوف ہے جو صدق دل سے توجہ الی اللہ سے عبارت ہے مشائخ طریقت کے تمام ارشادات کا حاصل یہی احسان ہے تصوف اور کلام لازم ملزوم ہیں۔ کیونکہ تصوف بغیر کلام کے اور فقہ بغیر تصوف بے معنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور فقہ بغیر تصوف کے کامل نہیں ہوتی کیونکہ کوئی عمل بغیر اخلاص نیت کے مقبول نہیں اور یہ دونوں ایمان کے بغیر بیکار ہیں۔ ان کی مثال روح اور جسم کی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر ناتمام رہتے ہیں۔''

فائدہ: تصوف جزو دین ہے اور انتفائے جزو مستلزم ہے انتفائے کُل کو پس انکار تصوف مستلزم ہوگا انکار دین کو۔ عالم جب تک تصوف وسلوک سے بے بہرہ ہے نہ صحیح معنوں میں وارث رسول ﷺ ہے اور نہ نائب رسول ﷺ کہلانے کا مستحق:

ولا يكون الخليفه الامن جمع المقاصد الثلا ثه التى ذكرنا ها وحفظ الكتاب والسنه و تدرب فى قوانين السلوك و تربيته السالكين (٨)

خلیفہ رسول ﷺ صرف وہ شخص ہوگا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو یاد کیا ہو اور قوانین علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو۔

فائدہ: (۱) العلماء ورثه الانبياء (علماء انبیاؑ کے وارث ہیں) سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے ان تینوں اجزاء کو جمع کیا ہو کیونکہ:

فانه جبريل اتاكم يعلمكم دينكم۔

سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تعلیم کیلئے جبریلؑ کو بھیجا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پہنچایا۔ وہ تین اجزاء اسلام ' ایمان اور احسان سے مرکب ہے جس میں سلوک جسے لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے بھی شامل ہے۔

(II) اگر یہ تسلیم کریں کہ سلوک بدعت ہے تو ماننا پڑے گا کہ دین مرکب بدعت سے ہے اور جب دین بدعت وغیرہ سے مرکب ہوا تو پورا دین بدعت ٹھہرا۔

(۴) بعثت انبیاؑ علیہ السلام کا مقصد

انبیاء علیہم السلام تین اغراض کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں اول تصحیح عقائد دوم تصحیح اعمال سوم تصحیح اخلاص۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد تكفل بفن الاول اهل ال صول من علماء الامته وقد تكفل بفن الثانى ففقهاء الا مته فهدى الله بهما ا كثرين و قد تكفل بفن الثالث الصوفيته رضوان الله عليهم ۹

تصحیح عقائد کے فن کے کفیل علمائے اصول ہوتے ہیں اعمال کے تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوتے ہیں۔ اور فن خلوص واحسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوتے ہیں۔

دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد

والذی نفسی بیدہ ھذہ الثالث ادق المقاصد الشریعتہ ماخذ او اعمقھا مھتد اوھو بالنسبتہ الی سائر الشرائع بمنزلتہ الروہ من الجسد و بمنزلتہ المعنی من اللفظ ۸۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن مقاصد شرعیہ کے ماخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے۔ اور لفظ کے لئے معنی کی ہے۔''

فائدہ:- (۱) یہ اخلاص اور احسان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اخلاص و احسان ساری شریعت کی روح ہے جس طرح روح کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح بدون اخلاص عقائد واعمال بے کار ہیں۔

(۲) تصوف کے بغیر نہ شریعت زندہ رہ سکتی ہے نہ دین سلامت رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے وضاحت فرمادی ہے۔ تصوف کا حصول فرض عین ہے قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ التوبہ کی آیت ما کان للمومنین ان تنفروا کافه کی تفسیر کے سلسلے میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں:

وان العلم الذی یسمون الصوفیہ الکرم للنیا فھو فرض عین لانثمرتھا تصفیتہ القلب عن اشتعال بغیر اللہ و اتصافہ بدوام الحضور و تزکیتہ النفس عن رذائل الا خلاق من العجب والتکبر

والحسد وحب الدنيا والجاه والكسل فی الطاعات وبثار الشهوات والرياء والسمعه وغير ذالک و تحليتها بكرام الاخلاق من التوبته والرضاء بالقضاء والشكر علی النعماء والصبر علی البلاء و غير ذالک ولاشک ان هذه الامور محرمات علی كل مومن اشد تحيما من معاص الجوارح واهم افتر اضا من فرائضها من الصلوة والصوم والزكوة وشيئی من العبادات لا سيما بشيئی منها مالم يقترن بالاخلاص والنيته ۹ھ۔

صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ نفس ہے رزائل اخلاق سے جیسے عجب تکبر' حسد' حب دنیا' حب جاہ' عبادات میں سستی' شہوات نفسانی' ریا' سمعہ وغیرہ اور اسکا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی رضا بالقضاء شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کیلئے اعضاء و جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز' روزہ اور زکوۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو سب بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

وكذالک يفترض عليه علم احوال القلب من التوكل و الخشيته والرضاء ۹ ے۔

''(جیسے باقی علوم فرض ہیں) اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ جو علم احوال قلب ہے جیسے توکل' خشیت' رضا بالقضاء۔''

فائدہ:۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تعلیم تصوف کو فرض عین قرار دیا ہے۔ ۹

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے احوال قلب کی تفصیل بیان فرما کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ۔

فیلزمہ ان یتعلم منھا مایری نفسہ محتاجا الیہ وازلتھا فرض عین

پس مومن کو لازم ہے کہ رذائل کے دفعیہ کے لئے علم اتنا حاصل کرے جتنا اپنے نفس

کو اس کا محتاج سمجھے ان کا ازالہ فرض عین ہے۔ ۱۰

تصوف اصول دین سے ہے

تفسیر جمل میں ہے

والدین الذی لایقبل التغیر ھو التوحید والاخلاص والایمان بما

جاءت جمیع الرسل علیھم الصلوۃ والسلام۔ ۱۰۔

"دین وہ چیز ہے جو تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء

لے کر آئے۔"

فائدہ:- اس سے ثابت ہوا کہ تصوف اسلامی اصول دین سے ہے۔ اور یہ عبارت ہے

خلوص و احسان سے اور بغیر خلوص نہ توحید مقبول ہے نہ ایمان و عمل۔

اہل السنّت والجماعت کا مدار شریعت و طریقت پر ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور

بزرگی کا کہتے ہیں" ۱۰

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ منکرین تصوف اہل سنت والجماعت میں داخل

نہیں اہل سنت اور صوفیہ محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب و سنت سے

وراثتہً پایا ہے اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں یہ صوفیہ کرام کا اجماعی مسلک ہے۔ ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں محققین ان کی اصلاح کرتے رہے۔

تصوف تواتر سے ثابت ہے

تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم و عمل زہد و تقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔

حدیث احسان پر تفصیلی بحث

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱: ۵۹

قال اخبرنی عن الاحسان. المعهود ذهنا في الايات القرانيته من قوله تعالى للذين احسنو الحسنى ' وقال هل جزاء الاحسان الا الاحسان. واحسنو ان الله يحب المحسنين ولاظهر ان المراد به في الايات ما اشتمل على الايمان والاسلام وغيرهما من الاعمال والاخلاق والاحوال.

الاحسان میں الف لام عہد ذہنی ہے جس میں اشارہ قرآنی آیات کی طرف ہے۔ جن میں لفظ احسان وارد ہوا ہے۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ مراد ان آیات سے وہ احسان ہے جو شامل ہے ایمان اور اسلام وغیرہ اعمال ظاہری اخلاق اور احوال (صوفیہ) پر۔

اور فیض الباری ۱: ۱۴۹

ان الاحسان ینقسم الی حال علم. فان مشاهدة الحق بقلبه کانه یراه حال له وصفته قائمته به ولیست علما.

احسان منقسم ہے حال صوفیہ اور علم پر۔ کیونکہ قلب سے حق کا مشاہدہ کرنا' گویا سالک نے آنکھوں سے دیکھا' یہ ایک حالت ہے جو اس صوفی سالک کی صفت قائمہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت علم نہیں۔

فیض الباری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ احسان یا تصوف وسلوک صرف علم کا نام نہیں۔ اس لئے اس علم کے پڑھ لینے سے آدمی عارف باللہ نہیں بن جائے گا۔ جیسے کسی شخص کو نماز' روزہ اور حج کے مسائل کا علم ہو تو محض علم ہونے سے وہ نہ نمازی بن گیا نہ صائم نہ حاجی۔ یہ تو اعمال ہیں جن کا تعلق محض علم سے نہیں بلکہ کرنے سے ہے' اسی طرح تصوف وسلوک حال اور کیفیات ہیں۔ جو شیخ کے سینے سے نکل کر سالک کے قلب کو منور کرتی ہیں۔ ان احوال اور کیفیات کے لئے واضع نے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے۔ کتب تصوف سے تصوف وسلوک کے متعلق علم کی حد تک رہنمائی تو مل سکتی ہے' لیکن وہ احوال وکیفیات جو اصل مطلوب ہیں وہ شیخ کامل کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر میں یہ کہے دیتا ہوں کہ جسے اپنے رب سے رشتہ جوڑنے اور تعلق باللہ قائم کرنے کی طلب ہو وہ اس عاجز کے پاس آجائے انشاء اللہ تعالیٰ اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم نہیں رہے گا۔

تصوف وسلوک کا انکار علم یا استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ جہالت، ضد یا عناد پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات تصوف وسلوک کی اصل اور بنیاد ہیں۔ محدثین نے آیات احسان اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں' ان کی تفصیل احادیث نبوی اور اقوال مشائخ میں ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے کلیات کے علاوہ جزئیات تک نصوص

قرآنی اور آثار سے مؤید ہیں' ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ صوفیہ کے مختلف طرق اور سلسلے جن میں اشغال واعمال اور ان کے نتائج و ثمرات کا ذکر ہے۔ ان کے کلیات اور جزئیات تک کی تائید نصوص و آثار اور روایات سے ہوتی ہے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔
اسلامی عقائد فقہی جزئیات' اعمال' اخلاق اور عبادات' اسلام کا قالب ہیں۔ مگر اس کا قلب اور روح اخلاص و احسان یعنی تصوف و سلوک ہے۔ مثلاً تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا' یعنی اس عبادت کا قلب مجروح نہیں ہوتا اور قانون اور ضابطے کی رو سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر صحیح حدیث میں موجود ہے کہ روزہ کی روح غیبت سے نکل جاتی ہے ظاہر ہے کہ جیسے جسد بے روح بے کار اسی طرح جس روزہ سے روح نکل گئی؟ اس کی حیثیت کیا رہ گئی؟ یہ حقیقت تصوف سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اس لئے مولوی علم ہے اور صوفی عمل ہے۔ مولوی قالب ہے' صوفی قلب ہے' مولوی جن اعمال کی جزا و سزا آخرت میں دیکھے گا' صوفی دنیوی زندگی میں برزخ کے حالات دیکھتا ہے مولوی جو چیزیں خواب میں دیکھتا ہے صوفی عالم بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے۔ اسی لئے صوفی کو ایک طرح کی ملائکہ سے مشابہت ہے۔

عن جابر فی شان اهل الجنه قال رسول الله ﷺ یلهمون التسبیح و التحمید کما یلهمون النفس

حضرت جابرؓ سے اہل جنت کے متعلق روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان پر تسبیح و تہلیل الہام کی جائے گی جیسے سانس لینا تمہاری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔

صوفیہ کے ذکر پاس انفاس میں یہی حالت ہوتی ہے۔ جو اہل جنت کی بیان ہوئی ہے۔ یہی حدیث سانس سے ذکر کرنے کی اصل اور اس کا ثبوت بھی ہے۔ حدیث جبرئیل میں حبس دم کی کیفیت پائی جاتی ہے' حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اتنا

بھینچا کہ بلغ منی الجھد حتی ظننت انه لموت یعنی مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں نے اسے موت خیال کیا۔ یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب سانس رک جائے دم گھٹنے لگے یہی حبس دم کے وقت کیفیت ہوتی ہے اور جب انوار وتجلیات باری کی کثرت ہوتی ہے تو اس وقت ذاکر پر دباؤ پڑتا ہے اور سانس رکنے لگتی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واعلم ان لفظ الاحسان شامل لجميع انواع البرمن الاذكار والاشغال وغيرها. والاذكار تقال الاوراد المسنونه وماذكره المشائخ من الضربات والكيفيات يقال لها الاشغال والنسبته في اصطلاحهم ربط خاص سوى ربط الخالقيته والمخلوقيته فمن حصل له ربط سوى الربط العام يقال له صاحب النسبته والطرق المشهورة في التصوف اربعته السهر ورديته ولقادريته والجشتيه ولنقشبنديه والسلسلة السهر ورديته فد تسلسلت في اجد ادنا من عشرة منصلته ثم مانقل الينا من الا وامر و النواهي والوعد والوعيد سمي شريعة والتخلق بها يسمي طريقة وحينئذ تنصبغ الاعمال بصبغ الايمان كما كان في السلف اماليوم علم بلاعمل و ايمان بلا تصديق من الجورح رب تال القران والقران يلعنه ثم الفوز بالمقصد الاسنى والنيل بالمارب الاعلى يسمي حقيقة ومن ههناظهران الشريعة والطريقة لاتتغايران كما زعم العوام ١٢

احسان کا لفظ تمام نیکیوں پر مشتمل ہے خواہ اذکار ہوں یا اشغال صوفیہ۔ اذکار کا اطلاق اوراد مسنونہ پر ہوتا ہے۔ اور مشائخ صوفیہ نے جو ضربوں اور کیفیتوں کا ذکر کیا ہے انہیں اشغال کہتے ہیں اور نسبت اصطلاح صوفیہ میں ایک خاص قسم کے ربط

کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحب نسبت کہتے ہیں اور تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں۔ سہروردی قادری' چشتی اور نقشبندی' اور سلسلہ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آ رہا ہے پھر جو اوامر ونواہی وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں اسے شریعت کہتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگا جانا طریقت کہلاتا ہے۔ اس وقت تمام اعمال' ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ سلف صالحین کی یہی حالت تھی' مگر آج کل علم ہے عمل نہیں' ایمان ہے مگر اعضاء و جوارح سے اس کی تصدیق نہیں' بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ پھر اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنا' اعلیٰ نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے۔ اس کا نام حقیقت ہے۔ لاتتغایران کما زعم العوام۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔

الفاظ اور معنی کا تعلق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انی لست ممن یاخذون الدین من الفاظ بل اولی الامر عندی توارث الامته واختیار الائمته فانهم هداة الدین واعلامته ولمیصل الدین الینا الامنهم فعلیهم لاعتماد فی هذا الباب فالنسیئی الظن بهم ۱۳۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث اور وہ صورت ہے جو ائمہ نے اختیار کی ہے۔' کیونکہ وہی دین کے ہادی اور نشان ہیں۔ ہمیں دین تو انہیں کے ذریعے پہنچا' ہم اس بارے میں انکی پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم ان کے متعلق سوء ظن سے بچتے ہیں۔

بلاشبہ دین متین الفاظ کی شکل میں نقل ہوکر ہم تک پہنچا، مگر ان الفاظ میں حقیقی معنی بتانے والی جماعت بھی ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسلاً چلتی آئی۔ الفاظ دین کے معنی جو ان حضرات نے سمجھے اس کے مطابق عمل کرکے دکھاتے رہے۔ یہی تعامل اور توارث ہے جو دین کی روح ہے۔ اس پر حقیقی اعتمادہی اصل دین ہے۔ اور یہی دین ایک طرف چار فقہی مذاہب میں اور دوسری طرف چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہوکر ہم تک پہنچا ہے اہل السنّت والجماعت کا مدار نبوت کے انہی دو پہلوؤں پر ہے۔

اگر الفاظ کو معانی پہنانے کے سلسلے میں آزادی ہو تو وہ دین نہیں بلکہ نفس پرستی ہوگی۔ اس لئے جہاں تک منقول دین کے الفاظ کے معانی سمجھنے کا تعلق ہے اس کا انحصار تعامل امت اور عرف پر ہوگا۔

دین سے کیا مراد ہے:۔ عمدۃ القاری ۱:۳۳۹ زیر حدیث

جاء جبرئیل یعلمکم دینکم ای یعلمو العقائد الدینیه و الا عمال الظاهرة و الا عمال القلبیته.

جبرئیل آئے کہ تمہیں دین سکھائیں۔ یعنی تاکہ تم جان لو کہ عقائد دینیہ کیا ہیں۔ اعمال ظاہری اور اعمال قلبی کون کون سے ہیں۔

اور تحفۃ القاری ۱:۱۲۱

دل الحدیث علی ان علوم الدین ثلاثه الاول العقائد و هو علم الکلام والثنی علم الحرام والحلال و معرفه الاحکام و هو علم الفقه والثالث علم المکاشفات والمراقبات و هو علم التصوف و مجموعها الدین. والاحسان هو اهل التصوف الذی هو عبادة عن صدق التومه الی الله و جمیع معانی التﷺوف التی جاء ت عن

مشائخ الطریقتہ کلہا رجعتہ الی ہذا المعنی فالدین وتر ثلاث رکعات الولی رکعتہ الیمان والثانیتہ رکعتہ والاسلام الثالثتہ رکعتہ الاحسان عہی التی توتر ماقد صلی ولایصح القتصار علی رکعتہ الاحسان فقط مالم ینضم الیہا شفع الایمان ولاسلام وقال القرطبی ہذا الحدیث یصح ان یقال لہ ام السنتہ وقال قاضی عیاض اشتمل ہذا الحدیث علی جمیع وظائف العبادات الظاہریتہ والباطنیتہ ومن اعمال الجوارح ومن اخلاص اسرائر قال علامتہ الزمان الشیخ محمود الحسن الدیوبندی قدس سرہ ان مقصود المولف بہذا لترجمتہ ان

لاصول والفروع والاعمال والایمان والاسلام والاحسان والاخلاص والاخلاق کلہا من الدین وفی حدیث ہرقل ذلک بشاشتہ الایمان ہو الاحسان واشار ہذا الباب الی ان من ذاق حلاوتہ الایمان شرح اللہ صدرہ للاسلام وخالط بشاشتہ القلب خلطا رابطیا اتحادیا فیجوز ان یقال فی حقہ انہ محفوظ من الرتدادو امامن لیس کذلک فلایجوزلہ الوثوق علی ایمانہ.

حدیث جبرئیل علیہ السلام تین علوم پر دلالت کرتی ہے۔ اول عقائد۔ یہ علم کلام ہے۔ دوسرا حلال وحرام اور احکام کی معرفت' یہ فقہ ہے۔ تیسرا مکاشفات اور مراقبات کا علم ہے۔ یہ علم تصوف ہے۔ اور تینوں کے مجموعے کا نام دین ہے۔ اور احسان تصوف کی اصل ہے اور اس سے مراد صدق توجہ یا اخلاص ہے' مشائخ سے تصوف کے جتنے معنی منقول ہیں وہ اسی حقیقت کی طرف راجع ہیں۔ پس دین اسلام وتر ہوا تین رکعات پہلی رکعت ایمان ہے' دوسری اسلام اور تیسری احسان۔ اور یہ احسان وتر بنائے گا۔ فقط ایک رکعت احسان پر اقتصار کرنا درست نہ ہوگا جب تک

ایمان اور اسلام کی دو رکعتیں ساتھ نہ ملائی جائیں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حدیث جبریل کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سنت کی اصل اور بنیاد ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ حدیث جبریل علیہ السلام تمام وظائف عبادات ظاہری اور باطنی اور اعمال جوارح اور دل کے اخلاص سب پر مشتمل ہے۔ اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ترجمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اصول و فروع اعمال' ایمان' اسلام' احسان' اخلاص' اخلاق سب دین کے اجزاء ہیں اور ہرقل روم والی حدیث میں بشاشۃ الایمان سے مراد یہی احسان ہے اور اس جملے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی' اس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا' اور ایمان کی لذت دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکی اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے وہ مرتد نہیں ہوگا' اور جس میں یہ حقیقت نہیں پائی جاتی' اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ایمان پر قائم رہے گا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ مراقبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ جب سالک کو راسخ ہو جائے تو وہ یقیناً ایمان پر مرتا ہے۔ حدیث میں لفظ بشاشت آیا ہے۔ امام صاحب نے اسی سے راسخ کی قید لگائی ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو از قبیل جوامع الکلم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

هذا الحديث من جوامع الكلم ﷺ اے تعبد ربک کانک تراه فان لم تكن تراه الخ الاول اشارة الى مقام المشاهدة و لامكاشفه والثاني نزول من مقام المشاهدة والمكاشفه الى المراقبه۔

"پہلی صورت اشارہ ہے۔ مقام مشاہدہ اور مکاشفہ کی طرف دوسری صورت اشارہ مقام مراقبہ کی طرف ہے۔

گویا سالک کی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے۔ بعض صوفیاء کو کشف ہو جاتا ہے۔ وہ دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ تجلیات باری تعالیٰ ملائکہ اور ارواح وغیرہ کا۔ بعض کو کشف نہیں ہوتا وہ مشاہدہ نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود ان میں مراتب کا فرق نہیں ہوگا۔ حدیث جبرائیل علیہ السلام کی تاریخی حیثیت اس حدیث کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کرتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام کا انسانی صورت میں آ کر یہ کلام کرنا اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضور اکرم ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آ چکے تھے گویا حضور ﷺ کی عمر کے آخری حصے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دین اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی : ۔ احکام نازل ہو چکے تھے۔ گویا ایک ہی مجلس میں دین کا خلاصہ جبرئیل علیہ السلام کی زبانی سنوا کر حضور ﷺ کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اتا کم لیعلمکم دینکم گویا حدیث جبرئیل کا مقصد لتقریر جمیع امور الدین متفرقته فی مجلس واحد لتضبیطه ۔ یعنی مجلس واحد میں احکام دین کو منضبط اور پختہ کرنے کے لئے دین کا خلاصہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا کہ دین مرکب ہے تین امور سے جیسے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی شخص نے دو رکعتیں پڑھ لیں مگر تیسری چھوڑ دی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح جب تصوف کو چھوڑ دیا تو دین کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ تکمیل دین نہیں ہوتی۔ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے لوگ دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ اول وہ جو تارک تصوف ہیں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی تارک صلوٰۃ ہو ایسے شخص کو فاسق کہتے ہیں' مگر جو منکر تصوف ہو اس نے تو دین کے تہائی حصے کا انکار کر دیا۔ اور انکار جزء مستلزم ہے انکار کل کو تو ایسے شخص کے متعلق اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ اسے ہدایت دے۔

شرح عقیدۃ السفارینی ۱: ۳۴۰ میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

وحاصل ذالک ان لدین واھلہ کما اخبر خاتم النبیین وامام المرسلین ثلاث طبقات اولھا الاسلام واوسطھا الایمان واعلاھا الاحسان فمن وصل الی العلیا فقد وصل الی التی تلیھا فالمحسن مومن والمومن مسلم ھکذا جاء فی القران فجعل الامہ علی ھذہ لاصناف الثلاثتہ قال اللہ تعالیٰ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذالک ھو الفضل الکبیر فالمسلم الذی لم یقم بواجب الایمان ھو الظالم لنفسہ والمقتصد الذی ادی الواجب وترک المحرام ھو المومن المطلق والسابق بالخیرات ھو المحسن الذی عبداللہ کانہ یراہ فان لم یکن یراہ فانہ یراہ.

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دین اور اہل دین کے تین طبقے ہیں جیسا کہ خاتم النبیین اور امام المرسلینؐ نے خبر دی ہے۔ پہلا طبقہ لفظ اسلام سے دوسرا ایمان سے اور تیسرا احسان سے ظاہر ہے' پس جو شخص درجہ اعلیٰ پر پہنچا وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا۔ پس محسن' مومن ہے اور مومن مسلم ہے اسی طرح قرآن مجید میں آچکا ہے اللہ نے امت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پھر وارث کر دیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں انتخاب کر لیا ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں کچھ وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں' کچھ وہ جو اللہ کی مدد سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں' اور یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے مسلم وہ جو واجبات ایمان کو قائم نہ کرے وہی اپنے نفس کے حق میں ظالم ہے اور مقتصد وہ ہے جس نے واجبات کو ادا کیا اور محرمات سے پرہیز کیا یہ مطلق مومن ہے اور سابق بالخیرات وہ محسن ہے جس نے اللہ کی عبادت کی گویا کہ وہ

اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اسے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

قرب نوافل:۔

قال النبی ﷺ ماتقرب الی عبدی بمثل ماافترضت علیہ ثم لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصربہ الخ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ فرائض کی پابندی سے جو قرب حاصل کرتا ہے اس جیسا اور کوئی قرب نہیں پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اسے پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔

اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ صفحے پر لکھا جا چکا ہے اس کی تشریح فیض الباری میں حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے:

ومر علیہ الذھبی فی المیزان وقال لولا ھیبتہ الجامع لقلت فیہ سبحان اللہ قلت اذاصح الحدیث فلیضعہ علی الراس والعین واذاتعالیٰ شیی منہ من الفھم فلیکلہ الی اصحابہ ولیس سبیلہ ان یجرح فیہ اما علماء الشریعتہ فقالو امعناہ ان جوارح العبد تصیر تابعہ للمرضاۃ الالھیہ حتی لا تتحرک الاعلی مایرضی بہ وبہ فاذا کانت غایتہ سمعہ وبصرہ وجوارحہ کلھا ھو اللہ تعالیٰ سبحانہ فحینئذ صح ان یقال انہ لا یسمع الالہ ولایتکلم الالہ فکان اللہ صار سمعہ وبصرہ قلت وھذا عدول عن حق الا لفاظ لان قولہ کنت سمعہ بصیغہ المتکلم یدل علی انہ لم یبق من المتقرب

بالنوافل الاجسده وشفه وصار المتصرف فيه الحضرة الالهيه فحسب وهو الذی عناه الص ﷺ فیه بالفناء فی الله ای انسلخ عن دواعی نفسه حتی لایکون المتصرف فیه الا هو کما هذا فی القران فی قصه موسی علیه السلام فلما جاء ها نودی ان بورک من فی النار. جا لمرئی والمشاهد لم یکن الا النار دون الرب جل مجده ولکن الله تعالی سبحانه لما تجلی فیها قال یا موسی انی انا الله الخ قال فانظر فیه انه کیف سمع صوتا من النار انی انا الله فهو نار ثم صح قوله انی ان الله ایضا فالمتکلم فی المرئی کا ن هو الشجرة ثم اسند تکلمها الی الله تعالی وذالک لان الرب جل مجده لماتجلی فیها صارت الواسطه لمعرفته اياه هما الشجره فاخذ المتجلی فیه حکمالمتجلی بنفسه الی ان قال وانما تجلی ربه فی النار لحاجته مو سی الیها ثم قال فان فهمت معنی التجلی کما حقه وبلغت مبلغه فدع الامثال والصور المنصوبته وارق الی ربک حنیفافانه اذا اصح للشجرة ان ینادی فیها بانی اناالله فما بال المتقرب بالنوافل ان لا یکون الله سمعه وبصره ویده ورجله کیف وان آدم الذی خلق علی صورة الرحمن لیس مادون من شجرة موسی وقال امحشی وعلیک ان تتامل تلک الباحث بعین التحقیق فانها لا تنحل بالعلوم الظاهره فقط مالم ترجع الی کتب الصوفیه فان لکل فن رجالا فلا تعدها.

میزان الاعتدال میں جب امام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث پر پہنچے تو کہا کہ اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر نہ ہوتی تو اس حدیث کے متعلق میں یوں یوں کہتا۔ شیخ انور فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! امام ذہبی نے علم منطق نہ پڑھا تھا" میں کہتا ہوں۔

جب حدیث صحیح ہے تو چاہیے کہ بسر و چشم قبول کی جائے جب کوئی مسئلہ کسی کے فہم سے بالاتر ہو تو اس علم کے جاننے والوں کے سپرد کر دینا چاہیے یہ نہیں کہ اس مسئلہ پر خود ہی جرح شروع کر دے۔ بہر حال علمائے ظواہر نے اس حدیث کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کے اعضاء جوارح اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں ان سے وہی حرکت ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہو اور اس کے تمام اعضاء کی انتہا اور غایت ذات باری تعالیٰ ہو تو یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ بندہ سنتا ہے تو خدا کے لئے دیکھتا ہے تو خدا کے لئے گویا اللہ تعالیٰ اس بندے کے کان اور آنکھیں بن گیا ہے میں کہتا ہوں یہ معنی لینا حدیث کے الفاظ سے پھر جانا ہے حدیث میں صیغہ متکلم استعمال ہوا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو بندہ نوافل سے قرب الٰہی حاصل کر چکا ہو جسم اور صورت کے بغیر اس کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس میں تصرف کرنیوالا رب العلمین ہی ہے یہ وہ مقام ہے جس کو صوفیہ فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ یعنی خواہشات کے دواعی سے وہ شخص نکل جاتا ہے اور اس میں صرف اللہ کا تصرف رہ جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں موجود ہے کہ جب آپ آگ کے پاس پہنچے تو اس کے اندر سے آواز آئی برکت والی ہے وہ ذات جو آگ کے اندر ہے مگر سامنے آگ ہی تھی جب اللہ تعالےٰ کی تجلی اس آگ سے ظاہر ہوئی تو آواز آئی " میں اللہ ہوں " تو اس میں غور کرو کہ حضرت موسیٰ نے کس طرح آگ میں سے کلام باری تعالیٰ سنی کلام کرنے والا بظاہر وہ درخت ہے۔ پھر کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی کیونکہ رب العلمین کے نور کی تجلی درخت میں ظاہر ہوئی تو وہ درخت معرفت الٰہی کا واسطہ بن گیا۔ تو متجلی فیہ (درخت) متجلی بنفسہ (رب العالمین) کے حکم میں آ گیا بات یہ تھی نور کا ظہور آگ میں ہوا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت آگ کی ضرورت تھی۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے تجلی کے حقیقی معنی سمجھ لئے تو مثالوں اور صورتوں سے آگے بڑھو اور ترقی کر کے قرب الٰہی حاصل کرو کیونکہ جب

ایک درخت کے متعلق درست ہے کہ اس میں آواز آئے میں اللہ ہوں تو اللہ کے
مقرب بندہ کے لئے کیوں درست نہ ہو کہ رب العالمین اس کے کان، آنکھ وغیرہ
بن جائے جب بندہ صورت رحمن پر پیدا ہوا ہے تو اسے شجر موسیٰ علیہ السلام سے کم تو
خیال نہ کرنا چاہیے۔ ان بحثوں پر پوری تحقیق سے غور کرنا چاہیے۔ یہ عقدے صرف
علوم ظاہری سے نہیں کھل سکیں گے، جب تک علوم صوفیہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے
گا۔ کیونکہ ہر مرد ے وہر کارے یہ کام صوفیہ ہی کا ہے۔

اس بحث سے ایک عقدہ یہ کھلا کہ کلام الٰہی قدیم اور تجلی ذات باری قدیم،
مگر حادث درخت میں ظاہر ہوئی اور سنائی دی اسی طرح قرآن کریم کلام قدیم ہے غیر
مخلوق ہے مگر اسکا ظہور حادث مخلوق کی زبان سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کلام باری تعالیٰ
بطور کشف والہام ایک صوفی عارف کی زبان پر ظاہر ہونا بعید نہیں جبھی تو عارف رومی
نے فرمایا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حدیث کی شرح کی ابتدا میں جو شیخ انور نے سبحان اللہ کہہ کر بات ابہام میں رکھ دی اس
کی تفصیل میزان الاعتدال ۱:۳۰۱ پر یوں ملتی ہے۔

ولولا هيبته الجامع الصحيح لعلدته في منكرات خالد بن مخلد۔

اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر طاری نہ ہوتی تو میں اس حدیث کو خالد بن مخلد
کی منکرات میں شمار کرتا۔

حافظ العصر علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس قول کو بڑی خوبی سے رد کیا
ہے اور شیخ انور نے بات فیصلہ کن کہہ دی کہ ہر فن کی بات صاحب فن کے سپرد کرنی
چاہیے وہی اس پر فیصلہ کن رائے دینے کا اہل ہوتا ہے، آدمی کو جس فن سے واقفیت نہ

ہوا پنا بھرم رکھنے کے لیئے خواہ مخواہ اس پر جرح شروع کر دے۔

قرب فرائض اور قرب نوافل میں فرق

فیض الباری ۴: ۴۲۷ وھھنا بحث

وھھنا بحث للصوفته فی فصل القرب بالنوافل والقرب بالفرائض فقالوا ان العبد فی القرب الاول یصیر جارحته الله جل مجدہ والله سبحانه تفسه یکون جارحه لعبده فی القرب الثانی۔

یہاں قرب فرائض اور قرب نوافل کے سلسلے میں صوفیوں کے لئے بحث ہے۔ صوفیہ نے فرمایا کہ قرب فرائض میں بندہ اعضائے خدا تعالیٰ بنتا ہے اور قرب نوافل میں خدا تعالیٰ اعضائے بندہ بن جاتا ہے۔

جب بندہ اپنے رب کا قرب اس درجہ کا حاصل کر لیتا ہے تو رب کی طرف سے یہ اعلان کوئی انوکھا نہیں معلوم ہوتا۔

من عادی لی ولیا الخ

وان قال من عادی لی ولم یقل ولیا لی تفخیماً لشان العداوة لان فی الاول ایذانا بان عداوة ولی کانها عداوةالله بخلاف الثانی۔

حضور اکرم ﷺ نے "عادی لی" ولیا فرمایا "ولیا لی" نہیں فرمایا اس سے دشمنی کی شان ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ پہلی صورت میں حقیقتاً دشمنی خدا سے ہے ولی سے نہیں دوسری صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تفصیل کی غرض سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے القول الجلی فی حدیث الولی ۔ یہ رسالہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور الحاوی للفتاوی میں علامہ نے اس حدیث کو مختلف الفاظ

کے ساتھ مختلف راویوں سے نقل کیا ہے۔ مثلاً:

1 :عن انس بن مالک عن النبی ﷺ عن جبرائیل عن الله یقول عزوجل من اهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربه وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث المردوماتقرب الی عبدی الخ

2 :عن عائشه رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ علیه وسلم من اذی لی ولیا فقد استحل محاربتی وماتقرب الی عبدی بمثل الرائض.

3 :عن میمونه ام المومنین ان رسول الله ﷺ قال قال الله عزوجل من اذی لی ولیا فقد استحل محاربتی وماتقریب الی عبدی بمثل اداء الفرائض الخ.

4 :عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ یقول تعالیٰ من عادی لی ولیا فقد ناصبنی بالمحاربه الخ.

5 : عن ابی امامته عن رسول الله ﷺ قال ان الله تعالی یقول من اهان لی ولیا فقد بارزنی بالعداوة ابن ادم لم بالنوافل حتی احبه فاکون سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ولسانه الذی ینطق به وقلبه الذی یعقل به فاذا دعانی اجبته وان سالنی اعطیته وان استنصرنی نصرته.

ان احادیث سے حقیقت واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت پیدا کریں اور ان سے دشمنی رکھنے کی جرات نہ کریں۔ چنانچہ آخری حدیث کے متعلق ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فارشد تفهیمنا لتحقق المحبته للولی ولی اللہ کی محبت اپنے دل میں ثابت

کرنے کے لئے ہمیں سمجھایا گیا ہے' پھر حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا ملتی ہے'

اسئلک حبک وحب من یحبک یعنی اے خدا میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھے دوست رکھتا ہے'

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ الذاکرین میں صفحہ نمبر ۳۳۱ پر اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

> **وقدورفی السنتہ ذکر الاسباب اتی یتسبب بھا العباد الی محبتہ اللہ سبھانہ والہ حب من یحبہ فانہ لا یحب اللہ عزوجل الا المخلص من عبادہ فبھم طاعتہ من الطاعات وقربہ من القرب۔**
>
> اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر ہے جن کو خدا کے بندے محبت الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں کی محبت کا سوال کیا جو اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف مخلص بندے ہی خدا سے محبت رکھتے ہیں، پس ان کی محبت اطاعتوں میں ایک اطاعت ہے اور قرب الٰہی کی ایک صورت ہے۔

ان روایات میں دو امور کی تلقین اور تاکید کی گئی ہے، ایک کا تعلق پرہیز یا اجتناب سے ہے، اور وہ ہے اولیاء اللہ کی دشمنی۔ اس سے اتنا ڈرایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی دشمنی حقیقت میں اللہ سے دشمنی ہے دوسرے کا تعلق ایک کام کرنے کی تاکید سے ہے اور وہ ہے اولیاء اللہ سے محبت کرنا، اور اسے طاعت اور ذریعہ قرب قرار دیا گیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اللہ والوں سے محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کا سلیقہ سکھاتے ہیں ان حضرات کے پاس ایک ہی مجرب نسخہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ کا ذکر کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق

ان کی صحبت میں رہ کر جب ذکر کیا جاتا ہے تو لازماً اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔
چنانچہ بخاری اور مسلم میں اس اجتماعی ذکر کے فوائد اور نتائج کی نشاندہی کی گئی ہے۔

لا یقعد قوم یذکرمن الله الاحفتهم الملائکة و غشیتهم الرحمة منزلت علیهم السکینه مذکر هم الله فیمن عنده هم القوم لایشقی جلیهم.

جب کچھ لوگ مل کر ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے، اور وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔

اس حدیث صحیح سے ذکر الٰہی اور اولیاء اللہ کی صحبت کا اثر واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی صرف صحبت سے ہی اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ انسان بد بخت ہو کر نہیں مرتا۔

فیض الباری شرح بخاری میں حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الا حفتهم الملائکة باجنحتهم و فی الحدیث انهم یحطیون بهم کالهاله بالقمر علی شاکلة الدائرة حول الذاکر کما انک تذف حجرافی الماء فتر الامواج تتلاطم من حوله تمتد بقدر قوة لارامی وضعفها فکما ان الماء یتحرک مدی الحرکة و کذالک حال الاشیاء التی تشلها دائرة الذکر فانهاتصیر ذاکرة ونقل عن الشعر انی انه جلس مرة یذکر الله فرای مامن شیی هوله الاجعل یذکر الله حتی اذا اصبح رای ان ذکره قدا ستغرق الارض بنواحیها ولم یبق شیئی الاکان یساعد فی الذکروهو معنی قول النبی ﷺ هوالقوم

لایشق جلیھم فانہ بجلوسہ بین الذاکرین صار مشمولا بالذکر والذاکرین فکان حصھم والسرفیہ ان ذکر اللہ حیاۃ وحینئذ تتسع دائرۃ الذکر بقدر اتساع صوت الذاکر حتی تصیر الاشیاء کلھا حول الذکر احیاء ذاکرین وان کنت قدذقت حلاوۃ ماالقینا علیک تنبیت مع تسبیح الجبال والطیر مع داود علیہ السلام لم یکن یذکر ویسبح ربہ کما اخبر بہ القران الاجعل ماحولہ من الجبال والطیر یسبح معہ لدخولہ فی حلقہ ذکرہ واذکان نبیا من الانبیاء علیھم السلام کان ذکرہ ایضا بقدر مرتبہ جکانت الاشیا تتاثر منہ مالا تتاثر بذکر احد۔

ملائکہ اپنے پروں سے ان پر سایہ کر لیتے ہیں' اور حدیث میں ہے کہ ملائکہ ان کا یوں احاطہ کر لیتے ہیں' جیسے چاند کے گرد ہالہ' اور جان لو کہ اللہ کا ذکر' ذاکرین کے گرد دائرہ کی طرح پھیل جاتا ہے' جیسے تو پانی میں پتھر پھینکے' تو دیکھتا ہے کہ لہریں ارد گرد موجیں مارنے لگتی ہیں' اور لہروں کا پھیلاؤ پتھر پھینکنے والے کی قوت کے تناسب ہوگا جس طرح پتھر پھینکنے سے پانی متحرک ہوتا ہے تو وہ حرکت پانی میں دور تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح جو چیزیں دائرہ ذکر میں آتی ہیں وہ سب متاثر ہوتی ہیں اور ذاکر بن جاتی ہیں' امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ذکر کرنے بیٹھے' دیکھا کہ ارد گرد کی تمام چیزیں ذکر کرنے لگی ہیں' حتیٰ کہ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ان کے ذکر کا اثر پوری زمین میں پھیل چکا ہے اور ہر چیز ذکر میں ان کی موافقت کر رہی ہے۔ حضورﷺ کے فرمان کہ یہ وہ جماعت ہے کہ جس میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا کا مطلب یہی ہے کیونکہ ذاکرین میں بیٹھنا ان میں شامل ہو جانا ہے' اس میں راز یہ ہے کہ اللہ کا ذکر زندگی ہے۔ جس چیز تک یہ پہنچتا ہے اسے زندہ کر دیتا ہے اور ذاکر کی آواز کے مطابق یہ دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ سارا ماحول زندہ ہو

جاتا ہے اور ذاکر بن جاتا ہے اگر تجھے اس حقیقت کا احساس ہو جائے تو داؤد علیہ
السلام کے ساتھ جبال وطیور کی تسبیح کا راز معلوم ہو جائے کہ آپ جب ذکر کرتے تو
ماحول ذاکر بن جاتا' جیسا کہ قرآن حکیم بتاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے حلقہ ذکر
میں داخل ہو جاتی تھیں' اور چونکہ آپ نبی تھے اس لئے ان کے ذکر کی قوت بھی ان
کے منصب کے متناسب تھی تمام اشیاء ان کے ذکر سے متاثر ہوتی تھیں' جو دوسروں
کی شان سے بلند ہے:

شجر وحجر اور جبال وطیور کے ذکر کرنے کا ثبوت واضح طور پر حدیث میں موجود ہے
چنانچہ ابن ماجہ باب الحج' ترمذی باب الحج اور بخاری شریف باب الاذان میں ہے:

**"عن سهل بن سعد مرفوعا مامن مسلم يلبي الالبي عن يمينه و
شمالم من حجر اوشجر اومدر حتى تنقطع الارض من هھنا وهھنا
وفي البخاري عن ابي سعيد الخدري في الاذان ايضا قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم لا يسمع صدى صورت المئوذن جن والانس ولاشيئي الا شهد
له يوم القيامه۔"**

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان تلبیہ کرتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام
پتھر درخت' ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کے مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے
ہیں۔ اور بخاری میں آذان کے سلسلہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنوں اور
انسانوں اور دوسری مخلوق میں سے جو بھی آذان کی آواز سنتا ہے وہ مئوذن کے حق
میں قیامت کے دن گواہی دے گا۔"

شرح حدیث سے واضح ہوا کہ شیخ کی توجہ اثرات سارے ماحول میں پھیل جاتے ہیں'
حلقہ ذکر کے دوران شاگردوں کا شیخ کے قریب یا دور بیٹھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا' جیسا
کہ آپ نے دیکھ لیا کہ ذاکر جب ذکر میں بیٹھتا ہے تو اثر ذکر سے سارا ماحول زندہ

ہو جاتا ہے اور تمام چیزیں ذاکر بن جاتی ہیں۔

اس حدیث سے ضمناً ایک اور قدم بھی اٹھاتے جائیں جو لوگ سماع موتی کے منکر ہیں وہ ذرا آنکھیں کھولیں اور اس پر غور کریں کہ جب مٹی شجر حجر غرض تمام چیزیں تلبیہ اور آذان کی آواز سنتی ہیں تو وفات کے بعد آدمی کے ریزہ ریزہ اور مٹی ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے' جب مٹی سنتی ہے تو جس آدمی کا جسم مٹی ہو گیا وہ کیوں نہ سنے گا؟ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ جب میت کے اجزاء بکھر گئے' مٹی میں مل گئے یا پانی میں گھل گئے یا ہوا میں اڑ گئے تو اس وقت اجزا نے جو صورت اختیار کی اس کی خصوصیت کے مطابق ذکر و تسبیح کرے گا' یا میت کے اجزاء کی ہی مناسبت سے ذکر کرے گا' اس اختلاف کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب مٹی پتھر' شجر' حجر میں فہم و ادراک موجود ہے تو میت مٹی بن کر بھی شعور و ادراک اور فہم سے محروم نہیں رہ سکتا' ورنہ غیر ذی شعور اور غیر ذی فہم سے ذکر و تسبیح کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ صفحات میں جو روایات اور ان کی شرح بیان ہوئی ہے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

1۔ اولیاء اللہ کی محبت' اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے۔

2۔ اولیاء اللہ کے پاس کامیاب نسخہ ذکر الٰہی کی تلقین اور اس کا سلیقہ سکھانا ہے۔

3۔ ذکر الٰہی کی کثرت اور اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی بد بخت ہو کر نہیں مرتا۔

4۔ اولیاء اللہ سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ایک روز فرمایا تھا'' اولیاء اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہی ہیں''۔

5۔ فرائض راس المال ہیں، ترقی ہمیشہ نوافل سے ہوتی ہے۔ مگر جس کے فرائض پورے نہیں اس کے نوافل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

6۔ ان احادیث سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

7۔ منکرین کشف والہام کو سوچنا چاہیے کہ کیا امت محمدیہ شجر موسوی سے بھی گئی گزری ہے؟

8۔ اس حدیث سے اجتماعی حلقہ ذکر کا ثبوت بھی مل گیا۔

9۔ ذاکرین صوفیہ محل نزول انوار وتجلیات باری ہیں۔

O

۴

بحثِ قلب

اصل مکلّف قلب ہے۔

عقل کا مقام قلب ہے۔

محل تقویٰ قلب ہے۔

مخاطب اور محل وحی قلب ہے۔

جزا اور سزا کا تعلق اعمال قلب سے ہے۔

علم و فہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے۔

قلب سلیم

بحث قلب

موضوع تصوف اصلاح باطن ہے اور اس کا مدار اصلاح قلب پر ہے اس لئے اب ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

"قال رسول الله ﷺ ان فی الجسد لمضغه اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجس کله الا وھی القلب."

حضور ﷺ نے فرمایا جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم درست ہو گیا اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا' سنو! وہ قلب ہے۔"

اس حدیث میں بیان تو مضغہ لحم صنوبری کا ہوا ہے' مگر حکم اس لطیفہ کا ہے' جس کو اس مضغہ سے گہرا تعلق اور اتصال ہے' اسی وجہ سے بیان مضغہ کا کر دیا گیا۔ حدیث میں درستی قلب کو درستی بدن کا سبب بتایا گیا ہے اور یہ درستی قلب بغیر فناء بقا محال ہے۔ اس درجہ میں سالک فنائیت قلبی کے بعد واصل باللہ ہوتا ہے' اس سے پہلے ایمان کے متزلزل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام میں مشہور مقولہ ہے:

"الفانی لایرد والواصل لایرجع"

اس کی تصدیق بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ابو سفیانؓ اور ہرقل روم کا مکالمہ درج ہے:

"وسالتک ھل یرتد احد منھم عن دینه بعد ان یدخل فیه سخطه فزعمت لا وکذالک الایمان اذا خالطه بشاشته القلب".

"میں نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ کیا لوگ اس کا دین قبول کر لینے کے بعد اسے برا سمجھ کر ترک بھی کر دیتے ہیں' تو تم نے جواب دیا کہ "نہیں" اور ایمان کی بھی یہی

حالت ہے جب اس کی تازگی قلب میں جم جاتی ہے (تو پھر دور نہیں ہوتی)

فنافی اللہ وبقا باللہ کے مقامات پر فائز ہونے کے بعد ایمان دل میں جم جاتا ہے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم" (الحجرات)

"لیکن اللہ تعالے نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا"۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل مکلّف قلب ہے، مخاطب قلب ہے عالم متکلم فاہم قلب ہے سمع وبصر رکھنے والا قلب ہے، ماخوذ قلب ہے، باقی بدن سے اس کا تعلق صرف تدبر وتصرف کا ہے، آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں، زبان قلب کی ترجمان ہے۔ اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔

اصل مکلّف قلب ہے

تکلیف مشروط ہے عقل اور فہم سے اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

"کما قال اللہ تعالیٰ ھاکیا عن اھل النار۔ وقالو الو کنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر۔ ومعلوم ان العقل فی القلب ولان التکلیف مشروط بالعقل والفھم وقال اللہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئول اوقرن تعالیٰ بذکر السمع والبصر لانھما آلتان فی نادیہ صور المحسوسات ولمسموعات" [1]

"اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کا قول نقل فرمایا کہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ عقل قلب میں ہے اور مدار تکلیف کا عقل اور فہم پر ہے

اور فرمایا' کان' آنکھ اور دل' ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہو گی اور سمع و بصر کو قلب سے جوڑ دیا ہے کہ یہ دونوں دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں کو پہچاننے کے لئے اللہ کا حکم رکھتے ہیں۔"

عقل کا مقام قلب ہے

"قال الله تعالیٰ فتکون لهم قلوب یعقلون بها" (الحج)

"ان کے دل ہوتے کہ ان سے سمجھنے لگتے"

محل تقویٰ قلب ہے

"اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ" ۔(الحجرات)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے"۔

مخاطب اور محل وحی قلب ہے

1 : "وانه لتنزیل رب العلمین. نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین" ۔(الشعراء)

"اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے' اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر' تا کہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں"

2: "فانه نزله علیٰ قلبک وثبت ان لقلب هو المخاطب فی الحقیقته الانه موضع التمیز ولاختیار واما سائر فمسخرة له"۔

"اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا' پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں مخاطب قلب ہے' کیونکہ یہی مقام تمیز و اختیار کا ہے' اور باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں۔"

3 : "ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب" ۔(ق)

''تحقیق اس میں اس شخص کے لیے بڑی نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو''۔

جزا و سزا کا تعلق اعمال قلب سے ہے

''ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم''۔ (البقرہ)

''لیکن موخذہ فرمائیں گے اس چیز پر جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے''

علم و فہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے

1: ''ختم اللہ علی قلوبھم''۔ (بقرہ)

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''

۲: ''وقالو قلوبنا غلف''۔

''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں''

۳: ''بل ران علی قلوبھم'' (المطفیف)

''بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔''

۴: ''لھمقلوب لا یفقھون بھا'' (الاعراف)

''ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں''

وثبت ان موضع الجھل والغفلتہ ھو القلب۔

''اور ثابت ہو گیا کہ جہالت اور غفلت کا محل قلب ہے''

(فائدہ) ان آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ امین وحی و نبوت' امین اسرار الٰہی اور شریعت اور خزانہ اسرار غیبیہ قلب ہے۔ یہ وہ خزانہ ہے جس پر عقل کا راہزن ڈاکہ نہیں ڈال سکتا' قلب ہی تجلیات باری' ولایت اولیاء اللہ اور کشف والہام کا خزانہ ہے۔

ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہے اور وہی محل تجلیات باری کے لئے مخصوص ہے' اس لئے باری تعالےٰ اس میں غیر کا قبضہ پسند نہیں فرماتا' جب قلب تجلیات باری کا مسکن بن جاتا ہے تو تمام رذائل ذلیل ہو کر چلے جاتے ہیں۔

ان الملوک اذا دخلوا قریہ افسدوھا وجعلوا اعذۃ اھلھا اذلہ۔

چنانچہ جب قلب کی پورے طور پر اصلاح ہو جاتی ہے تو غیر اللہ کا اس میں گزر نہیں ہوتا اور ولی اللہ کہہ اٹھتا ہے "الیس اللہ بکلف عبدہ "۔ معاصی کی وجہ سے قلب اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے مگر معالج روحانی کے علاج سے یہ امراض دور ہو جاتے ہیں' قلب سقیم قلب سلیم بن جاتا ہے' اور اخروی فلاح کیلئے راس المال بن جاتا ہے۔

"یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم"۔

"اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد' ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے" (اس کیلئے مفید ثابت ہوگا)

قلب سلیم

قلب کے سلیم ہونے کیلئے دو شرائط ہیں'

اول: صحت از امراض۔ قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر' شرک' شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے' ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے' جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے' اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لئے بھی غذائے صالح درکار ہے' مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے' قلب کے لئے

غذائے صالح کی نشان دہی یوں کی گئی ہے:

"قال اللہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"۔

"سنو! ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔"

علاج قلب اور غذائے قلب' عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔

O

۵

بحثِ رُوح

رُوح کی تعریف

رُوح جسم لطیف ہے۔

رُوح جوہر فرد نہیں ہے۔

رُوح لامکانی ہے۔

رُوح عالم امر سے ہے۔

عالمِ امر کیا ہے۔؟

کونسی چیزیں عالمِ امر سے ہیں؟

رُوح کی شکل وصورت۔

بحثِ رُوح

پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ یہاں روح کی تعریف بالوجہ ہوگی نہ کہ بالکنہ۔ کیونکہ روح کی حقیقت کے متعلق ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"۔ تعریف روح میں اختلاف ہے' اہل السنت والجماعت کے مذہب کے مطابق اس کی تعریف یہ ہے:

روح کی تعریف

"ودل علیه الکتاب والسنته واجماع الصحابته وادلته العقل انها جسم مخالف بالماهیته الهذ الجسم المحسوس وهو جسم نورانی علوی خفیف حیی متحرک ینفذ فی جوهر الاعضا ویسری فیها سریان الماء فی الورد و سریان الدهن فی الزیتون والنار فی الفحم"۔

"کتاب وسنت اجماع صحابہؓ اور عقلی دلائل دال ہیں کہ روح ایک جسم ہے' جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے وہ جسم نورانی علوی ہلکا' زندہ اور متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے' جیسے گلاب کے پھول میں پانی' زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے"

روح جسم لطیف ہے

روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے:۔

"فاذا سویته ونفخت فیه من روحی"۔(الحجر)

"پس جب میں بدن آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں"

پس معلوم ہوا کہ تسویہ بدن کے بعد نفخ روح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدن اور روح دو مختلف چیزیں ہیں۔ پھر یہ کہ بدن میں روح کا نفخ کیا اور نفخ جسم کا ہوتا ہے۔ اس سے روح کا جسم لطیف ہونا ثابت ہوا جیسا کہ ایک اور آیت:

"ثم انشانٰہ خلقا اخر" میں اس کا بیان ہے کہ پہلے جسم انسانی وجود میں آیا۔ جس کی تفصیل منی، خون، گوشت، ہڈی اور ہڈی پر گوشت چڑھانے کے مدارج سے کی۔ اس کے بعد ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ یعنی اس میں روح پھونکی اور وہ تمام اجزائے بدن میں سریان کر گئی، اس سے روح کا جسم الگ سے ایک مستقل حقیقت ہونا ثابت ہوا اور یہ کہ وہ ایک جسم لطیف رکھتی ہے، جو اس جسم کثیف میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

روح جوہر فرد نہیں

حدیث میں موت کے وقت روح کی کیفیت یوں بیان ہوئی کہ "فتفرق فی جسدہ" کہ میت کے بدن میں متفرق ہو جاتی ہے، اس سے روح کا جوہر فرد ہونا باطل ہوا۔ بہر حال روح کوئی جسم لطیف ہے مگر اس کی حقیقت سوال کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی، حالانکہ ملائکہ جنوں اور انسانوں کی پیدائش بغیر پوچھے بتا دی اور روح کے متعلق سوال کرنے پر بھی صرف اتنا بتایا کہ:

"قل الروح من امر ربی"۔

"کہہ دو کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے"

اگر اس کی پیدائش کسی مادہ مثلاً پانی، ہوا، آگ، مٹی یا نور سے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا

معلوم ہوا کہ یہ نور سے بھی زیادہ لطیف ہے:

کما قال سہیلی والارواح خلقت بما قال اللہ تعالیٰ وھو النفخ المتقدم المضاف الی الملک والملائکہ من نور کما جاء فی حدیث المسلم فھو (ای روہ) ایضا جسم ولکنہ من جنس الریح ولذالک یسمی روحامن لفظ الریح ونفخ الملک فی معنی الریح غیر انہ ضم اولہ وھی من ذوات الواو لھذا تجمع علی الارواح ای ضم اولہ لانہ نورانی والریح ھو المتحرک" ۱۷۔

''ابوالقاسم سہیلی نے کہا کہ روح کی پیدائش اس چیز سے ہے جو اللہ نے فرمائی ہے اور وہ نفخ ہے جو مضاف فرشتہ کی طرف ہے اور فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے' جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے' اور وہ روح بھی جسم ہے' مگر ریح یعنی ہوا کی جنس سے ہے۔ اس وجہ سے اس کو روح سے موسوم کرتے ہیں جو ریح سے مشتق ہے۔ نفخ ملک ریح کے معنی میں ہے سوائے اس کے کہ اس کا اول مضموم ہے اور لفظ روح صاحب واؤ'' ہے' اس وجہ سے اس کی جمع ارواح آتی ہے۔ روح کی ''ر'' پر ضمہ ہے کہ وہ جسم نورانی ہے اور ہوا تو جسم متحرک ہے''

(فائدہ): معلوم ہوا کہ ملائکہ کے نفخ سے روح کی پیدائش ہوئی اور ملائکہ نور سے ہیں۔ اس لئے روح ملائکہ سے زیادہ لطیف ہوئی جیسے انسان جسم عنصری ہے' انسان کا سانس اس کے جسم سے زیادہ لطیف ہے۔ اسی طرح ملائکہ کا سانس ان کے جسم سے زیادہ لطیف ہوا۔

روح لامکانی ہے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کی تعریف میں جو بیان فرمایا ہے وہی اہل حق کا مذہب ہے:

"واعلم ان القائلین فی اثبات النفس فریقان الاول منهم وهم المحققون منهم من قال الانسان غیر موجود فی عاخل العالم والفی خارجه وغیر متصل فی داخل العالم والفی خارجه وغیر متصل ولامنفصل عنه لکنه بالبدن تعلق التدبیر والتصرف" لے

"خوب جان لیں کہ روح کے اثبات کے قائلین کے دو فریق ہیں۔ اول جو محققین ہیں ان میں سے بعض کا قول ہے کہ روح نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج، نہ داخل میں متصل ہے نہ خارج میں، نہ متصل ہے نہ اس سے منفصل لیکن انسانی بدن سے اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا ہے"

معلوم ہوا کہ روح ایک جوہر مجرد ہے، بہت لطیف ہے، لامکانی ہے (لامکانی روح کے لئے مجازاً بولا گیا ہے) اس کے لئے مکان نہیں۔ مکان مادیات کے لئے ہوتا ہے نہ مجردات کے لئے، یہ بدن سے پہلے بھی موجود تھا اور اس کے بعد بھی موجود رہتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، کلام کرتا ہے، اس کی لامکانی کیفیت حدیث میں لفظ "عماء" سے بیان کی گئی ہے، جب رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا این کان ربنا تو آپ نے فرمایا فی عماء مکان ذات باری کے لئے منفی ہے۔

سوال: متکلمین کے نزدیک "تجرد" اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے، اگر یہ صفت روح کے لئے تسلیم کر لی جائے تو شرک فی الذات لازم آئے گا۔

الجواب: اخص صفات باری تعالیٰ سے وجوب اور قدم مطلق ہے، نہ وہ تجرد جو مسبوق

بالعدم ہو اور ممکن اور حادث بھی ہو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب جواب دیا ہے۔

"واعلم ان الجماعۃ من الجہال یظنون انہ لما کان الروح موجود الیس بمتحیز وجب ان یکون مثلاً اللہ وذالک جہل فاحش وغلط قبیح وتحقیقہ ماذکرناان لامساواۃ فی انہ لیس بمتحیز ولاحال فی المتحیز مساواۃ فی صفتہ سلبیتہ لا توجب المماثلہ"۔ ۱۸۔

"خوب جان لیں کہ جہال کی ایک جماعت گمان کرتی ہے کہ جب روح موجود ہے کسی چیز میں متحیز نہیں ہے اور نہ تحیز میں حال ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا کی مثل ہو۔ یہ کہنا صریح جہالت اور بدترین غلطی ہے حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ وہ "غیر متحیز اور نہ تحیز میں حال ہے" یہ اوصاف سلبیہ مساوات ہے جس سے مماثمت لازم نہیں آتی"

فائدہ 1: ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ کے اوصاف سلبیہ اور اضافیہ میں غیر کا شریک ہونا شرک نہ ہوگا۔

۲: لامکان کی حقیقت سمجھنے کے لیے عقل اندھی ہے حدیث کا لفظ "عماء" اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ لفظ "عماء" عدم بینائی پر بولا جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے **الروح من امر ربی** ۔ یعنی روح عالم امر کی چیز ہے۔ جب عقل انسانی عالم امر کی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہے تو عالم امر کی چیزوں کا ادراک کیونکر کرسکتی ہے اس لیے علوم عقلی یا علوم ظاہری سے روح کی معرفت بالکلیہ محال ہے۔ درحقیقت روح کی معرفت کا تعلق دلائل ذوقیہ نور بصیرت یعنی کشف سے ہے اور جب دلائل ظاہریہ ذوق اور کشف کی تائید کردیں تو نور علی نور ہے۔ جہاں تک ذوق او کشف کا تعلق ہے اس بارے میں صرف محققین اصحاب کشف اور ارباب ذوق کا

فیصلہ ہی حجت قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہیے۔ اور محققین صوفیہ کاملین اصحاب کشف کا فیصلہ یہ ہے کہ روح مادی' نورانی اور لطیف چیز ہے اور جہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ جوہر مجرد ہے اس میں جوہر سے مراد یہ ہے کہ عرض نہیں اور مجرد سے مراد یہ ہے کہ کثیف نہیں۔ بلکہ جسم لطیف نورانی ہے اور اس کی شکل اس جسم کی شکل کے عین مطابق ہوتی ہے جس بدن کا وہ روح ہے۔ قدو قامت اور ہیت میں ہو بہو اس جسم کے مطابق ہوتی ہے اور جمہور علمائے اسلام بھی اسی کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ترمذی کی شرح "عرف شذی" کے صفحہ **10** پر فرمایا۔

"واما لروح فعند اهل الاسلام جسم لطيف على شكل كل ذالك الروح واحتجو اعلى هذا اى على جسميته الروح مبا وردفي الاحاديث كمافي حديث براء ابن عاذب فينتزعها كما ينزع السفود من الصوف المبلول الى ان قال احاديث اخروالته على جسميته الروح ..فانا نتمسك بنصوص الشريعته من القرآن والحديث .... والمتقد مون من علاءه الاسلام يريدون بالتجرد عدم الكثافته يظهر ذالك من تفسير الاخلاص للحا فظ ابن تيميه . ثم اختلف الصرفيته بعد اتفاقهم على ماديته الروح"۔

اور جہاں تک روح کا تعلق ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ ایک لطیف جسم ہے اور اسی بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہو۔ روح کی اس جسمیت پر احادیث سے استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث براء بن عازبؓ میں وارد ہے۔ فرشتہ روح کو بدن سے یوں کھینچ لیتا ہے جیسا کہ سیخ گیلی اون سے کھینچی جاتی ہے۔۔۔ اور دوسری حدیثیں جسمیت روح پر دلالت کرتی ہیں۔۔۔

پس ہم تو شریعت کی نصوص یعنی قرآن و حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔

اور متقدین علماء اسلام نے تجرد سے مراد عدم کثافت لی ہے۔ یہ حقیقت امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر سورۃ اخلاص سے ظاہر ہے۔

روح کے مادہ ہونے پر متفق ہونے کے بعد صوفیہ نے کچھ اختلاف کیا ہے۔

پھر رسالہ روح وماہیتھا علامہ بیونی صفحہ 67

قال الامام مالک وهو من المحققین قال الروح هي صورة نورانیته علی شاکلته الجسم تماما۔

امام مالک رحمتہ اللہ جو محققین میں ہیں فرماتے ہیں کہ روح نورانی جسم ہے جو مکمل طور پر اس بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہے۔

اور روح المعانی 53:24

"واعلم اولا لانالمسلمین اختلفو فی ان لاانسان ماهو؟ فقیل هو هذالهیکل المحسوس مع اجزاء ساریته فیه سریان ماء الوردفی الورد والنار فی الفحم وهی جسم لطیف نورانی مخالف بالحقیقته والماهیته للاجسام التی منها ائتلف هذا لهیکل وان کا لسریانه فیه یشبهته صورة ولانعلم حقیقته هذا الجسم وهوالروح المشار الیهابقوله تعالیٰ قل الروه من امر ربی عند معظم السلف الصالح وبینه وبین البدن علاقه"۔

پہلے یہ سمجھو کہ مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے کہا گیا ہے کہ وہ ایک شکل محسوس ہے جس میں اجزا اس طرح ساری ہیں جیسے پھول میں نمی اور انگارے میں آگ اور یہ جسم لطیف نورانی ہے جو حقیقت اور ماہیت میں ان اجسام سے مختلف ہے جن سے یہ شکل محسوس مرکب ہے۔ یہ روح اس بدن میں جاری و ساری ہے اور شکل وصورت میں اس کے مشابہ ہے اور اس جسم یعنی روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے جس کی طرف قول باری تعالیٰ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ قل الروح

من امر ربی اور یہ بات سلف صالحین کے نزدیک مسلم ہے۔؛روح اور بدن کے درمیان تعلق ہے۔

"وھذا الجسم المعبر عنہ بالروح علی ماقال الامام القرطبی فی التذکرۃ مالہ اول ولیس لہ اخر بمعنی انہ لا تفنی وان فارق البدن المحسوس وذکر فیھا ان من قال انہ یفنی فھو ملحد"۔

اور یہ جسم جسے روح سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے تذکرہ میں فرمایا ہے اس کے لئے ابتدا ہے مگر اس کیلئے انتہا نہیں یعنی اس کے لئے فنا نہیں اگرچہ بدن سے جدا ہو جائے اور اسی ضمن میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ روح فانی ہے وہ ملحد ہے۔

ثابت ہوا کہ محققین سلف صالحین اور محققین صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول جو مردود ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عرف شذی صفحہ **10-11** پر نقل کیا ہے جس قول کے قائلین اصل میں فلاسفہ ہیں اور جن صوفیہ یا علماء نے اس قول کو نقل کیا ہے وہ محض فلاسفہ سے متاثر اور مرعوب ہو کر کیا ہے۔

"قال جھلاء الفلاسفتہ ان الروح مجرد"

جاہل فلاسفہ کہتے ہیں روح مجرد ہے۔

اور روح المعانی **53:24** اور عرف شذی صفحہ **11**

وذھب الی تجرد الروہ قاضی زادہ والحیمی والگزالی والراغب وابوزید الدبوسی من الحنفیتہ ومعمر من قدماء العتزلہ وجمھو رمتاخری الامامیتہ وکثیر من الصوفیتہ ۔وعند ھم الروح جوھر مجرد ولیست داخلہ فی البدن ولاخارجہ عنہ فنسبتھا الیہ

کنسبت اللہ تعالیٰ الی العالم وھی بعد حدوثہاالزمانی عند ھم لاتفضنی۔ ایضاور دھذالمذھب ابن القیم فی کتاب الروہ ما لا مزید علیہ"۔

اور تجرد روح کا قول قاضی زادہ' علامہ حلیمی' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور امام راغب رحمۃ اللہ علیہ اور ابوزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ حنفی اور قدیم معتزلہ سے معمر اور تمام متاخرین شیعہ کا ہے اور بہت سے صوفیہ کا قول بھی ہے ان کے نزدیک روح جوہر مجرد ہے نہ بدن میں داخل ہے نہ بدن سے خارج ہے اور اس کا تعلق بدن سے ایسا ہے جیسا اللہ کا تعلق جہان سے ہے۔ ان کے نزدیک روح کے لئے حدوث زمانی ہے اور روح فانی نہیں ہے اور ابن قیم نے اس مذہب کو کتاب الروح میں ان دلائل سے رد کیا ہے کہ مزید تردید کی حاجت نہیں چھوڑی۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کی روح کے متعلق اس دوسرے مذہب میں شافعی' حنفی' معتزلہ اور امامیہ کے افراد شامل ہیں جو سارے کے سارے فلاسفہ سے مرعوب ہو کر اس رو میں بہہ گئے ہیں اور قول اول جو بیان ہو چکا اس میں جمہور علماء اسلام اور محققین صوفیہ کا ایک عظیم گروہ شامل ہے۔ بالخصوص عظیم سلف صالحین نے یہی مذہب اختیار کیا ہے روح جسم مادی ہے' لطیف ہے' نورانی ہے۔ جس بدن میں وہ ہے اسی کی شکل پر ہے۔ بدن سے جدا ہونے کے بعد اس کے لئے جسم مثالی کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے معلوم کر لینا چاہیے کہ حیات کسے کہتے ہیں؟ حیات نام ہے حس حرکت' دیکھنا' سننا' بولنا' قوی ظاہری و باطنی کا موجود ہونا۔ روح دنیا میں بدن کو زندگی بخشتا ہے۔ دنیا میں مادی چیزوں کو سنانے میں مادی آلات کا محتاج ہے نہ کہ اپنی حیات میں مادی بدن کا محتاج ہے۔ بلکہ روح بدن کو حیات بخشتا ہے۔ برزخ

میں جا کر روح مادی دنیا کو اپنی آواز نہیں سنا سکتا۔ اسی لیے مادی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں، مادی کان اسکی بات نہیں سن سکتے حالانکہ وہ خود بولتا ہے، سنتا ہے، اس کے سارے اعضاء ذاتی ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح اپنے بدن کی شکل پر ہوتا ہے روح خود جسم لطیف، اس کے کان لطیف، اسکی آواز لطیف، اس کو تمام لطیف چیزیں دیکھ لیتی ہیں، اس کی آواز سن لیتی ہیں جیسا کہ ملائکہ قلوب انبیاء، قلوب اولیا، لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں کسی غیر جسم کے آلات کا محتاج نہیں تا کہ برزخ میں اس کے لیے جسم مثالی تسلیم کیا جائے۔ اگر لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں جسم مثالی کا محتاج مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ روح حیات بخش نہیں بلکہ روح کا جسم مثالی حیات بخشتا ہے اور روح کے کوئی ذاتی آلات نہیں وہ ایک پتھر ہے (العیاذ باللہ) جسم مثالی کا تسلیم کرنا خلاف قرآن، خلاف حدیث اور خلاف سلف صالحین ہے اور جو شخص جسم مثالی کا قائل ہوا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اللہ اسکو ہدایت دے۔

روح عالمِ امر سے ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الروح عند الہ العرش مبداہ
وتربہ الارض اصل لجسم والبدن
قد الف ملک المنان بینہما
لیصلحا بقبول الامر والمحن
فالروہ فی غربتہ والجسم فی وطن

فاعرف زمام الغريب النازخ الوطن

''روح کی ابتدا صاحب عرش سے ہے (من امر ربی) اور بدن انسانی کی اصل مٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں الفت ڈال دی۔ تا کہ ان میں اوامر اور مختیں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے پس روح مسافر ہے اور بدن اپنے وطن میں ہے پس غریب الوطن مسافر کی ذمہ داری کا خیال رکھو''

عالم امر کیا ہے؟

حضرت امام غزالی نے عالم امر اور عالم خلق پر بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان عرش بطور برزخ حائل ہے۔

"وعالم الامر عبارة من الموجودات الخارجیه من الحس والخیال والجهته والمکان وهو مالا یدخل تحت المساحته والتقدیر لانتفاء الکمیته عنه". ۱۹

''عالم امر عبارت ہے۔ موجودات سے جو حس خیال جہت مکان اور چیز سے خارج ہے عالم امر اقتضائے کمیت کی وجہ سے مساحت وتقدیر کے تحت نہیں آ سکتا۔''

کون سی چیزیں عالم امر سے ہیں صاحب تفسیر مظہری نے ''الاله الخلق والامر کی تفسیر میں اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے

"قالت الصوفیته المراد بالخلق والامر. عالم الخلق یعنی جسمانیته العرش وماتحته ومافی السموت والارض ومابینهاو اصولها الاربعته العناصر. النار ولماء والهواء والتراب وما یتولدمنها من النفوس الحیوانیته والبانیته والمعدنیته وهی اجسام لطیفته ساریته فی اجسام کثیفته. وعالم المر یعنی المجردات عنالقلب والروح والخفی والاخفا التی هی فوق العرش ساریته فی النفوس الانسانیته

والملكيه والشيطانيه سريان الشمس فی المراة سميت بعالم الامر
لان الله تعالی خلقها بلامادة بامره كن فيكون ۔ قال البغوی قال
سفيان بن عيينه فرق بين الخلق والامر فمن فمع بينها فقد كفر"۔ ۲۰

صوفیہ کرام نے کہا کہ مراد عالم خلق اور عالم امر سے یہ ہے کہ عالم خلق میں عرش اور
جو ماتحت عرش ہے جو چیز آسمان اور زمین اور ان کے مابین ہے شامل ہے اور اس
کے اصول عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی اور جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔
یعنی نفوس حیوانی، نباتاتی اور معدنی ہیں اور یہ اجسام لطیفہ ان اجسام کثیفہ میں ساری
ہیں۔ سب عالم خلق سے ہیں۔ اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں یعنی
(لطائف خمسہ) قلب، روح، سری، خفی اور اخفاء یہ فوق العرش ہیں اور یہ نفوس
انسانیہ ملکیہ اور شیطانیہ میں یوں ساری ہیں جیسے سورج کی شعائیں آئینے میں
ساری ہوتی ہیں۔ لطائف کو عالم امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی
مادہ سے نہیں بلکہ اپنے امر کن سے پیدا کیا اور بغوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ عالم امر اور عالم خلق دو مختلف چیزیں ہیں جس نے ان
دونوں کو ایک سمجھا اس نے کفر کیا"

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ روح اور دیگر لطائف عالم امر کی مخلوق ہیں جو بغیر مادہ کے پیدا
کیے گئے۔ عالم امر کو عالم حیرت اور لامکان بھی کہتے ہیں۔

روح کی شکل وصورت

جسم انسانی ایک ٹھوس مادی شکل رکھتا ہے اس کی وضع قطع قد و قامت اور اس کے اعضاء
ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کیا روح انسانی کی بھی کوئی شکل وصورت ہے یا بس
جوہر لطیف ہے، یہ سوال ذہن میں پیدا ہونا قدرتی بات ہے، اس کے متعلق بخاری
شریف میں ایک بحث کی گئی ہے:

"وللروح صورة لطيفه علي صورة الجسم لها عينان واذنان ويدان ورجلان في داخل الجسم يقابل كل جزء منه عضو نظيره في البدن وقد الهم الله تعالي امر الروح وترک تفصيله"

جسم کی شکل کے مطابق روح کی بھی لطیف صورت ہے روح کی بھی دو آنکھیں ہیں' کان ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں ہیں بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدن انسانی میں موجود ہے اور روح کی حقیقت کو اللہ تعالے نے مبہم رکھا اور اس کی تفصیل چھوڑ دی ہے۔

(تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری 44:2)

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی شکل بعینہ وہی ہوتی ہے جو بدن کی شکل ہے جس میں وہ روح داخل کی گئی ہے۔ عالم برزخ قیامت صغریٰ ہے جہاں روح زندہ رہتی ہے اور عالم آخرت قیامت کبریٰ ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان الدار الاخرة لهي الحيوان".

یقیناً آخرت کا گھر ہی تو زندگی ہے۔

اور ظاہر ہے دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اکمل زندگی ہے۔ دنیا اور اس کی ہر شے کے لئے موت اور فنا ہے مگر آخرت کی زندگی ابدی ہے۔ اس لیئے دار آخرت کی ہر شے کیا جزو کیا کل موت سے پاک ہے جب روح کے لئے جزا و سزا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہے کیونکہ مردہ اور معدوم کے لئے جزو سزا نہیں ہے' اس لئے روح سنتی دیکھتی ہے' بولتی ہے بلکہ اس کی ساری قوتیں اور تمام صلاحیتیں اسی جگہ کامل درجے پر معرض اظہار میں آتی ہیں۔

روح کو بدن میں جب داخل کیا جاتا ہے تو بدن کی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بچپن' جوانی' بڑھاپا اور بچپن میں ذہن' عقل' فہم اور ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا۔ پھر رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ ترقی کرنا وغیرہ' یہ بدن کی خصوصیات ہیں ورنہ روح تو اپنی پیدائش

کے وقت سے ہی عاقل' بالغ اور ذی فہم ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو "الست بربکم" کے جواب میں "بلیٰ" کیوں کہتی۔ سوال سننا سمجھنا اور جواب دینا روح کے پیدائشی عاقل بالغ ہونیکی دلیل ہے۔"

جب روح کو کسی بدن کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا تعلق استقرائی ہوتا ہے۔ پھر اسے بدن کے اعضاء دیئے جاتے ہیں' اس بدن میں کچھ قوتیں اور آلات ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں' یہاں رہ کر روح ان ہی قوائے بدن کے ذریعے علم حاصل کرتی ہے حسی قوتیں پیدائش کے وقت کمزور ہوتی ہیں اور چونکہ روح کو یہاں جسم کے تابع بنایا گیا ہے اس لئے جسم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان قوتوں میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔ اگر یہاں روح کو بدن کے تابع نہ بنایا جاتا تو پیدا ہوتے ہی ہر شخص مکلّف ہوتا' کیونکہ روح تو پیدائش سے ہی عاقل بالغ ہے۔ مگر بدن سے وابستگی کی وجہ سے مکلّف ہونے کے لئے عمر کی ایک حد مقرر کر دی گئی ہے جسے سن بلوغت کہتے ہیں۔ انسان دنیا سے رخصت ہوا' روح کی جسم سے مفارقت ہوئی تو روح بالذات مکلّف ہوگئی۔ یہاں سے بعض لوگوں نے ایک بڑی ٹھوکر کھائی ہے کہ برزخ میں روح کے لئے جسم مثالی ثابت کرنے کی کوشش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ روح کسی وقت بھی بدن کے بغیر مکلّف نہیں' یہ عقیدہ باطل ہے۔ اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ برزخ میں روح بالذات مکلّف ہے اور بدن تابع روح کے ہوتا ہے اور اس بدن خاکی کو روح ہی حیات بخشتی ہے۔

اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محرک تن روح است، ومحرک روح نور ومحرک نور ذات من ایں مقام را کما ینبغی دا

نستن کمال محال است وشب وروز بذکر وفکر وسیر وطیران مقامات ماندن بجز طالب

صادق وتوجہ مرشد کامل حصول انتہائی تواند شد۔ (فتاوی عزیزیہ ۲:۱۱۲)

بدن کو حرکت دینے والا روح ہے اور روح کو حرکت اور زندگی نور سے ملتی ہے اور نور کو

حیات اور حرکت دینے والا ذات باری تعالیٰ ہے میرے عزیز اس مقام کو کما حقہٗ

سمجھنا محال ہے رات دن ذکر وفکر، سیر ملکوتی اور عالم بالا میں پرواز سوائے طالب

صادق اور بغیر مرشد کامل کی توجہ کے ممکن نہیں۔

O

۶

بحثِ نفس

وجہ تسمیہ

نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

نفس اور روح میں فرق

سکون کیا ہے؟

مسمیٰ واحد کے مختلف اسماء

بحث نفس

وجہ تسمیہ

نفس کا لفظ یا تو نفاست سے ہے تو بوجہ شرافت ولطافت کے نفس کہا جاتا ہے یا تنفس سے ہے تو بوجہ سانس کی آمد وشد کے نفس کہا جاتا ہے۔ اگر آنے جانے کی صفت کی وجہ سے نفس سے مراد روح لی جائے تو یہ اس لئے درست ہے کہ نیند کے وقت روح خارج ہو جاتی ہے پھر لوٹ آتی ہے۔

نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں

النفس والروح اسمین لمعنی واحد۔

نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

اس کی دلیل حدیث لیلۃ التعریس ہے:-

قال بلال اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک فقال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قبض ارواحنا۔

"میری روح کو اسی ذات نے پکڑا جس نے آپ کی روح کو پکڑا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالے نے ہمارے ارواح کو قبض کر لیا تھا۔"

فائدہ:- ایک ہی چیز کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نفس سے تعبیر فرماتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ روح سے تو اس کی تطبیق یوں ہوتی ہے کہ روح اور نفس کو ایک ہی مانا جائے قرآن کریم نے بھی روح پر لفظ نفس کا اطلاق فرمایا ہے۔

قال تعالی اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔

''اللہ تعالےٰ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت

وقوله تعالى اخرجو انفسكم.

''اپنی جانیں نکالو''

فائدہ:- ان دونوں آیتوں میں ذکر نفس کا ہے اور مراد روح ہے' جمہور علماء بھی نفس اور روح کے اتحاد کے قائل ہیں۔

ان النفس والروح مسماهما واحد وهم الجمهور: ۲۱

''نفس اور روح کا مصداق واحد ہے اور جمہور اس کے قائل ہیں''

نفس اور روح میں فرق

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف میں بحث کی ہے کہ روح اور نفس شے واحد ہے۔تغائر بوجہ اوصاف کے ہے باعتبار اولیت کے تو روح ہے' جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے روح ہے جب پیدا ہوتا ہے اور کسب اخلاق و اوصاف حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے' اور بدن سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالح بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظ نفس بولا جاتا ہے' قبل از اکتساب اوصاف روح پر لفظ نفس کا بولنا ٹھیک نہیں' جب یہ اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس میں صفت غفلت اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ نفس کا فعل بھی غفلت اور شہوت ہے۔

سکون کیا ہے

نفس کی صفت غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے۔ان رذائل کو قلت طعام' قلت کلام' تخلیہ اور تقوے سے کم کیا جا سکتا ہے۔ان رذائل کی کمی کا نام

اصطلاح صوفیہ میں سکون ہے۔ سکون کے تین مدارج ہیں۔

اول: سکون تام وکامل یہ درجہ اطمینان نفس کا ہے' اس درجہ میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوم: سکون غیر تام و غیر کامل' یہ نفس لوامہ ہوا۔ سوم: عدم سکون (مطلقاً) یہ نفس امارہ ہوا۔

مسمی واحد کے مختلف اسماء

اگر ذات واحد کو مختلف الفاظ سے بیان کر دیا جائے اور ان الفاظ کا مرجع واحد ہو تو کوئی تضاد لازم نہیں آئے گا۔ جیسے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق قرآن مجید میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔

قال تعالیٰ مرۃ۔

خلقہ من تراب۔	''اسے مٹی سے پیدا کیا''
خلق من حما مسنون۔	''بدبودار کیچڑ سے پیدا کیا''
من طین لازب۔	''چکنی مٹی سے پیدا کیا''
من صلصال کالفخار۔	''بجنے والی مٹی سے پیدا کیا''

پس روح اور نفس شے واحد کے دو نام ہیں۔ فرق باعتبار صفات کے ہے۔

الفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لافرق بالذات:

''نفس اور روح کے درمیان فرق باعتبار صفات کے ہے نہ کہ باعتبار ذات کے''

۷

لطائف اور شیخ کامل

لطائف پانچ ہیں۔

لطائف کے بارے میں اختلاف

وجہ اختلاف

شیخ کامل کی پہچان

ضرورتِ شیخ

لطائف اور شیخ کامل

صوفیاء کرام فن طریقت و علم حقیقت و تصوف کے احکام باطنیہ میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ حضرات احکام ظاہریہ باطنیہ کا اسی طرح استخراج کرتے ہیں جیسے فقہا مجتہدین بغیر نصوص صریحہ کے بعض احتمالات کی بناء پر محض اپنے ذوق سے احکام ظاہرہ ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام میں فقہاء مجتہدین کے مقابلے ایک قوت زائد ہوتی ہے کہ وہ صاحب کشف والہام ہوتے ہیں۔ فقہا محض ذاتی رائے سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور یہ لوگ الہام و کشف کی روشنی میں، اور کشف والہام اعلام واطلاع من اللہ ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اعلام من اللہ محض ذاتی رائے سے افضل ہے۔ جس طرح قیاس ورائے کی صحت کا معیار یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو اسی طرح کشف والہام کی صحت کا معیار بھی کتاب وسنت کی موافقت ہے بہر حال اس کی فوقیت مسلم ہے:

انما الالہام نور یختص به الله تعالیٰ من یشاء من عبده ۲۴

الہام ایک نور ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ساتھ مختص کر دیتا ہے''

میں ذاتی طور پر فقہائے مجتہدین کے اجتہاد کو صوفیہ کے کشف والہام پر مقدم سمجھتا ہوں اس کی دلیل صوفیاء کا تعامل ہے۔ تمام صوفیاء محققین مجتہدین کے مقلد رہے ہیں۔ پس فقیہ کے اجتہاد کا مقدم ہونا ثابت ہو گیا۔

لطائف پانچ ہیں

اس اصولی تمہید کے بعد اب یہ سمجھ لیں کہ صوفیاء کرام بدن انسانی کو دس اجزاء سے

مرکب مانتے ہیں' عناصر اربعہ اور نفس مادی اور پانچ لطائف جن کا ذکر پہلے ہو چکا غیر مادی بلکہ مجرد ہیں۔

بعض کے نزدیک گیارہ ہیں۔ یعنی پانچ مادی' پانچ مجرد۔ اور ایک سلطان الاذکار بعض فرماتے ہیں کہ دس لطائف ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لطائف تو مجرد اور لطیف چیزوں کا نام ہے' پھر دس لطائف کیوں کر ہوئے' البتہ تغلیباً انہیں لطائف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے لطائف خمسہ کے علاوہ نفس بھی تغلیباً لطائف میں شمار کیا جاتا ہے اور سلطان الاذکار لطیفہ نہیں' بلکہ ایک طریقہ ذکر ہے' جس میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سارے بدن سے بلکہ ہر بن مو سے ذکر جاری ہے' بہر حال لطائف پانچ ہی ہیں' باقی تغلیباً ان میں شامل کیے جاتے ہیں۔

لطائف کے بارے میں اختلاف

بعض صوفیاء لطائف کے تغایر کے قائل ہیں' اور یہ تغایر حقیقی ہے۔ بعض محققین اتحاد لطائف کے قائل ہیں' اور اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب کو بتاتے ہیں اور اسی کو اوصاف متعددہ سے موصوف مانتے ہیں' جیسے زید متعدد اوصاف سے موصوف ہو مثلاً عالم' قاری' کاتب' واعظ وغیرہ تو اس تعدد اوصاف کی وجہ سے زید میں تعدد پیدا نہ ہو گا۔ تو گویا دیگر لطائف کا محل و مصداق و موصوف بھی قلب ہے۔ رہی یہ بات کہ ہر لطیفہ کے آثار و الوان انوار جدا ہوتے ہیں' اور یہ کہ ہر لطیفہ کا فعل جدا ہے مثلاً قلب کا فعل ذکر ہے' روح کا حضور' سری کا مکاشفہ۔ خفی کا شہود و مشاہدہ اور فنا اور اخفا کا معائنہ اور فناء الفناء تو یہ دراصل تعدد اوصاف کی وجہ سے افعال میں تعدد پیدا ہوا۔ ورنہ اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب ہے' اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اصل لطیفہ صرف قلب ہے تو یہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام ذکر کی تعلیم میں مختلف مقام اور محال کی طرف خیال کرنے کی ہدایت کیوں فرماتے ہیں' حالانکہ صوفیاء کا طریقہ ذکر متواتر اور متوارث چلا آ رہا ہے اور اسے کشف کی تائید بھی حاصل ہے' اس لئے تغایر کو ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے جس طرح ذکر قلبی میں قلب ہی پر توجہ مرکوز رہتی ہے' کیونکہ وہ تجلیات باری کا محل ہے مگر جس طرح لطیفہ ربانی قلب کو قلب صنوبری سے تعلق ہے' اسی طرح دیگر لطائف کو بھی خواہ مجازاً سہی ان محال و مقام سے تعلق ہے۔ محال و مقام کی تخصیص کی تائید حدیث ابی محذورہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے:

ثم وضع یدہ علی ناصیہ ابی محذورہ ثم امر علی وجہہ من بین ثدیہ وفی نسخہ من بین یدیہ علی کبدہ ثم بلغت ید رسول اللہ ﷺ ابی محذورہ ثم قال ﷺ بارک اللہ لک وعلیک: ۲۳

''پھر رسول اکرم ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔ پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو اس کے چہرے پر لے گئے پھر سینے پر۔۔ (اور ایک نسخے میں ہے کہ) اس کے جگر پر لے گئے پھر آپ ﷺ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے دعا دی کہ اللہ تجھے برکت دے۔''

فائدہ: حضور اکرم ﷺ نے خواہ اتفاق سے ہاتھ پھیرا' خواہ کسی غرض سے مانا جائے' ان مقامات کا متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔

فھو المقصود

قائلین اتحاد کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں صرف ذکر قلبی ملتا' باقی لطائف کا ذکر نہیں ہے چنانچہ امام غزالی نے بعض لطائف کا ذکر کیا ہے اور ان میں اتحاد ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ روح' قلب' عقل اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ تغایر اعتباری ہے اور اتحاد ذاتی: ۲۳

وجہ اختلاف

چونکہ لطائف میں تحت اتصال ہے' اس لئے ذکر قلب سے باقی لطائف میں بھی آثار انوار الوان وافعال سرایت کر جاتے ہیں جیسے متعاکس آئینوں میں شعاع آفتاب۔ جو آئینہ سورج کے مقابل ہو۔ اس کے مقابل دوسرا تیسرا آئینہ رکھ دیں تو شعاع آفتاب کا عکس سب میں ظاہر ہوگا۔

عدم تغایر کی دلیل کشف صحیح بھی ہے۔ چنانچہ جب سالک کے لطائف منور ہو جاتے ہیں تو منازل سلوک شروع ہوتے ہیں اور ان منازل کا تعلق زمین و آسمان سے نہیں بلکہ عرش اول سے شروع ہوتے ہیں تو ان منازل میں سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر آتی ہے' مگر دیگر لطائف نظر نہیں آتے۔ اگر سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر نہ آئے' تو اسے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ منازل سلوک طے کرتا جا رہا ہے۔ رہا یہ سوال کی اتنی دور تک روح نظر کیسے آتی ہے تو اس کا تعلق عقلی موشگافیوں سے نہیں' بلکہ اس راہ میں چلنے اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے سے ہے۔"

میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر بطور تشکر اور تحدیث نعمت اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کی اگر کسی میں طلب صادق ہو' نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو' اور اس کے علاوہ کوئی اور غرض فاسد نہ رکھتا ہو تو صرف چھ ماہ کے لئے اس ناچیز کے پاس آ جائے' اس پر چند پابندیاں عائد کی جائیں گی مثلاً صالح اور پاک غذا اور وہ بھی مقدار میں کم دی جائے گی' قلت کلام کا عادی بنایا جائے گا' نیند کم کرنی ہوگی۔ خلوت میں رکھا جائے گا۔ ذکر و اذکار میں مشغول رکھا جائے گا دو وقت توجہ دی جائے گی' پھر انشاء اللہ تعالےٰ وہ دیکھ لے گا کہ روح کیسے پرواز کرتی ہے' اور دوران پرواز کیسے نظر آتی ہے یہ چھ ماہ کا عرصہ رسول اکرم ﷺ

کے عرصہ کی مقدار پر ہے' اور کثرت ذکر ارشاد ربانی کی تعمیل کے طور پر کرایا جائے گا کہ:
واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار ۔ اور خلوت وقلت کلام کی پابندیاں
الاتکلم الناس ثلثه ایام الا رمزا کے مطابق تربیت سالک کے لئے ضروری ہیں۔

عزیز من! طلب صادق کا فقدان ہے' عوام کا تو ذکر ہی کیا' علماء بھی اس ضرورت کے احساس سے محروم ہیں' الا ماشاء اللہ' علماء کا کہنا یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے میں کہتا ہوں کی تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کما حقہٗ عمل ہو ہی نہیں سکتا لا الہ الا اللہ پڑھنے سے الھۂ ظاہری کی نفی تو ہو گئی' مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہو گا الھۂ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی۔

علمائے ظواہر حلال و حرام بیان کر سکتے ہیں' مگر حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتے' کیونکہ اس کا انحصار نور بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کے لئے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائیں ہیں۔ وہم' عقل اور نور بصیرت۔ عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نور بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں۔ عالم ظاہر بین نور بصیرت سے محروم ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علمائے ربانین اور صوفیائے کرام کو ملی ہے۔

دوستو! یہ دولت تصوف کے ادارے قائم کرنے سے نہیں ملتی' نہ تصوف کے جرائد جاری کرنے سے ہاتھ آتی ہے' نہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے' جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

1: عالم ربانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔ [۲۶]

2: صحیح العقیدہ ہو کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔

3: متبع سنت رسول اللہ ﷺ ہو' کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

4: شرک وبدعت کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت وگمراہی ہے'

5: دنیادار نہ ہو' کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔

6: علم تصوف وسلوک میں کامل ہو کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔

7: شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو' اور کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو۔

8: حضور نبی اکرم ﷺ سے روحانی تعلق قائم کردے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔ [۲۷]

اس ناچیز کا طریقہ یہی ہے کہ اولاً اپنے ہاتھ پر بیعت طریقت کبھی نہیں لی صرف تعلیم دیتا ہوں' اور ابتدائی منازل طے کرا کے دربار نبوی ﷺ میں پیش کردیتا ہوں' جو تمام جہان کے پیر ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں کہ پیر صاحب فرما دیں کہ لو تمہیں دربار نبوی ﷺ میں پہنچا دیا۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے اور دربار نبوی میں پہنچ کر حضور اکرم ﷺ کے دست مقدس پر بیعت کر رہا ہے' اگر کوئی مدعی دربار نبوی ﷺ تک رسائی

نہیں رکھتا' پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے' ماخوذ ہوگا۔ پس کامل وناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو۔

بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟ خدا کے بندو! پہلے اتنا تو غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں' بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک ذریعہ ہے' مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔

پھر یہ سوچو کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کیا صحابہ کرامؓ نے خلفائے راشدین کی بیعت نہیں کی تھی؟ پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا کہ پیر کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری جگہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟

تصوف اور تزکیہ باطن میں شیخ اور سالک کا تعلق بڑا نازک ہے' ظاہری علوم میں معاملہ اور قسم کا ہے' استاد سے نفرت اور اس کی مخالفت کے باوجود آدمی ظاہری علم حاصل کر سکتا ہے' مگر اس راہ میں شیخ کامل میسر آ جائے تو اس کی مخالفت مانع فیض ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ شیخ کامل کی مخالفت دراصل تزکیہ باطن اور رضائے الٰہی کے حصول سے نا فرور میدہ ہونے کی دلیل ہے۔

ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار اور وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے۔ پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات' طریق علاج' وزن ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں' آخر اس کی وجہ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے' اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے' بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے۔ اور اسی سے علاج کرایا جائے، اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو' اور اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے' کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔

O

۸

منازلِ سُلوک

سلوک کی ابتدائی منازل

استغراق کی حقیقت

انبیاءؑ کی نیند ناقضِ وضُو نہیں۔

نومِ انبیاءؑ وحی ہے

مراقبات کی حقیقت

دوائرِ ثلاثہ

سیرِ کعبہ

منازلِ سالک المجذُوبی

ولایت اولیاء کی منازل طے کرنے کیلیے چند شرائط

منازلِ سلوک

سلوک کے ابتدائی منازل

جب سالک کے لطائف منور ہو جائیں اور اس میں مزید استعداد پیدا ہو جائے تو شیخ کامل اسے سلوک کی منازل اس ترتیب سے طے کراتا ہے۔ اول استغراق اور رابطہ کرایا جاتا ہے پھر مراقبات ثلاثہ پھر دوائر ثلاثہ پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن پھر سیر کعبہ سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن اور اس کے بعد فنافی الرسول ﷺ کی منزل آتی ہے۔

استغراق کی حقیقت

استغراق ایک کیفیت ہے اس کی صحیح حقیقت تو مستغرق کو ہی معلوم ہوتی ہے مگر اتنا بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جسم کی مادی آنکھیں محوخواب ہوتی ہیں مگر قلب بیدار ہوتا ہے۔ آدمی باتیں سنتا ہے وضو ٹوٹ جائے تو معلوم ہو جاتا ہے جس طرح بیداری میں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے استغراق میں بڑا فرق ہے انبیاء کا استغراق تام ہوتا ہے ناقض وضو نہیں ہوتا اور اولیاء کا استغراق تام نہیں ہوتا اس لئے ناقض وضو ہوتا ہے کیونکہ اس میں نیند مل جاتی ہے علامہ شامی نے اس پر بحث کی ہے "نوم الانبیاء غیر ناقض" کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔

الاجماع علی انه ﷺ فی نواقض الوضوء کالامه الاماصح من استثناء النوم ان عینی تنامان ولاینام قلبی ۲۸

"اور اجماع امت اس پر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نواقض وضو میں امت کے ساتھ شریک ہیں مگر ان کی نیند نواقض سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا" (الحدیث)

انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں

محدثین وفقہا کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ نوم انبیا ناقض وضو نہیں' چنانچہ قاضی عیاض نے شفاء میں صفحہ ۲۸۱ پر اور بحر الرائق صفحہ ۳۹ پر اس پر بحث کی ہے۔

فان النوم مضطجعا ناقض الا فی حق النبی ﷺ صرح فی قنیه بانه ﷺ من خصوصیاته وهذا هو المشهور فی کتب المحدثین والفقهاء

نبی کریم ﷺ کے علاوہ سب کے لئے لیٹ کر سو جانا ناقض وضو ہے۔ صاحب فتاوی قنیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور ﷺ کی خصوصیات سے اور محدثین اور فقہا کا مشہور مذہب یہی ہے۔

اور فتاوی قنیہ ۱:۵ پر ہے:-

وفی مشکل الاثار وشرح السنه ان نوم الانبیاء لیس بحدث وروی محمد عن ابی حنیفه انه نام ﷺ جنبه وصلی بغیر وضوء قال تنام عینای ولا ینام قلبی وهو من خصائصه ﷺ

امام طحاوی مشکل آلاثار اور بغوی کی شرح السنہ میں ہے کہ انبیاء کا سو جانا ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ پہلو کے بل سو گئے اور اٹھ کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی اور فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب نہیں سوتا' اور یہ بات حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اور کتاب الاثار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۹۴:-

عن حماد عن ابراهیم قال توضا رسول الله ﷺ جخرج الی المسجد فوجد الموذن قد اذن فوضع جنبه فنام حته عرف منه النوم

وكانت له نومته تعرف كان ينفخ اذا نام ثم قام فصلى بغير وضوء قال ابراهيم ان النبي ﷺ ليس كغيره قال محمد ويقول ابراهيم ناخذ ما بلغنا ان النبي ﷺ قال ان عيني تنامان ولا ينام قلبي فالنبي ﷺ في هذا ليس كغيره فاما سواه فمن وضع جنبه فنام فقد وجب عليه الوضو وهو قول ابي حنيفه رحمه الله۔

حماد بیان کرتے ہیں ابراہیم سے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو کیا پھر مسجد میں گئے دیکھا کہ مؤذن اذان کہہ چکا ہے آپ پہلو کے بل لیٹ گئے اور سو گئے اور آپ کا سو جانا معلوم ہو گیا' آپ کے سو جانے کی علامت یہ تھی کہ آپ خراٹے بھرتے تھے جب آپ جاگے تو اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز پڑھی' ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو ابراہیم نے بیان کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا پس حضور ﷺ اس نیند اور وضو کے معاملے میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں دوسروں میں جو پہلو کے بل سو جائے اس کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول یہی ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین فقہا اور بالخصوص امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ نیند سے نبی ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

''شیخ القرآن'' نے اپنی تفسیر جواہر القرآن جلد اول صفحہ ۱۲۳' ۱۲۴ پر اس عنوان کے تحت تفصیل دے کر لکھا ہے کہ محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں'' یہاں تک تو درست فرمایا' لیکن آگے صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قانون نہیں' چنانچہ لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ سو گئے تھے'' یعنی شیخ القرآن کے اجتہاد نے محدثین کرام کے مسلمہ مذہب کو باطل قرار دیا' گویا شیخ القرآن کا مذہب یہ ہے۔

ع مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اپنے اس قول کی تائید میں فرمایا کہ شیخ (مولانا حسین علی) کا فرمان ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں اختلاف ہے۔

راویوں میں اختلاف کا مطلب کیا ہے؟ کیا کسی راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث پیش کریں۔

اصول یہ ہے کہ جب راویوں کے الفاظ میں اختلاف آجائے تو قدر مشترک نکالا جائے گا تو روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے۔ خواہ کوئی راوی بعد عشاء کہے خواہ وقت سحر کہے یا بعد وتر کے بیان کرے یا فجر کی سنتوں کے بعد کہے یہ بات تو سب نے کہی کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں۔ پھر راویوں کے اختلاف نے آپ کے قول کو کیا تقویت دی ہے؟

جب آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ محدثین کا مذہب یہی ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے پھر آپ کے قول سے جمہور محدثین کے اجماعی مذہب کو کیونکر ترک کر دیا جائے؟ پھر رہا لیلۃ التعریس کا حوالہ تو تمام محدثین فقہا اس کا جواب دے چکے ہیں کہ آفتاب مدرک قلب نہیں بلکہ مدرکات چشم سے ہے یعنی آفتاب کا ادراک قلب کا کام نہیں بلکہ آنکھ کا کام ہے۔ قلب تو لطیف چیزوں کو دیکھ سکتا ہے پھر ہو سکتا ہے کہ نیند استغراق تام ہو توجہ الی باری تعالٰے ہو اور شمس سے غفلت ہو۔ مختصر یہ شیخ القرآن کا مذہب حدیث وفقہ کے خلاف ہے محدثین کے مخالف ہے امام حماد ابراہیم امام محمد ار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے خلاف ہے پھر لطف یہ کہ آپ حنفی بھی ہیں اور شیخ القرآن بھی ہیں۔ اور باہمت اور جرات مند ایسے کہ قول رسول ﷺ کو ٹھکرا دیں محدثین اور فقہاء کے اجماعی فیصلہ کو

ٹھکرادیں اوران کی توحید پر اور حنفیت پر کوئی حرف نہ آئے۔

ترجمان القرآن اور حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب ابوداؤد ا:۲۷ اور اس کی شرح بذل المجہود ا:۱۲۵ میں بیان ہوا ہے۔

قال ابن عباسؓ کان النبی ﷺ محفوظا من ان یخرج منه حدث ولم یشعر به عن عائشهؓ تنام عیناه ولاینام قلبه ای هذا من خصائص الانبیاء علیهم الصلوة والسلام وقلب المصطفی فانه اکرم له لئلا یخلو وقته من معارف الالهیه والمصالح الدینیه

حضور اکرم ﷺ اس امر سے محفوظ تھے کہ آپ کے اندر سے ریح خارج ہو اور آپ کو معلوم نہ ہو سکے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور قلب پر نیند یا غفلت نہ آتی تھی اور نیند میں وضو نہیں ٹوٹتا تھا یہ بات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات سے ہے اور حضور ﷺ کے قلب کی خصوصیات سے ہے تاکہ حضور ﷺ کے قلب پر کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ معارف الہیہ اور مصالح دینیہ کے حصول سے غافل ہو۔

اس روایت سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مذہب واضح ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں۔ رہا لیلۃ التعریس کا سوال تو اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ:-

وقیل انه کان فی وقت ینام قلبه وفی وقت لاینام فصار الواهی نومه والصواب الاول۔

کہا گیا ہے کہ کسی وقت حضور ﷺ کا قلب غافل ہو جاتا اور کسی وقت غافل نہیں ہوتا۔ اس میں نیند آگئی اور صحیح بات اول ہی ہے (انبیاء کے قلب پر غفلت نہیں آتی)

اصل بات تو وہی کہ والصواب الاول یعنی بات صحیح یہی ہے کہ انبیاء کے قلب پر غفلت نہیں آتی۔ مگر پہلی بات بھی آخر کہی تو گئی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ''قیل'' کا قائل کون

ہے اگر قائل کا پتہ ہی نہیں تو اس کی بات کو حجت قرار دینا کون سی دانش مندی ہے۔
حدیث تنام عینای ولا ینام قلبی بخاری ۱:۲۲ پر اور صفحہ ۹۷ پر اور صفحہ ۱۱۹ پر اور صفحہ ۲۵۴ پر بھی موجود ہے اسی طرح مسلم شریف میں بھی موجود ہے اور خصائص کبری ۱:۷۲ پر متعدد احادیث مذکورہ ہیں:-

۱:اخرج الشیخان عن عائشه قالت قال النبی ﷺ تنام عینی ولاینام قلبی

۲:اخرج ابونعیم عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ علیه وسلم تنام عینی ولا یانم قلبی

۳:واخرج الشیخان عن انس ابن مالک قال قال رسول الله ﷺ الانبیاء ینام اعینکم ولا تنام قلوبهم

۴:واخرفج ابن معس عن عطاء البنی ﷺ قال انا معشر الانبیاء وینام اعینهم تنام اعیننا ولاتنام قلوبنا.

۵:وعن الحسن مرفوعا تنام عینای ولاینام قلبی

۶:واخرج ابو نعیم عن جابر ابن عبدالله ان النبی ﷺ وسلم کان تنام عیناء ولاینام قلبه

۷:واخرج ابو نعیم عن ابن عباس الخ الی ان قال ان هذا النبی تنام عیناء ولاینام قلبه

۸:واخرج الحاکم وصححه عن انس قال کان النبی ﷺ وسلم تنام عیناء ولاینام قلبه

جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آنکھوں پر نیند طاری ہوتی ہے' مگر ان کے قلب پر غفلت طاری نہیں ہوتی۔ یہی عقیدہ حضور ﷺ نے تمام صحابہؓ کو سکھایا' جیسا کہ حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ اور امام حسن بصری' امام بخاری' امام مسلم' محدث حاکم' محدث ابو نعیم اور ابو داؤد اور امام نووی' امام سیوطی' قاضی عیاض عطا خراسانی' اور امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا مذہب یہی ہے۔ اس کے علاوہ بحر الرائق فتاویٰ شامی اور فتاویٰ قنیہ میں یہی عقیدہ ہے اور ملا علی قاری کا یہی عقیدہ ہے اور سابقہ امتوں کا بھی یہی عقیدہ چلا آیا ہے جیسا کہ خصائص کبریٰ ۱:۹۷ پر تفصیل موجود ہے۔

اس عظیم جماعت کے مقابلے میں ''شیخ القرآن'' کا مذہب ہے جو جمہور کے مخالف ہے۔ اور اس کی بناء یا تو شیخ القرآن کی ذاتی رائے پر ہے یا ''قیل'' پر ہے جس کا قائل نہ تو روایت میں بیان ہوا ہے نہ شیخ القرآن نے نشاندہی فرمائی اور اس نامعلوم شخص کی بات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی۔

نوم انبیاء وحی ہے

قال تعالٰی۔ قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تومر (الصٰفٰت)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے''

کان رسول اللہ ﷺ اذا نام لم یوقظ حتی یکون ھو یستیقظ لانا ندری مایحدث لہ فی نومہ ۲۹

''نبی کریم ﷺ جب نیند میں ہوتے تو آپ کو جگایا نہیں جاتا تھا جب تک خود بیدار نہیں ہوتے' کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کچھ نازل ہو رہا ہے؟''

ابن کثیر اور بخاری میں ہے کہ:-

قال ابن ابی عمیر رویا الانبیاءؑ وحی۔

''ابن ابی عمیر جلیل القدر تابعی فرماتے ہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔''

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:-

حتی اتوہ لیلۃ اخری فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولاینام قلبہ ولکذالک الانبیاءؑ تنام اعینھم ولاتنام قلوبھم ۳۰

''ملائکہ کرام رسول اکرم ﷺ کے پاس رات کو سوتے میں آئے اس حالت میں کہ حضور ﷺ کا قلب بیدار تھا' اور آنکھیں سو رہی تھیں اور دل نہیں سو رہا تھا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں اور قلب بیدار ہوتا ہے''

اور فتح الباری میں ہے کہ:-

قال الخطابی وانما منع قلبہ من النوم لیعی الوحی الذی یاتیہ فی المنام ۳۱

''خطابی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے قلب کو نیند سے روکا گیا ہے' تاکہ اس وحی کو یاد رکھیں جو نیند میں نازل ہوتی ہے۔''

وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما انا نائم رائیت فی یدی سوارین من ذھب فاھمنی شانھما فاوحی فی المنام ان انفخھما ۳۲

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا' میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں۔

سوارین من ذھب فاھمنی شانھما فاوحی فی المنام ان انفخھما

مجھے ان کی وجہ سے رنج ہوا پس میری طرف وحی کی گئی کہ انہیں پھونک دے"

قال ابن عباس رویا الانبیاء وحی ۴۳

"ابن عباس نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے"

ان الوحی یاتی الانبیاءؑ من اللہ یقاظا و مناما ۴۴

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاءؑ کی طرف خواب اور بیداری میں وحی آتی ہے"

فائدہ: نص قرآن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ حدیث و آثار سے صحابہؓ کا یہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے' تابعین رحمتہ اللہ علیہم کا بھی یہی عقیدہ تھا' فقہائے امت رحمتہ اللہ علیہم کا یہی عقیدہ تھا' جیسا کہ شامی میں آ چکا ہے' بلکہ ساری امت کا یہی عقیدہ ہے جیسا روض الانف کی عبارت میں لفظ "کذالک" سے متبادر ہوتا ہے۔

سوال: لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ کی نماز فوت ہوگئی اگر نوم انبیاء علیہم السلام میں قلوب غافل نہ ہوتے تو وقت نماز اور وقت طلوع شمس معلوم کر لیتے۔

الجواب: آفتاب چشم ظاہری کے مدرکات سے ہے تعطل چشم سے اس کے مدرکات میں بھی تعطل آ گیا۔ آفتاب قلب کے مدرکات سے نہیں' یہ سوال ہی جاہلانہ ہے۔

۲: استغراق میں قلب ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور انوار و تجلیات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

سوال: حدیث لیلۃ التعریس میں نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی غفلت کا سبب نیند ہی بیان کیا گیا ہے۔ استغراق نہیں اور استغراق کا ذکر حدیث میں نہیں ہے'

الجواب: اثر سے موثر پر استدلال غلط ہے۔ نماز سے غفلت ایک اثر ہے' مگر ممکن ہے کہ

رسول اکرم ﷺ کا موثر غفلت استغراق ہو جس کا قرینہ دوسری حدیثیں ہیں اور صحابہؓ کا سبب موثر نیند ہو۔

سوال۔ اگر قلب کی غفلت تسلیم نہ کی جائے تو خدا سے شرکت لازم آتی ہے

" لاتاخذہ سنۃ و لانوم۔"

الجواب: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ملائکہ کو نیند نہیں آتی ۲۵۔ اور شیطان کو بھی نیند نہیں آتی۔ دیکھئے احیاء العلوم جلد ۲۱ صاحب! یہ اوصاف سلبیہ ہیں اور اوصاف سلبیہ میں شرک کہاں؟ آنکھیں خود حادث ہیں اور حادث مسبوق بالعدم کو خالق کل سے کیا نسبت؟

حدیث میں استغراق کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کی نیند کو سبب غفلت نہیں قرار دیا جا سکتا' کیونکہ حدیث شریف میں غفلت نومی کو بوجہ شیطان بیان کیا گیا ہے' کیا رسول اکرم ﷺ کی غفلت نماز کا سبب نیند ہو سکتی ہے؟ نیز کسی امر کے نص میں مسکوت عنہ ہونے سے اس کا دعویٰ کرنا نص کے مخالف نہیں ہوتا۔

مراقبات کی حقیقت

مراقبہ احدیت کا مفہوم اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں تمام عالم معدوم ہے۔

بناؤ بلندی و پستی توئی   ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

مراقبہ معیت میں سوچے کہ ہر جگہ ذات باری تعالیٰ حاضر و ناظر ہے' صرف باعتبار علم کے نہیں بلکہ باعتبار ذات کے میرے ساتھ ہے' اس کی ہیبت اپنے قلب پر طاری رکھے۔

مراقبہ اقربیت میں قرب ذات کے وجود کا خیال رکھے کہ وہ باعتبار ذات کے قریب اور باعتبار وجدان کے بعید ہے۔

دوائر ثلاثہ

ان مراقبات میں اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے دور کر دے وہ ذات محبت اختیاری میں غیر کی شرکت پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ شرک فی المحبت ہے۔۳۶

سیر کعبہ

اس مراقبہ میں یہ احتیاط ہوتی ہے کہ سالک یہ خیال نہ کرے کہ ان پتھروں کا مراقبہ کر رہا ہوں، کعبہ کی حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔

والبیت عبارة من لطیفه ربانیه فی بعد موهوم مهبط التجلیات الذاتیه فمختصه به صورة الکعبه مع کونها من عالم الخلق امر مبطن لایدرکه حس ولاخیال بل هو مع کونه من المحسوسات لیس بمحسوس وکونه فی جهه لیس له جهه فتمثل ولامثل له هذا شان الکعبه وحقیقه الکعبه ۳۷

بیت اللہ عبارت ہے لطیفہ ربانیہ سے جو بعد موہوم ہے جو مہبط تجلیات ذاتیہ ہے جو اسی سے مختص ہیں پس صورت کعبہ کی باوجودیکہ عالم خلق سے ہے باطن ہے جسکو حس اور خیال نہیں سمجھ سکتے محسوسات میں سے ہے مگر محسوس نہیں اور جہت میں ہے مگر اس کے لیئے جہت نہیں اور وہ متمثل ہے مگر اس کی مثال نہیں یہ ہے شان کعبہ کی اور یہ ہے حقیقت بیت اللہ کی“

جب یہ مراقبہ راسخ ہو جاتا ہے تو استعداد کے بعد سالک کو کعبہ، ملائکہ بیت العزۃ اور بیت المعمور کا مراقبہ کرایا جاتا ہے اور تجلیات انوار الٰہی کعبہ سے لے کر عرش تک نظر آتی ہیں۔

منازل سالک المجذوبی

اس کے بعد مراقبہ فناء و بقاء کرایا جاتا ہے' اس کے بعد سالک المجذوبی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں' خیال رہے کہ سالک المجذوب اور مجذوب سالک میں بڑا فرق ہے' سالک المجذوب متبع شریعت ہوتا ہے اور مجذوب سالک ظاہراً متبع شریعت نہیں ہوتا اس کے قوی باطنی جل چکے ہوتے ہیں' اس کی مثال ایسی ہے' جیسے کسی نابینا کو یا بینا کو اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر موٹر میں بٹھا کر پشاور سے لاہور لے جائیں' پھر اس سے راستے کی تفصیلات یا نشان راہ پوچھے جائیں تو وہ کچھ نہ بتا سکے گا' اس لئے مجذوب سالک سے کسی کو فیض نہیں مل سکتا۔ کیونکہ راستہ سے واقف ہی نہیں ہوتا' مگر سالک المجذوب منازل طے کر کے جاتا ہے' اسے راستے کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں' یہ منازل بہت اونچے ہیں مگر عوام جہلا تو ہر مجنوں اور پاگل کو مجذوب ہی خیال کرتے ہیں' اور کامل و اکمل ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سے بعض عجیب باتیں صادر ہوتی ہیں' حالانکہ ایسی باتیں مجنون سے بھی صادر ہو سکتی ہیں' کیونکہ اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ شرح اسباب میں موجود ہے کہ مجنون کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے' ایسے آدمی کے متعلق احتیاط لازم ہے' نہ اسے برا کہا جائے' اور نہ ولی اللہ سمجھ لیا جائے۔ قرآن کریم نے اصول بتایا ہے: **ولا تقف ما لیس لک بہ علم**۔ اس لئے مجذوب نما آدمی کے بارے میں توقف مطابق قرآن ہوگا۔ اگر عارفین میں سے کوئی صاحب نظر بتا دے کہ وہ بدکار ہے تو مردود سمجھا جائے' کامل و اکمل تصور کر کے شریعت کی توہین نہ کی جائے۔

اس سے آگے سلوک کی منازل ماوراء الوراء ہیں۔ گو باقی سلسلوں میں سالک المجذوب

منتہی ہوتا ہے مگر ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں سالک المجذوب مبتدی ہوتا ہے۔

ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیاء کی انتہا مقام تسلیم ہے' اس سے آگے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جسے ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ ہم ولایت کے منازل کی تفصیل بیان کر دیتے' اور ہر مقام کی نشان دہی بھی کرتے' مگر ایک قابل ہستی نے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا' وہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ اس تحریر سے فائدہ اٹھا کر کوئی جھوٹا مدعی ولایت مقامات کا نام بتا کر اور اپنی ولایت کا سکہ جما کر اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہے گا۔

ہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو ولایت اولیاء کے منازل انتہا تک طے ہو سکتے ہیں اور کرائے جا سکتے ہیں' مگر چونکہ اس کی انتہا عالم امر اور عالم حیرت میں جا کر ہوتی ہے' اس لئے مدت درکار ہے اور ولایت انبیاء کی انتہا نہ کسی ولی کو بتائی گئی ہے' نہ معلوم ہو سکتی ہے۔

ولایت اولیاء کے منازل طے کرنے کیلئے چند شرائط۔

ان منازل و مقامات کے طے کرنے کے لئے پانچ شرائط ہیں:

۱۔ شیخ کامل و اکمل اور صاحب تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلاتا جائے مگر اس کے لئے کافی عرصہ تک دوام صحبت شیخ لازمی ہے' کا ہے گا ہے توجہ اور صحبت شیخ سے تو ولایت صغریٰ کے منازل طے ہونے سے رہے۔

۲۔ کسی کامل کی روح سے رابطہ پیدا ہو جائے' لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں۔ البتہ بعض منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے' اس کے لئے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زندہ شیخ کی صورت میں

مسلسل توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ قبر پر جانے کی بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے۔

نوٹ: فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے جہلا والا فیض نہیں کہ قبروں کا طواف کرتے رہیں قبروں پر سجدے کرتے رہیں یا نذرانے بانٹ کرتے رہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہیں۔

۴۔ شیخ زبردست جذبے کا مالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے اور توجہ غیبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کر سکے۔

۵۔ سالک اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم السلام کو براہ راست فیض ملتا ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتباع نبوی ﷺ کا واسطہ ہوگا۔ یعنی اسے یہ فیض بواسطہ نبی کریم ﷺ ملے گا۔ اور حضور ﷺ کی جوتیوں کے صدقے فیض حاصل کرے گا۔

آخری دو شعبوں میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام تو عام آتے رہے مگر اولوالعزم رسول قلیل بلکہ اقل۔ اسی طرح ایسے آدمی بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ ایسے آدمی غوث، قیوم، فرد یا قطب وحدت ہوتے ہیں ان کے بلند مناصب کی وجہ سے ان کی توجہ اور فیض رسانی میں بڑا فرق ہے قیوم کی ایک توجہ غوث کی سو توجہ کے برابر ہوتی ہے اور اسی طرح سے سلسلہ آگے چلتا ہے۔ قیوم، فرد اور قطب وحدت دراصل اولوالعزم

رسولوں کے مناصب ہیں' ان تینوں کی شان اولیاء میں اس طرح ہوتی ہے جس طرح انبیاء کرام میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

ان انتہائی بلند منازل سلوک میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت ہے' ان کی ترتیب یوں ہے غوث' قیوم' فرد' قطب وحدت اور صدیق' ان مناصب پر صحابہ کرامؓ تو کافی تعداد میں تھے' مگر بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کو یہ منصب عطا ہوئے' مگر خیال رہے کہ ان منصب میں بظاہر برابری کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ ان کی فضیلت نص سے ثابت ہے۔

قطب وحدت میں تین امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں:

ا۔ اگر کوئی آدمی رات دن مسلسل اس کی صحبت میں رہے تو القاء کیئے بغیر اس کے لطائف منور ہوجاتے ہیں' بلکہ منازل سلوک بھی شروع ہوجاتے ہیں۔

۲۔ اس کا کوئی تربیت یافتہ اس کی اجازت کے بغیر بھی اگر کسی کو لطائف کرانا شروع کر دے تو دوسرے آدمی کے لطائف منور ہوجاتے ہیں' بلکہ صرف لطائف والا شاگرد بھی کسی کو تربیت شروع کردے تو اسے ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔

۳۔ وہ اپنے شاگردوں کو توجہ غیبی سے فیض دیتا ہے' اور منازل بدستور طے ہوتے رہتے ہیں' مگر مبتدی شاگرد کے لیے یہ حکم نہیں

صدیق اور نبی میں اتنا قریبی اتصال ہے کہ جہاں صدیقیت ختم ہوتی ہے' وہاں سے نبوت شروع ہوتی ہے۔

کما قال اللہ تعالی ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم

الله علیہم من النبیین والصدیقین

اور۔ واذکر فی الکتاب ابراھیم انه کان صدیقا نبیا۔

''اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین۔

''اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے وہ صدیق اور نبی تھے۔''

صدیقیت سے بلند تر ولایت کا کوئی مرتبہ نہیں' اس کے بعد منازل نبوت شروع ہوتے ہیں۔ جن میں کسی ولی کا عارضی طور پر داخل ہونا تو ممکن ہے' جیسے کوئی معمولی خادم بادشاہ کے حکم سے شاہی محل میں کسی خدمت کیلئے چلا جائے یا جیسے جنت میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ہمراہ غیر انبیاء جائیں گے جیسے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنت میں ازواج مطہرات کا جانا ہے۔ مگر مستقل مقام اور مستقر کے طور پر ان منازل میں جانا کسی ولی کے لیے ممکن نہیں۔ ان منازل کی تفصیل یہ ہے:

دائرۂ قرب نبوت۔ قرب رسالت' قرب اولوالعزمی' قرب محمدی' وصال محمدی' قرب الٰہی' رضائے الٰہی' قرب رحمت' بحر رحمت' خزانہ رحمت' منبع رحمت اور حجابات الوہیت۔ ان حجابات کو طے کرنے کے لیے عمر نوح بھی ناکافی ہے' حجابات کے بعد بھی غالباً اور منازل سلوک ہوں گے مگر ابھی تک علم نہیں ہوا۔ ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرا دے وہ قادر کریم ہے' اسکی رحمت سے کوئی بعید نہیں۔

ان منازل کے طے کرنے کے تین ہی طریقے ہیں:

اول: یہ کہ عارف کی تربیت روح پر فتوح آنحضرت ﷺ خود فرمائیں۔

دوم: یہ کہ اتباع نبوی ﷺ کے واسطے سے براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات

سے فیض ملے۔

سوم: یہ کہ جس کو رسول اللہ ﷺ یا فیض ربی سے تربیت مل رہی ہو اسکی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اسکی ''غیبی توجہ'' سے فیض حاصل کرے مگر مستقل مقام اور مستقر کے طور پر ان منازل میں جانا کسی ولی کے لئے ممکن نہیں۔

کلامنا اشارات وبشارات واسرار وکنوز ورموز لانصیب للاکثر فیها الاان یومنوا بها بحسن الظن فینتج ایمانهم ثمرات تضع لهم ولایومن بها الامن آمن بقدرة القادر وبحکمته الحکیم۔

''ہماری باتیں حقیقت کی طرف اشارے ہیں بشارتیں ہیں اور اسرار ہیں۔ ان سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو حسن ظن کے ساتھ ان پر یقین رکھے' صرف اسی صورت میں اس کا یقین نتیجہ خیز ہو سکتا ہے اور ان پر یقین وہی رکھ سکتا ہے۔ جس کا اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان ہو۔

O

۹

وَلایتِ اَنبیاَ عَلیھُم السَّلام

ولایت انبیاء علیہم السلام

انسانی نسل کے وجود کا باعث اور زمین کی آبادی کا سبب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود مسعود ہے اور محبت اور محبوبیت کا سبب بھی ان کا وجود ہے۔ کما قال تعالے انی جاعل فی الارض خلیفه۔ اس بناء پر رب العالمین نے دائرہ محبت کا صدر نشین بھی انہی کو بنایا۔ ولایت انبیاء علیہ السلام کے کئی دائرے اور بھی ہیں۔ ولایت عیسوی، ولایت موسوی اور ولایت محمدی ﷺ کے دائرے ان کے علاوہ مقام تکلمی اور دائرہ ولایت ابراہیمی بھی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا، وہ ہر امتحان میں پورے اترے اس لئے رب العالمین نے انہیں اپنا خلیل بنایا۔ ان کی ولایت کے دائرہ کا نام مقام خلۃ ہے جس طرح بادشاہ کے مقربین خاص ہوتے ہیں، جن سے راز ونیاز کی باتیں کی جاتی ہیں۔ خفیہ اسرار بتائے جاتے ہیں، یہ کلیم اللہ ہیں جن سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں ان کی ولایت کے دائرہ کا نام محبیت ہے۔ پھر راس ورئیس المحبوبین حضرت محمد ﷺ ہیں، ان کی ولایت کے دائرہ کا نام دائرہ محبوبیت ہے اور دائرہ حب صرف۔ حب صرف کے بعد مقام رضا ہے، جس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

انه ینبغی مجاوزتها والوصول الی مقام الرضاء الذی هو نهایه مقامت السلوک والجذبه وهو عزیز جدا لا یصل الیه الا واحد من الوف. (روح المعانی ۱۶ : ۲)

"شان یہ ہے کہ کشف وکرامت سے آگے قدم رکھا جائے اور مقام رضا کو حاصل کیا جائے جو مقامات سلوک وجذبہ کی انتہا ہے اور اس کا حصول بہت ہی مشکل ہے ہزاروں اولیاء میں سے کوئی ایک اس مقام تک پہنچتا ہے۔

بعض صوفیہ کرام کا خیال ہے جیسا امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت انبیاء علیہ السلام مقام رضا پر منتہی ہوتی ہے' مگر مقام رضا کے آگے دائرہ کمالات نبوت' پھر دائرہ کمالات رسالت اور دائرہ کمالات اولوالعزمی ہیں۔ اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ دائرے مقام رضا کے بعد آتے ہیں۔ پھر مقام رضا کو انتہا کیوں کر کہا جائے گا ان تمام دائروں کے مراقبات میں اصل مقصود مراقبہ ذات باری تعالیٰ کا ہے اور اس کی ذات کے فیض کا انتظار ہے۔ پس کمالات نبوت و رسالت اور کمالات اولوالعزمی کا منشاء وہی ذات ہے مگر حیثیت بدلتی ہے اور باعتبار حیثیت کے یہ مراقبات اور ان کی کیفیات بدلتی ہیں' مثلاً اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے۔ جمیع قربات یعنی مجودیت وغیرہ کا یہ دائرہ حقیقت صلوٰۃ کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات تمام نقائص تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرا اور منزہ ہے یہ دائرہ حقیقت صوم کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ جمیع خلائق کا مسجود ومعبود ہے' اسے دائرہ حقیقت کعبہ کہتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے کتب سماوی کا اور ذات واسع بے کیف و بے جہت ہے' اس کو دائرہ حقیقت قرآن کہتے ہیں۔ قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے' دائرہ حقیقت صوم کے علاوہ باقی تینوں دائرے حقیقت الہیہ ہیں اس کو سیر الی حقائق اللہ کہا جاتا ہے' یہ تمام دائرے مقام رضا سے آگے ہیں' ان کے بعد دائرہ قیومیت' اس کے بعد دائرہ افرادیت' پھر دائرہ قطب وحدت اور اس کے بعد دائرہ صدیقیت ہے جو سلوک کی انتہا ہے۔ مقام احدیت سے لے کر دائرہ اولوالعزمی

تک نصف سلوک ہے اور باقی نصف اس کے بعد ہے' جب یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں ولی اللہ نے یا فلاں خلیفہ صاحب نے پورا سلوک طے کیا ہوا ہے تو حیرت ہوتی ہے' کسی عارف نے فنا بقا تک منازل طے کر لیے تو یہ بھی بڑی بات ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء حالانکہ مقام فنا بقا سلوک کی بالکل ابتدا ہے' اور اولیاء اللہ کے تمام کمالات بمقابلہ ولایت نبوت کے مثل مشک کی رطوبت کے ہیں' جیسے مشک پانی سے بھری ہوئی ہو اور اس کی بیرونی سطح پر رطوبت ظاہر ہو رہی ہو۔ پھر یہ کمالات جو بمنزل رطوبت کے ہیں صرف مدرسہ تقوی میں معلم حقیقی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں تمام علوم ظاہری محبت دنیا کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں' مگر علوم صوفیہ اور محبت دنیا کا ایک جگہ جمع ہونا اجتماع نقیضین کا حکم رکھتا ہے۔

ان العولم کلها لا یعد تحصیلها مع محبه الدنیا و الاخلال بحقائق التقوی و ربما کانت محبه الدنیا عونا علی اکتسابها و علوم هو لا القوم یعنی الصوفیه لاتحصل بمحبه الدنیا و لاتنکشف الا بمجانبه الهوی و لاتندرس الافی مدرسه التقوی قال الله تعالی و اتقو الله یعلمکم ۲۸

''تمام علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ اکثر محبت دنیا ان کے حصول میں معاون ہوتی ہے سوائے علوم صوفیہ کے یہ علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان کا حصول خواہش نفس کے دور ہونے پر موقوف ہے' اور ان علوم صوفیہ کی تعلیم مدرسہ تقوی میں دی جاتی ہے۔ اللہ تعالی نے فرماتا ہے کہ تقوے اختیار کرو وہ تمہیں علم عطا فرما دے گا۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف و سلوک محض شجرہ خوانی' ٹوپی اوڑھنے' خرقہ پہننے ہی

تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے، وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لئے دوسری شرطیں ہیں، جن میں سے سرفہرست اتباع شریعت ہے۔ جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو۔ اتباع سنت نبوی ﷺ اس کامل درجے کا ہو کہ اس میں بدعت کو مطلق دخل نہ ہو، شرک و بدعت کی ہوا بھی مانع فیض ہے پھر شیخ کامل سے تعلق اور اس سے دلی عقیدت ضروری ہے، اس کی مخالفت مانع فیض ہے، اس پر قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام شاہد ہے، بھرپور خلوص سے ذکر الٰہی کی کثرت اور مجاہدہ و ریاضت۔ ان شرائط کے ساتھ منازل سلوک دس بیس سال میں طے ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اللہ تعالےٰ کو ایسا منظور ہو۔ تصوف تعلق مع اللہ اور اخذ حقائق کا نام ہے اور اس کا حصول ایسے اخلاص مع اللہ پر منحصر ہے، جس میں مخلوق سے کسی قسم کی امید کی آمیزش نہ ہو۔

ولایت علیا جو ولایت انبیاء علیہم السلام ہے، ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو انبیاء علیہم السلام سے ظاہری اور باطنی مناسبت ہو، ظاہری مناسبت یہ ہے کہ کامل اتباع شریعت ہو۔ احکام ظاہری کی بجا آوری میں ہرگز سستی نہ ہو۔ اتباع سنت میں قدم راسخ ہو۔ شریعت حقہ سے بے اتفاقی اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں اور مناسبت باطنی یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب منور ہیں اور ملائکہ کے وجود منور ہیں۔ اسی طرح عارف کا باطن بھی منور ہو، دل میں استمرار کبیرہ و صغیرہ کو جگہ نہ دے۔ ولی اللہ معصوم نہیں ہوتا۔ عصمت تو انبیاء علیہم السلام کا خاصا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو محفوظ ہو سکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ کاروبار ترک کر دے بلکہ:

كن ظاهرا جسمانيا وفي الباطن روحانيا قال تعالى رجال لاتلهيهم تجارة ولابيع عن ذكر الله.

گویا اللہ کے بندوں کو تجارت اور بیع وشری اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

پس ذکر الہٰی کے لئے ترک دنیا ضروری نہیں' ہاں یہ ضروری ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل میں بسنے نہ پائے۔

ہم نے مقصد اور ذریعہ حصول مقصد کی نشان دہی کر دی ہے' صرف کتب ورسائل تصوف سے تزکیہ باطن نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القاء وانعکاس کے بغیر محال ہے۔ رسائل تصوف اور کتب تصوف کی اشاعت کا رجحان واقعی بڑھ گیا ہے۔ مگر ان اداروں سے صرف الفاظ ملتے ہیں' معانی ناپید ہیں۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں — آدمی آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے — وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

(اکبر الہ آبادی)

O

۱۰

مناصبِ اولیاء اللہ

صوفیاء کی اصطلاحات احادیث سے ماخوذ ہیں۔

مناصِبِ اولیاءاللہ

صوفیاء کی اصطلاحات احادیث سے ماخوذ ہیں

اولیاءاللہ کے مختلف مناصب کے متعلق عام ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں' اور جن کے خلاف ''بدعت'' کا نام لے کر نفرت پھیلائی جاتی ہے انہیں دور کرنے کے لئے ذخیرہ احادیث میں سے چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں' دوسرے باب میں ان مناصب پر تفصیلی بحث ہوگی۔

١: ذکر ابونعیم فی الحلیه خیار امتی کل قرن خمسمائه والابدال اربعون فلاالخمسمائه ینقصون ولاالابدال کلمامات رجل ابدل الله مکانه من الخمسمائه وادخله فی اربعین مکانه.

''ابونعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ہر زمانہ میں پانچسو خیار ہوں گے اور چالیس ابدال' ان دونوں میں کمی نہ ہوگی' ان میں سے جو فوت ہوگا' ان پانچ سو میں سے اللہ تعالےٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو ان چالیس میں داخل کر دے گا۔''

٢: ومنها حدیث احمد. الابدال فی هذه الامه ثلاثون رجلا قلوبهم علی قلب ابراهیم خلیل الرحمن کلما مات منهم رجل ابدل الله مکانه رجلا.

''امام احمد کی حدیث۔ اس امت میں ابدال تیس ہوں گے جن کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قلوب پر ہوں گے' ان میں سے جو فوت ہوگا اللہ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔''

٣: ومنها حدیث الطبرانی. ان الابدال فی امتی ثلاثون بهم تقوم الارض وبهم یمطرون وبهم ینصرون.

"حدیث طبرانی۔میری امت میں تیس ابدال ہوں گے ان کے سبب سے زمین قائم رہے گی۔ان کی وجہ سے بارش کی جائے گی اور ان کی وجہ سے مدد دی جائے گی۔"

۴: ومنها حدیث ابن عساکر. ان الابدال بالشام یکونون وھم اربعون رجلا بھم تسقون الغیث وبھم تنصرون علی اعدائکم یصرف بھم عن اھل الارض البلاء والغراق۔

"ابدال شام میں ہوتے ہیں اور چالیس مرد ہیں ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور انکی وجہ سے دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے اور ان کے سبب سے اہل زمین سے تکالیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں۔"

۵: ومنها حدیث طبرانی. ان الابدال فی اھل الشام بھم تنصرون وبھم ترزقون.

"ابدال اہل شام میں ہوں گے ان کی وجہ سے تمہیں مدد دی جائے گی اور تمہیں رزق دیا جائے گا۔"

۶: ومنها حدیث احمد. الابدال بالشام وھم اربعون رجالا کلما مات رجال ابدل الله مکانه رجلا تسقون بھم الغیث وتنصرون بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب.

"ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جو ان میں سے فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالے اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں امداد دی جاتی ہے۔اور اہل شام سے ان کے سبب سے عذاب دور کیا جاتا ہے"

۷: ومنها حدیث الخلال الذی رواہ فی کرامات الاولیاء ورواہ دیلمی ایضا. الابدال اربعون رجلا وامراۃ کلمامات رجل ابدل الله مکانه رجال وکلمامانت امراۃ ابدل الله مکانها امراۃ.

''خلال کی حدیث جو اس نے کرامات اولیاء میں بیان کی ہے اور دیلمی نے مسند فردوس میں۔ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی مرد مر جاتا ہے اللہ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دیتا ہے اور جب عورت مرجاتی ہے تو اس کی جگہ دوسری عورت بدل دیتا ہے۔''

۸: ومنها حديث الحاكم عن عطاء مرسلا الابدال من الموالی

''حاکم کی حدیث۔ ابدال موالی میں سے ہیں۔''

۹: ومنها حديث ابن ابی الدنيا مرسالا. علامه ابدال امتی انهم لايلعنون شيئا.

''ابن ابی الدنیا۔ میری امت کے ابدالوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر لعن طعن نہیں کرتے۔''

۱۰: ومنها حديث ابن حبان. لاتخلو الارض من ثلاثين وثمانين مثل ابراهيم خليل الله. بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون.

''ابن حبان۔ تمیں اور اسی مردوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل ابراہیم خلیل اللہ کے ہوں گے، جن کے سبب سے تمہاری فریادرسی ہوگی ان کے سبب سے تمہیں رزق دیا جائے گا اور بارش برسائی جائے گی''

۱۱: ومنها خبر البيهقی. ان ابدال متی لم يد خلو الجنه بالعمالهم ولكن دخلوها برحمه الله وسخاوة الانفس وسلامه الصدور الخ۔

''بیہقی۔ میری امت کے ابدال اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کی رحمت سے نفسوں کی سخاوت سے اور سینوں کی سلامتی سے داخل ہوں گے۔''

۱۲: ومنها خبر ابن عدى فی كامله. البدالاء اربعون واثنان وعشرون بالشام وثمانيه عشر بالعراق كلمامات منهم احد ابدل الله مكانه

اخر۔ فاذا جاء الامر قبضو ا کلهم فعند ذلک تقوم الساعه۔

''ابن عدی۔ ابدال چالیس ہیں' بائیس شام میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ عراق میں۔ ان میں سے جو فوت ہوتا ہے اللہ تعالٰے اس کی جگہ دوسرا ابدل دیتا ہے اور جب اللہ کا حکم آ جائے گا سب فوت ہو جائیں گے اس وقت قیامت آئے گی۔''

۱۳: ومنها حدیث الطبرانی فی الاوسط. لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمان بهم تسقون وبهم تنصرون مامات منهم احدا الا ابدل الله مکانه۔

''حدیث طبرانی۔ چالیس مرد جو مثل خلیل اللہ کے ہیں' ان سے زمین کبھی خالی نہ ہو گی' ان کی وجہ سے تمہیں بارش دی جائے گی اور تمہیں مدد دی جائے گی' جب ان میں سے کوئی فوت ہوگا اللہ تعالٰے اس کی جگہ دوسرا ابدل دے گا۔''

۱۴: ومنها حدیث ابو نعیم فی الحلیه. "لایزال اربعون رجلا من امتی قلوبهم علی قلب ابراهیم ید فع بهم من هل الارض یقال لهم الابدال.

ومما جاء فی القطب کماقال بعض المحدثین خبر ابو نعیم فی الحلیه انه وردت احادیث توید کثیرا مما فیه مما جاء فی جمیع ماذکر وغیرهم حدیث الترمذی الحکیم وابی نعیم فی کل قرن من امتی سابقون وحدیج ابی نعیم فی کل قرن من امتی سابقون وحدیث ابی نعیم لکل قرن من امتی سابقون. ۳۹

''حدیث ابی نعیم۔ میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ ایسے رہیں گے جن کے قلوب' قلب ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہوں گے ان کی وجہ سے اہل زمین سے تکالیف دور کی جائیں گی۔ ان کو ابدال کہا جاتا ہے۔''

اور قطب کے متعلق جو بیان ہوا۔ جیسا بعض محدثین نے لکھا ہے۔ ابو نعیم نے حلیہ

تھا بیان کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں اس کی تائید میں وارد ہوئی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور وہ بھی جو مذکور نہیں۔ مثلاً حدیث حکیم ترمذی اور ابونعیم۔ کہ ہر زمانہ میں میری امت میں سابقون ہوں گے اور ہر زمانہ کے لئے سابقون ہوں گے۔"

تنبیہ: مذکورہ بالا احادیث کے رواۃ پر جرح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو:

فقدور وذكر الابدال ايضا من حديث على اخرجه احمد فى مسنده وسنده حسن وله عن طرق متعددة ومن حديث عبدة بن الصامت اخرجه احمد وسنده حسن ومن حديث عون بن مالك اخرجه الطبرانيديث معاذ بن جبل اخرجه ابوعبدالرحمن السلمى فى كتاب سنن الصوفيه ومن حديث ابى الدرداء اخرجه الحكيم التر مذى فى نوادر الاصول ومن حديث ابى هريرة اخرجه ابن حبان فى الضعفاء والخلال فى كرامات الايمان ومن حديث ام سلمه اخرجه احمد وابن ابى شيبه وابو دائود فى سننه والحاكم والبيهقى ومن مرسل الحسن اخرجه ابن ابى الدنيا فى كتاب السخاء والحكيم الترمذى والبيهقى فى شعب. ومن مرسل عطاء اخرجه ابوداود ومن مرسل بكر بن خنيس اخرجه ابن ابى الدنيا فى كتاب السخاء والحكيم الترمذى والبيهقى فى شعب. ومن مرسل عطاء اخرجه ابوداود ومن مرسل بكر بن خنيس اخرجه ابن ابى لدنيا فى كتاب الاولياء. وورد عن عمر ابن الخطاب موقوفا اخرجه الحكيم الترمذى فى نوادر الاصول عن ابن عباس موقوفا اخرجه احمد فى الزهد وقد جمعت هذه الحاديث كلها فى تاليف مستقل فاغنى عن سوقها ههنا "

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قریباً بیس کتب ورواۃ سے ابدال کی احادیث نقل کی ہیں اور تمام کو صحیح اور حسن فرمایا ہے تمام طرق احادیث کو جمع کرنے پر قدر مشترک۔ یعنی ابدال کا وجود یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس مستقل کتاب کا حوالہ علامہ موصوف نے دیا ہے اس کا نام **الخبر الدال من زجود القطب والنجباء والابدال** ہے جو ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

O

۱۱

مَناصَبِ اَولیاءاللہ پر تفصیلی بحث

غَوث اور قطب۔

اقطاب کے فرائض۔

قطبِ مدار۔

قیّوم۔

انسان کامل۔

لفظِ غوث کی تشریح۔

مستجاب الدعوات ہونے کا مفہوم۔

شرائط وآداب دُعا۔

عدم قبولیتِ دُعاَ۔

مناصب اولیاءاللہ پر تفصیلی بحث

ابدال۔ قطب۔ غوث۔ قیوم وغیرہ اولیاء اللہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ان کے متعلق بزرگان دین اور صوفیہ کرام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ یہ کوئی مافوق الفطرت متصرف۔ خودمختار۔ نافع وضار عالم الغیب۔ حاضروناظر یا مسجود خلائق ہستیاں ہیں جن کو غائبانہ فریاد رسی کے لئے پکارنا جائز ہو بعض اہل بدعت نے ان سے غلط مفہوم لیا ہے خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ ادھر بعض غالی حضرات نے لفظ غوث پر خواہ مخواہ اعتراض کئے ہیں یہ دونوں گروہ افراط تفریط کا شکار ہوئے۔

غوث اور قیوم کی اصطلاحات تمام کتب نظامیہ میں موجود ہیں اور بڑے بڑے موحدوں نے اپنی ذاتی تحریروں میں یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ مولانا حسین علی صاحب نے فوائد عثمانیہ میں کئی مقامات پر لفظ غوث استعمال کیا ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تفسیر مظہری میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

غوث اور قطب

صوفیہ کی بعض اصطلاحات کی اصل تو خود قرآن وحدیث میں موجود ہے جیسے ابرار۔ اخیار اور نقباء وغیرہ۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصطلاحات پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا ذکر ہم گزشتہ باب میں کر آئے ہیں

اس رسالہ میں غوث اور قطب کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ ان الله عزوجل فی الخلق ثلاثمائة قلوبھم علی قلب ادم ولله فی الخلق اربعون قلوبھم علی قلب موسی ولله فی الخلق سبعه قلوبھم علی قلب ابراھیم ولله فی الخلق خمسه قلوبھم ...علی قلب جبرائیل . الله فی الخلق ثلاثه قلوبھم علی قلب میکائیل ولله فی الخلق واحد قلبه علی قلب اسرافیل ۴۱

''ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ خدا کے تین سو بندے مخلوق میں ہیں جن کے قلوب حضرت آدمؑ کے قلب کی مانند ہیں۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے سے ہیں۔ پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ اور ایک ایسا بندہ ہے جس کا قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے۔''

نیز فرمایا:۔

اخرج الخطیب من طریق عبدالله بن محمد العبسی وھو الحافظ ابو بکر ابن ابی شیبه قال سمعت الکنانی یقول النقباء ثلاثماة والنجباء سبعون 'والبدلاء اربعون والاخیار سته والعمد اربعه والغوث واحد ۴۲

''خطیب نے بذریعہ ابوبکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا کہ میں نے کنانی سے سنا کہ نقباء تین سو ہیں اور نجباء ستر ہیں۔ ابدال چالیس ہیں۔ اخیار سات' قطب چار اور غوث ایک ہے۔''

نیز فرمایا:- عن انس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمن فبهم تسقون وبهم تنصرون وبهم ترزقون الخ قال فی مجمع الزوائد اسناده حسن ۴۳

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل خلیل اللہ علیہ السلام کے ہیں تو ان کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جائے گی اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائیگی اور ان کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کے اسناد حسن ہیں۔''

فائدہ:- حضرت انسؓ کی حدیث کے شواہد کثیرہ حدیثوں میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی تفصیل خطیب کی حدیث نے کر دی' ان روایات سے چار قطب اور ایک غوث کے مناصب ثابت ہوئے۔ اقطاب کے فرائض کے متعلق امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرما دی ہے

اقطاب کے فرائض

''قطب ابدال واسطہ وصول فیض است کہ وجود عالم بہ بقائے آں تعلق دارد۔ وقطب ارشاد واسطہ فیوض است کہ بارشاد وہدایت تعلق دارد۔ پس تخلیق وترزیق وازالہ بلیات ودفع امراض وحصول عافیت وصحت منوط بہ فیوض مخصوصہ قطب ابدال است وایمان وہدایت وتوفیق حسنات وانابت از سیئات نتیجہ فیوضات قطب ارشاد است ۴۴''

''قطب ابدال عالم کے وجود اور اس کی بقا سے تعلق رکھنے والے امور میں وصول فیض کا واسطہ ہے اور قطب ارشاد ہدایت وارشاد سے متعلق امور میں وصول فیض کا ایک واسطہ ہے' اس لئے پیدائش' رزق' مصائب کے دور ہونے اور صحت وآرام کے حاصل ہونے کا تعلق قطب ابدال کے فیض کے ساتھ مخصوص ہے' اور ایمان' ہدایت نیک کاموں کی توفیق اور توبہ وغیرہ کا تعلق قطب ارشاد کے فیض کا نتیجہ ہے۔''

قطب مدار

اور قطب مدار کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے تحت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے۔

وجعلنا الله تعالي معينا للقطب المدار من اولياء الله تعلي الذي جعله الله تعالي مدار اللعالم ببر كه وجوده وافاضته فقال الخضر ان القطب في هذه الزمان في ديار اليمن متبع للشافعي في الفقه فنحن فصلي مع القطب ۳۵

''حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اولیاء اللہ سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بقاء کا سبب بنایا ہے۔ اس کے وجود کی برکت سے بقائے عالم ہے۔ اور فرمایا کہ اس وقت قطب مدار یمن میں ہے اور وہ شافعی فقہ کا متبع ہے اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں''

اور وہ حدیث جس کو علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے کتانی سے روایت کیا ہے اس کے آخر میں **والغوث واحد** کے آگے روایت یوں ہے:۔

فمسكن النقباء المغرب ومسكن النجباء مصر. ومسكن الابدال الشام. والاخيار سباحون في الارض والعمد في زوايا الارض ومسكن الغوث مكه فاذا عرضت الحاجه في امر العامه ابتهل فيها النقباء ثم النجباء ثم الابدال ثم الاخيار ثم للعمد فان اجيبوا والا ابتهل الغوث فلا تتم مسالته حتى تجاب دعوته ۳۶.

''نقباء کا مسکن مغرب' نجباء کا مصر ابدال کا شام ہے اخیار سیاح ہوتے ہیں۔ قطب زمین کے گوشوں میں ہوتے ہیں۔ جب مخلوق کو عوامی مصیبت آ جائے تو دعا کے

لئے نجباء ہاتھ پھیلاتے ہیں' اگر قبول نہ ہو تو نجباء پھر اخیار۔ پھر قطب' اگر پھر بھی قبول نہ ہو تو غوث دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے (گویہ ترتیب ضروری نہیں) حتیٰ کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے"

قیوم

قیوم کے متعلق امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"آں عارفے کہ بہ مرتبہ قیومیت اشیاء گشتہ حکم وزیر دارد کہ مہمات مخلوق رابا او مرجوع داشتہ اند ہر چند انعامات از سلطان است اما وصول آنہا مربوط بتوسط وزیر است" ۴۷

"وہ عارف جو قیوم کے منصب پر فائز ہو' وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم امور کا تعلق اسی سے ہے' گو انعام تو بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں' مگر وہ وزیر کی وساطت سے ملتے ہیں۔"

فرد اور قطب وحدت کا مفہوم بعینہ وہ حدیث ہے جو رسول کریم ﷺ سے بطور دعا غزوہ بدر میں زبان مبارک پر آئی۔

اللھم ان تھلک ھذہ العصابہ لاتعبد فی الارض ابدا۔

"الٰہی! اگر اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو آپ کی عبادت زمین میں کبھی نہ کی جائے گی۔

معرفت توحید' فیضان کا عام اور جلد ہونا قطب وحدت اور افراد کی خصوصیات میں سے ہے' اور معرفت ذات باری تعالٰی اس سے وابستہ ہوتی ہے۔

انسان کامل

امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"معاملہ انسان کامل تا جائے رسد کہ اور اقیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت می

شسازند و ہمہ را افاضہ وجود و بقائے سائر کمالات ظاہری و باطنی بتوسط اوی رسانند“

معلوم ہوا کہ قیوم انسان کامل ہوتا ہے اور کل احکام ظاہری و باطنی قیوم کی ذات سے وابستہ ہیں کیونکہ یہ بمنزلہ وزیر کے ہے یہ مفہوم حدیث سے بھی متبادر ہوتا ہے۔

قال انما انا قاسم والله یعطی ”میں تقسیم کنندہ ہوں دیتا اللہ تعالیٰ ہے۔“

قیوم! اولوالعزم رسول کا نائب ہوتا ہے۔ اس کا مخالف فیض سے محروم رہتا ہے کیونکہ وہ حکومت کے وزیر کا باغی ہوتا ہے اور باغی کو حکومت کی طرف سے انعام نہیں ملا کرتا۔ ہر چیز اچھی یا بری سلطان الملک یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے وزیر کے ذریعے مخلوق کی طرف آتی ہے جب مخلوق مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو غوث بارگاہ رب العزت میں درخواست پیش کرتا ہے اللہ تعالےٰ چاہے تو اس کی دعا قبول فرما کر مصیبت دور کر دیتا ہے۔ خیال رہے کہ غوث کوئی خود مختار ہستی نہیں بلکہ مستجاب الدعوات انسان ہوتا ہے۔ اسی طرح قیوم کل انعامات کا سبب ہوتا ہے اور قطب ابدال اور قطب ارشاد جزوی انعامات کا ذریعہ ہیں اور خاص خاص ایک ایک انعام پر مقرر ہیں اور قطب وحدت اور فرد کا تعلق براہ راست ذات باری سے ہوتا ہے اس لئے ان کا مرتبہ غوث اور قیوم سے بہت بلند ہے۔

لفظ غوث کی تشریح

لسان العرب میں لفظ غوث کی تشریح یوں کی گئی ہے:

غوث: اجاب اللہ غوثاہ. وغواثہ وغواثہ. یعنی غوث اسم مصدر بمعنی للفاعل ہے اور اس کے معنی ”پکارنے والا“ ”دعا کرنے والا“ ”فریاد کرنے والا ہوں گے

اس کی دلیل یہ ہے کہ محاورہ عرب میں غوث بمعنی دعا اور پکار کے ہیں جیسے لسان العرب میں ہے:

ولم يات في الاصوات شيىي بالفيح غيره وانما ياتي بالضم مثل البكاء ولادعاء عابالكسر مثل النداء والصياح الاغوث

پس غوث اسم مصدر ہے جس کے معنی آواز دینا پکارنا اور دعا کرنا ہے جیسے غوث الرجل واستغاث صاح واغوثاه اصطلاح صوفیہ میں غوث اس مستجاب الدعوات ہستی کے لئے بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے اور دعا کرتا ہے اور لغت عرب اسی معنی کی تائید کرتی ہے' اس لفظ کا معنی "فریادرس" کرنا محض ایک عامیانہ رواج ہے۔

مستجاب الدعوات ہونے کا مفہوم

عام طور پر یہ خیال ایک عقیدہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ جب کوئی انسان منازل سلوک طے کر کے عارف باللہ ہو جاتا ہے تو اس کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ دعا بہر حال ایک درخواست ہے۔ حکم نہیں' دیکھئے انبیاء علیہم السلام مستجاب الدعوات ہوتے ہیں' مگر ان کی بھی ساری دعائیں قبول نہیں ہوتیں' اور امام الانبیاء ﷺ کی شان اور مرتبہ سب انبیاء سے ارفع ہے' مگر آپ ﷺ کی بھی وہ دعا جو رفع اختلاف امت کے متعلق تھی منظور نہ ہوئی تو یہ خیال کرنا کہ کسی عارف کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے سراسر زیادتی اور کم فہمی کی دلیل ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اولیاء اللہ میں سے صرف غوث' قیوم' فرد' قطب وحدت اور صدیق مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اگر اللہ تعالےٰ کسی کو

مستجاب الدعوات بنا دے تو ناممکن نہیں ہے۔ان پانچ مناصب کے حضرات بھی کوئی خود مختار' مافوق الاسباب ہستیاں نہیں ہوتیں' بلکہ اللہ تعالےٰ کی محتاج ہیں' اور اسی کے حضور دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں' ان کا دعا کرنا ہی ان کے محتاج ہونے کی دلیل ہے' اور یہ حضرات دعا بھی باذن اللہ مانگتے ہیں۔پس مستجاب الدعوات ہونے سے مراد یہ ہوئی کہ ان حضرات کی اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں' اور اگر ان کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو یہ ان کے منصب کے منافی نہیں۔ ہر کس و ناکس کی بھی تو بعض دعائیں تو قبول ہو جاتی ہیں۔حتیٰ کہ ابلیس کی یہ درخواست اللہ تعالےٰ نے منظور فرمائی کہ رب انظرني الى يوم يبعثون ۔کسی ایک دعا کے قبول ہونے یا بعض دعاؤں کے قبول ہونے سے کوئی مستجاب الدعوات نہیں ہو جاتا۔

شرائط و آداب دعاء

اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے کے لئے کچھ آداب ہیں' اور دعا کی قبولیت کے لئے چند شرائط ہیں' کتاب و سنت میں ان شرائط کو ملحوظ رکھنے کے لئے تاکید فرمائی گئی ہے:

1: غذا کا حلال اور پاکیزہ ہونا:-

قال تعالى يا ايها الرسل كلوا من الطيبات و اعملوا صالحا. وقال تعالى يا ايها الناس كلوا مما في الارض حلالا طيبا.

"اے گروہ انبیاء پاکیزہ رزق کھایئے اور نیک عمل کیجئے۔اور اے اہل ایمان زمین کی پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ۔"

وعن عباسؓ قال تليت هذه الايه عند رسول ﷺ فقام سعد ابن ابی وقاص فقال يارسول الله ادع الله ان يجعلني مستجاب الدعوات

فقال له النبی یا سعد اطب طعمک تکن مستجاب الدعوۃ والذی نفس محمد ﷺ بیدہ ان العبد لیقنف اللقمہ الحرام فی جوفہ مایتقبل منہ عمل اربعین یوما وایما عبدنبت لحمہ من سحت فالنار اولی بہ ۴۹

''ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور ﷺ کے سامنے پڑھی گئی تو سعد ابن ابی وقاصؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ حضور ﷺ میرے حق میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالے مجھے مستجاب الدعوات بنا دے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے سعدؓ رزق حلال کھاؤ' مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے انسان جب لقمہ حرام پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور جس انسان کا گوشت حرام غذا سے بنا ہو اس کے لئے آگ ہی بہتر ہے۔''

وقال تعالی یا ایھا الذین امنوا کلوامن طیبات مارزقنا کم. ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبریمد یدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک. (رواہ مسلم)

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اے اہل ایمان پاکیزہ رزق کھاؤ' جو ہم نے تمھیں دیا ہے' پھر آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے' سر کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں' آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے اللہ سے دعا کرتا ہے' حالانکہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے' لباس حرام کا ہے' غذا حرام کی ہے' پھر اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے گی۔''

۲: لباس کا پاک ہونا اور حلال کی کمائی سے تیار ہونا۔

قال تعالی. ولباس التقوی ذلک خیر. وقال تعالی فثیابک

فطهر. وقال النبی ﷺ من اصاب مالا من حرام فلبس منه جلبابا یعنی قمیصا لم یقبل صلوته حتی ینحی ذلک الجلباب عنه ۵۰

''اللہ تعالےٰ نے فرمایا لباس تقوے کا اچھا ہے اور فرمایا اے نبی ﷺ اپنے لباس کو پاک صاف رکھیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حرام مال پایا اور اس سے قمیض بنائی اور پہنی اس کی نماز قبول نہ ہوگی جب تک اس لباس کو اپنے وجود سے جدا نہ کر دے''

۳: بدن کا پاک ہونا حدث کبیر اور صغیر سے :۔

قال تعالی. فیه رجال یحبون ان یتطهر وا و الله یحب المطهرین.

''اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو پاکیزگی کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

۴: سحر کا وقت ہونا:۔

قال تعالی . وبالاسحار هم یستغفرون

''(اور اہل تقوے) سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔''

۵: استقبال قبلہ۔

۶: خلوص نیت۔

قال تعالی . فادعو الله مخلصین له الدین وقال النبیؐ انما الاعمال بالنیات

''پس اللہ تعالےٰ کو خلوص دل سے پکارو'' اور حضور ﷺ نے فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے''

۷: ادب سے دو زانوں بیٹھ کر دعا کرنا:

و یبسط یدیه و رفعهما حذو منکبیه و کشفهما مع التادب والخشوع والمسکنه والخضوع وان یسال الله تعالی باسماء الحسنی

والادعیہ الماثورۃ ویتوسل الی اللہ تعالی بالانبیاء والصالحین یخفض صوت الخ ویمسح وجہہ بیدہ بعد فراغہ۔۵۱

''ہاتھوں کو پھیلائے شانوں تک اٹھائے اور کھول کر رکھے اور ادب خشوع وخضوع کا خیال رکھے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگے اور منقولہ دعائیں پڑھے اور انبیاء اور اولیاء اللہ کے توسل سے پڑی دھیمی آواز سے دعا کرے۔ اور دعا ختم کرکے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر دے۔''

۸: قبل از دعا کسی عمل صالح کا ہونا ضروری ہے۔

۹ دعا کسی قطع رحمی کے لئے نہ ہو۔

۱۰: دعا میں حرام اور گناہ کا مطالبہ نہ ہو۔

۱۱: دعا امر محال کے لئے نہ ہو۔

۱۲: مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرنا یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ ابھی ابھی دعا قبول ہو جائے' اور اگر ایسا نہ ہو تو دعا ہی ترک کر بیٹھے۔

۱۳: مستجاب الدعوات ہونے کے لئے متقی ہونا شرط ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین اور متقی کی تعریف حضور اکرم ﷺ نے یوں فرمائی:

قال النبی ﷺ لایبلغ الرجل ان یکون من المتقین حتی یدع مالا باس بہ حذر الما بہ باس ۵۲

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا' جب تک اس چیز کو ترک نہ کر دے جس میں (بظاہر) حرام کا شبہ نہیں' مگر اس اندیشے سے کہ وہ چیز کہیں حرام تک نہ لے جائے۔''

فائدہ: متقی کے لئے مشکوک مال' غذا' لباس وغیرہ سے اجتناب لازمی ہے کیونکہ حرام کھانے والا جہنمی ہے' اور جہنمی متقی نہیں ہو سکتا۔

عدم قبولیت دعا

ولا یعرض علی ذلک بتخلفه عن بعض الداعین لان سبب التخلف وقوع الخلل فی شرط من شروط الدعاء کالا حتراز فی المطعم المشرب والملبس اولاستعجال الداوی اویکون الدعاء باثم اوقطیعه رحم اوتحصیل الاجابه ویتاخر وجود المطلوب لمصلحه العبد اولامر یرید الله تعالی ۵۳

''بعض دعا کرنے والوں کی دعاء کے قبول نہ ہونے پر اعتراض نہ کیا جائے' کیونکہ دعا کا قبول نہ ہونا کسی شرط میں خلل واقع ہو جانے کے سبب سے ہوتا ہے' جیسا کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں احتیاط نہ کی جائے' یا دعا کرنے والے نے جلدی کی یا کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا کی' یا دعا تو قبول ہوگئی مگر مطلوب کے حصول میں اس بندے کی مصلحت کی وجہ سے تاخیر کی گئی یا کسی ایسے امر کی وجہ سے تاخیر ہوئی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔''

فائدہ:۔ معلوم ہوا کہ بعض اوقات دعا تو قبول ہو جاتی ہے مگر قبولیت کا ظہور مدت کے بعد ہوتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا تو قبول ہوگئی مگر اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ **سوف استغفر لکم ربی** تو اس کا اثر اٹھارہ سال کے بعد ظاہر ہوا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا تو قبول ہوئی مگر تیرہ سال بعد بیٹا پیدا ہوا۔

اور دعا کی قبولیت کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وانما یتفق ذلک لمن تعود الذکر واستانس به وغلب علیه حتی صار حدیث نفسه فی نومه ویقظه فاکرم من اتصف بذالک باجابه دعوته وقبول صلوته ۵۴

اس شخص کی دعا کی قبولیت پر اتفاق ہے جو ذکر الٰہی کا عادی ہو اور ذکر سے انس پیدا کر چکا ہو، ذکر الٰہی کا اس پر ایسا غلبہ ہو کہ ہر سانس میں نیند میں بیداری میں غفلت نہ ہو، ایسا شخص مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور قبولیت صفوۃ سے نوازا جاتا ہے۔

ومن حقوق النفس قطعها عما سوی الله تعالی جل جلاله لکن ذالک یختص بالتعلقات القلبیه ۵۵

(اور یہ دوام ذکر الٰہی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے) جس کا تعلق قلبی ماسوائے اللہ سے بالکل منقطع ہو چکا ہو لیکن یہ ذکر مختص ہے ذکر قلبی سے"

فائدہ: معلوم ہوا کہ مستجاب الدعوات وہ شخص ہوتا ہے، جس کا تعلق قلبی اللہ تعالےٰ کے ساتھ پختہ ہو۔ مخلوق سے قلبی انقطاع مکمل ہو، تزکیہ نفس مکمل ہو چکا ہو۔ دوام ذکر حاصل ہو، یہ اوصاف صرف اولیاء اللہ کاملین میں پائے جاتے ہیں، اس لئے مستجاب الدعوات بھی وہی ہوتے ہیں۔

شیخ ابن الہمام نے اپنی کتاب "سلاح المومنین" میں دعا کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ ابتدا یوں کرے: الحمد لله رب العلمین الحی القیوم العلی العظیم. والرحمن الرحیم السمیع العلیم الاول القدیم الحلیم الحکیم. حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه حمدا یوافی نعمه ویکافی مزیده ولاتحصی ثناء علیه هو کما اثنی علی نفسه فلک الحمد حتی ترضی

پھر کہے:۔

اللهم صل وسلم وشرف وکرم وعظم علی رسولک سیدنا محمد النبی الامی الطهر الزکی واله الطیبین وصحبه المحققین وسلم علیهم تسلیما عدد ماذکره الذاکرون وغفل عن ذکره الغافلون.

پھر اپنا مطلب پیش کرے۔

O

۱۴

اَولیاء اللہ بزبانِ رسُولُ اللہ ﷺ

قیامت کے دن اولیا اللہ کی شان۔

دنیوی زندگی میں اولیاء اللہ کی حالت۔

قربِ الٰہی کے مدارج

قربِ فرائض

قربِ نوافل

درجہ محبوبیت

اَولیاء اللہ کی پہچان

اَولیاء اللہ کی امتیازی شان

اَولیاء اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے۔

اولیاء اللہ بزبانِ رسول اللہ ﷺ

انسان کی حقیقی قدر و قیمت اور اصلی عظمت و برتری کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اس کی فردِ عمل مالک حقیقی کے سامنے پیش ہوگی اور اسے فوزِ عظیم کا مژدہ سنا کر انعام و اکرام کا مستحق قرار دیا جائے گا، اس لئے حقیقی کامرانی و فلاح اور حقیقی عظمت و شان وہی ہے جسے اُخروی کامیابی اور ابدی راحت کہا جاتا ہے، اس دنیا کی چند روزہ شان و شوکت فریب نظر اور غرورِ نفس کے سوا کچھ نہیں۔ وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور

قیامت کے دن اولیاء اللہ کی شان

۱۔ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان للہ جلساء یوم القیامة عن یمین العرش کلتا یدی اللہ یمین۔ علی منابر من نور وجوھھم من نور لیسوا بانبیاء ولا شھداء ولا صدیقین۔ قیل یا رسول اللہ ﷺ من ھم قال ھم المتحابون بجلال اللہ تعالیٰ۔ المتحابون بجلال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ المتحابون بجلال اللہ تعالیٰ۔

(رواہ احمد باسناد و لا باس بہ) ۵۶

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے پاس عرش کے دائیں جانب بیٹھنے والے کچھ لوگ ہوں گے، اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، منبروں پر بیٹھے ہوں گے منبر نور کے ہوں گے ان کے چہرے منور ہوں گے وہ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء ہوں گے نہ صدیقین۔ عرض کیا گیا۔ حضور ﷺ پھر وہ کون لوگ ہوں گے؟ تین بار فرمایا۔ وہ اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے لوگ ہوں گے۔''

۲: وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول ﷺ ان من عباد اللہ عباد لیسوا بانبیاء یغبطھم الانبیاء و الشھداء قیل من ھم لعلنا نحبھم قال ھم یتحابون بنور اللہ من غیر ارحام ولا انساب وجوھھم نور علی منابر من نور لایخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس ثم قرا الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون (نسائی و ابن حبان) ۵۷

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں مگر قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے عرض کیا گیا وہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت رکھیں؟ فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں کہ (اللہ نے ان کے دلوں میں نور بھر دیا ہے) اللہ کے نور کی وجہ سے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں نہ ان میں کوئی رشتہ ہے نہ نسب کا اشتراک ان کے چہرے نورانی ہوں گے وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوتے انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی الا ان اولیاء اللہ الخ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔''

۳: وعن ابی امامہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ عبادا یجلسھم یوم القیامہ علی منابر من نور یغشی وجوھھم النور حتی یفرغ من حساب الخلائق..........

(رواہ الطبرانی باسناد جید) ۵۸

۴: وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ ان عمن عباد اللہ لاناس ماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیمہ بمکانھم من اللہ فقالوا یا رسول اللہ ﷺ فاخبرنا من ھم۔ قال ھم یتحابون بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم ولا اموال

يتغابطونها. فوالله ان وجوههم لنور وانهم لعلى نور ولا يخافون اذا خاف الناس ولا يحزنون اذا حزن الناس وقرء هذه الايه الا ان اولياء الله لاخوف عليهم ولاهم يحزنون. (رواه ابو داؤد). ۵۹

۵: وعن ابى الدرداء قال قال رسول الله ﷺ ليبعثن الله اقواما يوم القيمه فى وجوههم النور على منابر الله لو يغبطهم الناس ليسوا بانبياء ولاشهداء قال فجثى اعرابى على ركبته فقال يا رسول الله جلهم لنا نعرفهم قال هم المتحابون فى الله من قبائل شتى وبلاد شتى يجتمعون على ذكر الله يذكرونه (رواه الطبرانى باسناد حسن) ۶۰

۶: عن ابى مالک الاشعرى عن رسول الله ﷺ قال يا ايها الناس اسمعوا واعقلوا واعلموا ان لله عزوجل عبادا ليسوا بانبياء ولاشهداء يغبطهم الانبياء والشهداء على منازلهم وقربهم من الله تعالى فجثى رجل من الاعراب من قاصيه الناس والوى بيده الى النبى ﷺ فقال ﷺ ناس من الناس ليسوا بانبياء ولاشهداء يغبطهم الانبياء والشهداء على مجالسهم وقربهم من الله تعلى الى ان قال ليضع الله يوم القيمه منابر من نور فيجلسون عليها فيجعل وجوههم نورا وثيابهم نورا يفزع الناس يوم القيمه ولايفزعون وهم اولياء الله لاخوف عليهم ولاهم يحزنون..................

(رواه ابو يعلى واحمد والحاكم وقال صحيح الاسناد) ۶۱

فائدہ: ان احادیث میں جن اولیائے کرام کا ذکر ہے وہ ایسے ذاکرین، زہاد اور اللہ کے مخلص بندے ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت اور زہد و عبادت سے تزکیہ باطن میں لگے رہے اور انبیاء کرام اور اصحاب سلاسل بزرگوں کی شان تو ان سے بہت بلند ہے کیونکہ ان

حضرات نے اللہ کی مخلوق کو ہدایت کی راہ دکھائی اور اللہ کے بندوں کی اصلاح کی پھر انبیاء کے غبطہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام سے ان کی امتوں کے متعلق سوال ہوگا' اور اصحاب سلسلہ بزرگوں سے ان کے مریدین کے متعلق سوال ہوگا' مگر یہ لوگ اس ذمہ داری سے آزاد ہوں گے اس بناء پر انبیاء اور شہداء کو غبطہ ہوگا۔ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سوال و جواب کی فکر سے آزاد کر دے اس کی حالت اور اس کی شان کیوں کر قابل رشک نہ ہوگی؟

دنیوی زندگی میں اولیاء اللہ کی حالت

عن عمران بن حصین قال قال رسول الله ﷺ من انقطع الی الله تعالی کفاہ الله تعالی کل کامونه ورزقه من حیث لایحتسب ۴۲

"حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ کا ہو رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تمام تکالیف کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے اس کا گمان تک نہیں ہوتا۔"

قال رسول الله ﷺ من عادی لی ولیا فقد اذنته للحرب وماتقرب الی عبدی بشیئی احب الی مما افترضته علیه ومازال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته فکنت سمعه الذی وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سالنی لاعطیه ولئن استعاذنی لاعیذنه ۴۳

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی رکھی۔ میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے۔ میرے نزدیک سب سے محبوب وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب

حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں۔ اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور جب میرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔"

قال الطوفی هذالحدیث اصل فی السلوک الی الله والوصول الی معرفته ومحبته وطرقه اذا المفترضات الباطنیه وهی الایمان والظاهرة وهه الاسلام والمرکب فیهما وهو الاحسان کما تظهر حدیث جبریل والاحسن یتضمن مقامات السالکین من الزهد والاخلاص والمراقبه وغیرها.

علامہ طوفی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث سلوک الی اللہ اور اس کی محبت و معرفت کے وصول اور اس کی راہ پر چلنے میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس کا طریقہ فرائض باطنیہ یعنی ایمان اور ظاہرہ یعنی اسلام اور ان دونوں سے مرکب یعنی احسان کی بجا آوری ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام سے ظاہر ہے اور احسان عبارت ہے مقامات سالکین سے جیسے زہد اخلاص اور مراقبہ وغیرہ"

قرب الٰہی کے مدارج

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں اول اتباع شریعت دوم باطن کا انوار حقیقت میں مستغرق ہو جانا' اور ولایت کا مفہوم ہے حصول قرب الٰہی اور حصول قرب الٰہی کے وسائل دو ہیں اول اطاعت الٰہی دوم اجتناب از معصیت۔

لما کان ولی الله من تولی الله بالطاعه والتقوی تول الله تعالی

بالحفظ والنصرة ۲۴

''انسان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی دوستی کا ثبوت اس کی اطاعت اور تقو ے سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوستی کا اظہار حفاظت اور نصرت سے ہوگا۔''

۱: قرب فرائض

بخاری کی مندرجہ بالا حدیث قدسی سے قرب الٰہی کے تین مدارج ثابت ہوئے۔ قرب فرائض، قرب نوافل اور درجہ محبوبیت، قرب فرائض یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے جس کو صوفیہ فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں یعنی انسان اپنا ارادہ مٹا دے خود محض آلہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ فاعل۔

کما قال تعالی ان الله اشترى من المومنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنه.

''بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔''

۲: قرب نوافل

قرب نوافل سے وہ ترقی حاصل ہوتی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔

کما قال الرازی. ولما كان لانها يه لتزايد انوار المراتب لاجرم لانها يه لسفر العارفين في المقامات العاليه القدسيه وذلک بحر لا ساحل له ومطلوب لا نها يه له سبحان من اعطى تلک القربات لاوليائه ۲۵

''جب تزائد انوار مراتب کی انتہا نہیں تو عارفین کے سفر کی بھی مراتب عالیہ میں انتہا نہیں، یہ ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں اور یہ ایسا مطلوب ہے جس کی انتہا نہیں، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیا کو یہ قرب عطا فرمائے۔''

فائدہ: روح ان اجسام سے نہیں جو متفرق اور متمزق ہو جاتے ہیں' بلکہ یہ ایسے جوہر سے ہے جو ملائکہ سے بھی الطف ہے اور اس کا مسکن مافوق العرش عالم امر ہے مگر تعلق بدن سے اپنے اصلی وطن کو بھول جاتا ہے اور اس کی قوت پرواز یا تو بالکل ختم ہو جاتی ہے یا نہایت کمزور ہو جاتی ہے' جب کسی عارف کامل نے اسے اپنے وطن سے مانوس کرایا' ذکر الٰہی کی کثرت ہوئی اور اسم الظاہر والباطن اس کے پر بن گئے تو قوت پرواز لوٹ آئی اور روح انوار معرفت سے منور ہو گئی۔

واشرقت علیها انوار لارواح السمائیه العرشیه المقدسه وفاضت علیها من تلک الانوار قویت طیرانها۔

''اور جب روح پر انوار ارواح سمائیہ عرشیہ مقدسہ پر تو فگن ہوتے ہیں تو ان کے فیضان سے اس کی قوت پرواز ترقی کرتی ہے (اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف مشتاقانہ پرواز کرنے لگتی ہے)''

۳: درجہ محبوبیت

عارف کو محبوبیت کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے' جب اس کی آنکھوں میں اس کے کانوں میں اس کے ہاتھ پاؤں میں' بلکہ تمام اعضاء جوارح میں غیر اللہ کا کچھ حصہ نہ رہے' اسی حدیث سے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں یہ ثابت کیا ہے کہ اولیاء اللہ کا قلب صاف آئینہ بن جاتا ہے' اور اس سے تمام چیزوں کو اپنی حقیقت پر دیکھتے ہیں۔

فصار قلبه کالمراة الصافیه تبدوافیها صورالحقائق علی ماهی علیه فلاتکاد تخطی له فراسته فان العبد اذاابصر با لله ابصر علی ماهو علیه فاذا سمع بالله سمعه علی ماهو علیه ۔

''پس اس کا دل صاف آئینہ ہو جاتا ہے اور اس آئینہ صافی میں اشیاء کی حقیقی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کی فراست خطا نہیں کرتی کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس چیز کو اپنی اصل صورت پر دیکھتا ہے اور جب سنتا ہے اسے اپنی اصل پر سنتا ہے۔''

فائدہ: اس کشف حقیقی کے علاوہ رویت اشکال کا مراقبہ بھی ثابت ہوا مگر اس قدر ترقی کر جانے کے باوجود طالب صادق اور عارف حقیقی مزید ترقی کا طالب ہی رہتا ہے۔

وفی هذا الحديث ان العبد ولو بلغ اعلی الدرجات حتی یکون محبوبا لله تعالیٰ عزوجل الاینقطع عن الطلب من الله تعالیٰ لما فیه من الخضوع له واظهار العبودیه ٢٦

''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بندہ خواہ کتنے بلند درجات تک پہنچ جائے' حتیٰ کہ محبوب خدا بن جائے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی کا طالب ہی رہے گا۔ کیونکہ اس میں خشوع وخضوع اور اظہار عبودیت ہے (اور بندہ کے لئے انتہائی مقام عبودیت ہے)''

فائدہ: حدیث بخاری سے یہ امور ثابت ہوئے:

ا: فرائض راس المال ہیں اور نوافل بمنزلہ منافع ہیں۔

۲: جب تک قرب فرائض حاصل نہ ہو قرب نوافل حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ فرائض بمنزلہ بنیاد کے ہیں۔

۳: قرب الٰہی ادائے فرائض ونوافل پر موقوف ہیں۔

۴: اولیاء اللہ کو جو مناصب ملتے ہیں وہ قرب الٰہی پر موقوف ہیں۔

۵: قرب الٰہی کسی منصب پر موقوف نہیں۔

۶: جو ولی اللہ منصب محبوبیت پر فائز ہوتا ہے' وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔

۷: ولی اللہ سے دشمنی اور بغض رکھنے میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے۔

۸: الہام صاحب الہام کے لئے حجت ہے بشرطیکہ کسی منصوص شرعی حکم کے مخالف نہ ہو۔

اولیاء اللہ کی پہچان

ولایت کے دو ارکان ہیں جس میں یہ دونوں ارکان متحقق ہو گئے وہ ولی اللہ ہے

كما قال الرازي . قد يعرف كونها وليا فقدا حتجوا على صحته قولهم بان الولاية لها ركنان احدهما كونه في الظاهر منقادا للشريعه والثاني كونه في الباطن مستغرقا في نور الحقيقته فاذا حصل الامران عرف الانسان حصولهما عرف لامحالته كونه وليا ۲۷

"ولی کی پہچان یہ ہے اور اپنے قول کی صحت پر انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں ایک یہ کہ ظاہر میں شریعت کا متبع ہو دوسرا یہ کہ اس کا باطن نور حقیقت میں مستغرق ہو جب یہ دونوں باتیں پائی جائیں انسان کو ان کے حصول کی معرفت ہو جائے تو لازما وہ اللہ کا دوست ہوگا۔"

بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ عارف باللہ زاہد و عابد عالم و مکاشف تو کہا جا سکتا ہے مگر ولی اللہ کہنا مشکل ہے کیونکہ یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دوست قرار دیا ہے یا نہیں؟

مشکوۃ میں اولیاء کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ خيار عباد الله الذين اذا رء وا ذكر الله تعالى۔

"خدا کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔"

یہ علامت کچھ اس قسم کی نہیں کہ جو چاہے جس کے متعلق چاہے کہہ دے کہ "حضرت کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔" اور ہر سننے والا اس پر یقین کر لے۔ بلکہ اس سلسلے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں۔ اول مریدوں اور طالبوں کو توبہ اور انابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکر الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں۔"

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے جس کا خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے جس کا خوارق و کرامات سے تعلق اور واسطہ نہیں۔۔۔۔۔وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا اور جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے۔" (مکتوبات دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۲)

اولیاء اللہ کی امتیازی شان

صاحب تفسیر مظہری نے سورۃ "سبا" کی تفسیر کے سلسلے میں فرمایا:

وقد یاتی علی بعض الاکابر حالہ یخرج فیہ من حیز الزمان فیری الماضی والمستقبل موجودا عندہ ویشھد علیہ مارواہ الشیخان فی الصحیحین عن عبداللہ ابن عباسؓ .قال انخسف الشمس علی عھد رسول اللہ ﷺ فصلی رسول اللہ ﷺ والناس فقام قیاما طویلا. الی ان قال قالوا یا رسول ﷺ انا رایناک تناولت شیئافی

مقامک هذا ثم رایناک تکمکمت فقال انی رایت الجنه فتناولت منها عنقودا ولو اخذته لا کتم منه مابقیت الدنیا الی ان قال لایقال لعل النبی رای صورة الجنه فی عالم المثال مثل مایری النائم فی المنام لان قولا ﷺ لو اخذته لاکلتم ما بقیت الدنیا صریح فی انه ﷺ رای حقیقه النار والجنه دون مثالها ۲۸

''بعض اکابر پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ قیدِ زماں سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ماضی و مستقبل کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں اس پر صحیحین کی حدیث شاہد ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روای ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں سورج گرہن لگا تو حضور ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے نماز خسوف پڑھی اور طویل قیام کیا لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹے۔ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی جنت کے میوے سے ایک خوشہ پکڑنا چاہا۔ اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے'' یہاں یہ نہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے جنت کی مثالی صورت دیکھی جیسے آدمی خواب میں دیکھتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے حقیقی جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا صرف مثالی صورت نہیں دیکھی۔''

فوائد: ۱۔ عارف قلب کی آنکھ سے ساری چیزیں دیکھتا ہے مثلاً منازل سلوک بیت المعمور بیت العزۃ سدرۃ المنتہے جنت دوزخ عرش کرسی لوح محفوظ جنت کے ثمرات اور اس کی نہریں ملائکہ ارواح اور جنات وغیرہ۔ اور ان کا دیکھنا حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔ ان اشیاء کی مثالی صورتیں نہیں ہوتیں۔

۲: اولیاء اللہ زمین پر ہوتے ہیں مگر ان کی روح قیدِ زماں و مکاں سے آزاد ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ علم تابع معلوم کے ہوتا ہے اگر معلوم اعلےٰ اور عظیم ہے تو علم بھی عظیم ہوگا اس قاعدہ کی روشنی میں اس حقیقت پر غور کریں:

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون (ای لیعرفون)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں یعنی میری معرفت حاصل کریں۔"

جب معرفت الٰہی حاصل ہوگئی تو مقصد تخلیق پورا ہوگیا۔ پس ایسے مقبولین خدا جو غایت تخلیق کا مصداق ہیں ان سے دشمنی رکھنا کور باطنی کی دلیل ہے۔

ویکفی فی عقبه المنکر علی الاولیاء قوله ﷺ فی الحدیث الصحیح من عادی لی ولیا فقدا ذنته للحرب ای اعلمته انی محارب له ومن حارب الله لا یفلح ابدا وقد قال العلماء لم یحارب الله عاصیا الا المنکر علی اولیاء الله واکل الربوا وکل منها یخشی علیه خشیه قریبه جدا من سوء الخاتمه ولایحارب الله تعالی الا کافرا اقل عقوبه المنکر علی الصالحین ان یحرم برکتهم قالو ویخشی علیه سوء الخاتمه وقال بعض العارفین من رایتموه یوذی الاولیاء وینکر مواهب الاصفیاء فاعلموا انه محارب لله تعالی مبعد مطرود عن حقیقه قرب الله تعالی ۲۹

"منکرین اولیاء کے لئے وہی عذاب کافی ہے جو صحیح حدیث قدسی میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس سے میں اعلان جنگ کرتا ہوں یعنی میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس سے جنگ کروں گا جس نے خدا سے جنگ کی وہ کبھی نجات نہ پائے گا اور علماء امت نے کہا ہے کہ

محارب خدا نے تعالے صرف دو ہیں۔ ایک منکر اولیاء اور دوسرا سود خور اور ان میں سے ہر ایک نے متعلق خطرہ ہے کہ ایمان ضائع کر کے مرے گا اس لئے کہ اللہ تعالے سے جنگ تو کافر ہی کرتا ہے اور بہت کم عذاب منکرین اولیاء کے لئے یہ ہے کہ ان کی برکت سے محروم ہیں اور سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جب دیکھو کہ کوئی شخص ولی اللہ کو ایذا دیتا ہے اور برکات اصفیاء کا منکر ہے تو سمجھ لو کہ وہ خدا سے جنگ کرنے والا ہے اور قرب الٰہی سے دور اور مردود ہے"

وعن ابن عمر ان عمر خرج الی المسجد فوجد معاذا عند قبر النبی ﷺ یبکی۔۔ الی ان قال ومن عادی لی اولیاء الله فقد بارز الله بالمحاربه ۔ ان الله یحب الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین اذا غابو الم یفتقدوا وان حضروا لم یعرفوا۔ قلوبهم مصابیح الهدی یخرجون من کل غبراء مظلمته ای من کل فتنه جهالته ٥ ؎

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر مسجد کی طرف گئے اور حضرت معاذ کو حضور ﷺ کی قبر شریف کے پاس روتے ہوئے پایا اور کہا جس نے اولیاء اللہ سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے مقابلہ کیا۔ اللہ تعالے ایسے نیک متقی اور پوشیدہ رہنے والے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اگر موجود نہ ہوں تو ان کی تلاش نہیں کی جاتی اور اگر موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہیں جاتا ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر اندھیرے سے باہر نکل چکے ہیں یعنی ہر قسم کی جہالت اور اس کے فتنوں سے محفوظ ہیں۔"

فائدہ: اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے کے دو عظیم نقصان ہیں اول دنیا میں ان کی برکت سے محرومی دوم سوء خاتمہ کا خطرہ۔ یہ دونوں امور حدیث قدسی سے ثابت ہو گئے۔

O

۱۳

ذِکرِ الٰہیٰ

ذِکرِ مُطلق منصُوص ہے

نماز کے علاوہ بھی ذِکر کی کوئی صورت ہے؟

تلاوت قرآن کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے؟

ذِکرِ کثیر مامُور بہ ہے۔

ذِکر کی مختلف صُورتیں۔

ذِکرِ قلبی افضل ہے۔

ذِکرِ خفی کی فضیلت قرآن میں۔

ذِکرِ خفی کی فضیلت حدیث میں۔

ذکر قلبی

اجتماعی ذکر

Blank Page

ذکرِ الٰہی

ذکر مطلق منصوص ہے

نصوص قرآنی سے ذکر الٰہی کا مامور بہ ہونا ثابت ہے' بیسیوں آیتیں موجود ہیں' جن میں اللہ تعالٰے کا ذکر کرنے کا حکم پایا جاتا ہے۔ اور یہ حکم کثرت کی قید سے ثابت ہے' البتہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے۔ کمیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ ذکر کی کوئی مقدار یا حد مقرر نہیں۔ یعنی اتنی مقدار میں ذکر کیا جائے۔ یا اتنا وقت ذکر کیا جائے۔ اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص حالت کی قید نہیں' یعنی انفرادی ہو یا اجتماعی' قیام ہو یا قعود یا اضطجاع' پس جس نوعیت کا ہو اور جس کیفیت سے ہو' سب عموم نص میں داخل ہے۔ لہذا کسی خاص حالت یا نوعیت پر اصرار کرنا یا اعتراض کرنا کہ یہ طریقہ بدعت ہے بیجا اعتراض ہے' ایسا اعتراض ذکر الٰہی سے مانع ہونے کے مترادف ہے' ایسے شخص کے لئے وعید موجود ہے:

الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجا ای الذین یصدون السالکین عن سبیل اللہ ای الطریق الموصلتہ الیہ تعالٰی سبحانہ۔ ویبغونہا عوجا بان یصفونہا بما ینفر السالک منہا من الزیغ والمیل عن الحق کاھل البدعتہ والریاء ا ھ

''صاحب روح المعانی نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے جو لوگ سالکین کو اس طریق سے روکتے ہیں جو موصل الی الحق ہے اور اس میں کجی کا قصد کرتے ہیں' اس

طرح کہ اس طریق کو اس رنگ میں بیان کرتے ہیں کہ سالک کو اس سے نفرت پیدا ہو جائے اور وہ طریق حق سے ہٹ جائے جس طرح بدعتی اور ریاکار کرتے ہیں۔''

ذکر الٰہی کے مطلق ثابت ہونے کے بعد یہ اعتراض بھی بے جا ہوگا کہ ذکر سے مراد صرف فرض نماز' تلاوت قرآن' تسبیح و تہلیل اور نوافل ہی ہیں' اور صوفیہ کا طریقہ ذکر جو مروجہ ضربات وغیرہ سے کیا جاتا ہے اس سے خارج ہے' چونکہ ذکر مطلق ہے' اس لئے تمام اذکار کی تمام صورتیں اسی کے افراد ہوں گے' نماز اور نوافل' تلاوت قرآن استغفار' لاالہ الاالله' الله موجود یا صرف الله' یا درود شریف اسی مطلق ذکر کے افراد ہوں گے۔

نماز کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے؟

نصوص قرآنی سے نہایت وضاحت سے ثابت ہے کہ فرائض اور نوافل کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے' کما قال تعالیٰ:

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله واذکروا الله کثیرا (الجمعه)

''پس جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین میں چلو پھرو' اور خدا سے روزی تلاش کرو' اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو''

وقوله تعالیٰ:

رجال لاتلهیهم تجارۃ ولابیع عن ذکر الله واقام الصلوۃ (النور)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت بیع و شریٰ اللہ کی یاد اور نماز سے غافل نہیں کرتی۔

وقوله تعالیٰ:

فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا الله قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم فاذا

اطمانتنتم فاقیموا الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا۔ (النساء)

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ' کھڑے بھی اور بیٹھے بھی' اور لیٹے بھی اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو' یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔"

پہلی آیت سے یہ ثابت ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کاروبار دنیا میں مشغول ہو جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کاروبار نماز سے جدا شے ہے' دوسری آیت میں ذکر الٰہی کے بعد نماز کا ذکر ہوا اور ان دونوں کو عطف اور معطوف کی صورت میں پیش کیا گیا۔ تیسری آیت میں اول اور آخر نماز کا بیان ہے' درمیان میں ذکر الٰہی کا بیان ہوا۔ اور ہر حالت میں ذکر کرنے کا حکم ہوا ہے جو نماز سے الگ ہے' اور نماز اوقات سے مقید ہے۔ اور ذکر الٰہی کے ساتھ کثرت کی قید منافی اوقات ہے' کیونکہ اوقات کی ایک حد متعین ہے۔ پس نماز کے علاوہ بھی ذکر الٰہی کی صورتیں ثابت ہو گئیں۔

تلاوت قرآن کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے؟

قال رسول اللہ ﷺ علیک بتلاوت القران و ذکر اللہ عزوجل فانہ ذکر لک فی السماء و نور لک فی الارض ۲۷

"حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کو لازم پکڑ اور ذکر الٰہی کیا کر' کیونکہ اس سے آسمان میں تیرا ذکر ہو گا۔ زمین میں تیرے لئے نور ہو گا۔

یہ حدیث حضور ﷺ کی وصیت ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمائی اس سے ثابت ہوا کہ:

ا۔ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں عطف ہے جس سے تغایر ثابت ہوا' پس ذکر سے مراد

تلاوت قرآن نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا پڑھنا لفظ تلاوت یا قرات کے ساتھ بولا جاتا ہے' ہاں ذات قرآن پر لفظ ذکر بولا جاتا ہے مگر تلاوت قرآن پر نہیں۔

۲: قرآن مجید تو ہر آدمی کو یاد نہیں ہوتا اور قرآن کریم کا یاد کرنا یا پورا پڑھنا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں اور ذکر سب مسلمانوں پر فرض ہے' کیونکہ مامور بہ ہے۔

۳: ذکر مقید ہے کثرت سے' جسے قرآن مجید نے تمام حالات میں لازمی قرار دیا ہے' اور تلاوت قرآن ہر حالت میں اور ہر وقت ممکن نہیں جیسے نیند' کاروبار۔ جب بول و براز کی حالت میں'

۴: ذکر کی غرض وغایت وصال مسمّٰی ہے کہ ذکر اسم درمیان سے اٹھ جائے اور مسمّٰی دل میں رہ جائے مگر قرآن میں قصص' امثال' احکام' عبادات و معاملات کا ذکر ہے' اور قرآن کی تلاوت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ احکام سمجھے جائیں' یہ نہیں کہ مسمّٰی ہی دل میں رہ جائے اور احکام اٹھ جائیں۔

مذکورہ بالا نمبر ۳ کے سلسلے میں یہ آیت قابل غور ہے: اذکر ربک في نفسک ای في قلبک (روح المعانی) پس جب ذکر سے مراد ذکر روحی قلبی لیا جائے گا تو اس سے مراد قرآن نہیں ہو سکتا' کیونکہ قرآنی احکام کی تلاوت کا تعلق زبان سے قرات کرنے سے ہے خواہ نماز میں کی جائے یا نماز سے خارج اور صرف قلب سے قرآن کی تلاوت کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی۔

سوال: جب آپ ذکر کو مطلق پر محمول کرتے ہیں تو یہاں ذکر قلبی سے کیوں مقید کرتے ہیں؟

الجواب: ہم نے محض ارخائے عنان کے طور پر کہا تھا کہ لوگ ذکر کو کثرت نوافل اور

نمازوں پر ہی محمول کرتے ہیں تو باقی اذکار کو بدعت کیوں کہتے ہیں؟ حالانکہ تمام اذکار عموم نص میں داخل ہیں۔ پھر ہم نے تخصیص بھی قرآن سے بتادی کہ اس سے مراد صرف نماز نہیں۔ گو نماز افضل اور اعلٰے ذکر ہے۔ پھر ذکر قلبی قرآن کی نص سے ثابت کیا اور یہ کہ ہر حال میں صرف ذکر قلبی ہی ممکن ہے تلاوت قرآن اور نماز ممکن نہیں۔

ذکر کثیر مامور بہ ہے

قرآن مجید میں جہاں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا ہے اکثر مقامات پر اس کے ساتھ کثیر کی صفت موجود ہے۔ مثلاً

۱: یاایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا۔ (الاحزاب)

۲: والذاکرین اللہ کثیرا۔ (الاحزاب)

۳: لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا۔ (الاحزاب)

۴: یا ایھا الذین امنوا اذالقیتم فئتہ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ (الانفال)

۱: ''اے اہل ایمان تم اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو''۔

۲: ''اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد''

۳: حضور ﷺ کا عمدہ نمونہ اس شخص کے لئے جو روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو''

۴: اے اہل ایمان جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔''

ابن کثیر نے اذکروا اللہ ذکرا کثیرا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ اذکروا اللہ ذکرا کثیرا ابن اللہ تعالیٰ لم یفرض علی عبادہ فریضتہ الاجعل لھا حدا معلوما ثم عذر اھلھا

فی حال العذر غیر الذکر فان اللہ تعالی لم یجعل لہ حدا ینتھی الیہ ولم یعذر احد افی ترکہ الامغلوبا علی ترکہ فقال اذکر و ا اللہ قیاما وقعو دوعلی جنوبکم باللیل والنہار فی السر والعلانیۃ فی البر والبحر فی السفر والحضر والغنی والفقر والسقم والصحتہ وعلی کل حال ۴۳

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مذکورہ آیت کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالے نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں فرمائی جس کی حد مقرر نہ ہو اور اس میں ایک معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ کسی کو ترک ذکر پہ معذور فرمایا ہاں جو مغلوب الحال ہو اس کا معاملہ جدا ہے اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو۔ کھڑے ہو' بیٹھے ہو یا لیٹے ہو رات ہو یا دن' دل سے ہو یا زبان سے' خشکی پر ہو یا سمندر میں' سفر میں ہو یا حضر میں خوشحال ہو یا عسیر الحال' تندرست ہو یا بیمار ہر حال میں ذکر کرو۔ (اکل و شرب جب وطہر۔ تنگی و فراخی' خواب و بیداری)''

ذکر کی مختلف صورتیں

ذکر الٰہی کی تین صورتیں ہیں:۔

اول لسانی جہری بلند آوازی' دوم ذکر لسانی سری۔ سوم ذکر قلبی روحانی۔ قسم اول باتفاق علماء بدعت ہے۔ ہاں ضرورت کے مقامات خارج ہیں جیسے اذان تکبیر خطبہ وغیرہ۔

اجمع العلماء علی ان الذکر سر ھو الافضل والجھر بدعتہ الافی مواضع امخصوصتہ مست الحاجہ فیھا ۴۳

ذکر قلبی افضل ہے

الثالث الذکر الخفی بالقلب والروح والنفس وغیرھا الذی لا

مدخل فيه لنسان وهو الذكر الخفي الذي اليسمعه الحفظته اخرج ابو يعلي عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ لفضل الذكر الخفي الذي لا يسمعه الحفظته سبعون ضعفا اذا كان يوم القيمته وجمع الله الخلق لحسابهم وجائت الحفظته بما حفظوا وكتبوا فيقول لهم انظر واهل بقي له شيئي. فيقولون ماتر كناشياء مما علمناء وحفظناء الاوقد احصينه وكتبناء فيقول تعاليٰ ان له حسنه لاتعلمه واخبرک به هو الذكر الخفي. قلت وهذا الذكر لاانقطاع لها ولا فتورلها ۵ے

''سوم قلب اور روح کے ساتھ ذکر خفی ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں زبان کو کوئی دخل نہیں اور جسے کاتبین بھی نہیں سن سکتے۔ امام ابو یعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس ذکر خفی کو ملائکہ کاتبین سن نہیں سکتے۔ اسے غیر ذکر خفی پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے۔ قیامت کے روز جب اللہ تعالےٰ مخلوق کو حساب کے لئے جمع کریگا اور کاتبین اپنی تحریریں پیش کریں گے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ کہ دیکھو اس کی کوئی نیکی رہ تو نہیں گئی وہ عرض کریں گے ہمیں جو معلوم ہوا سب لکھ لیا۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ اس کی ایک نیکی ایسی ہے جو تم نہیں جانتے وہ ذکر خفی ہے' میں کہتا ہوں کہ ذکر خفی نہ منقطع ہوتا ہے' نہ اس میں فتور آتا ہے''

ذکر خفی کی فضیلت قرآن میں!

قال تعالیٰ: اذانادی ربه نداخفیاء .وفی هذه الایه ذکر الله تعالیٰ عبده ضالحا ورضی عنه ۱ـ

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک نیک بندے کو یاد فرمایا اور اس کے اس فعل

یعنی مخفی یاد کرنے کو پسند فرمایا۔

وقوله تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفه الخ

اسی آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تبلیغ وحی کا حکم دینے کے بعد متصل ہی اس آیت میں حکم دیا۔

بان یذکر ربه فی نفسه والفائدة فیه ان انتفاع الانسان بالذکر انما یکمل اذاوقع الذکر بهذه الصفته لانه بهذا الشرط اقرب الی الاخلاص والتضرع ۷۷

''کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کریں' اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر مستفید اس صورت میں ہوسکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے کیونکہ اس شرط (یعنی ذکر قلبی) سے ذکر کرنا' اخلاص اور تضرع سے زیادہ قریب ہے۔''

فائدہ: ذکر خفی مبتدی کو ریا وسمعہ سے محفوظ رکھتا ہے اور منتہی کے لئے ماسوائے اللہ کی محبت سے انقطاع کلی اور فنائی المذکور کا فائدہ دیتا ہے' جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ **من عرف الله کل لسانه** اور تفسیر ابی المسعود میں ہے کہ:۔

وهو عام فی الاذکار کافه فان الاخفاء ادخل فی الاخلاق واقرب من الاجابه ۷۸

''اخفاء تمام اذکار کے لئے عام ہے' کیونکہ اخفاء (ذکر خفی) میں اخلاص کا عنصر سب سے زیادہ ہے اور قبولیت کے اعتبار سے اقرب ہے۔''

فائدہ: 1۔ عبادت کی قبولیت کا انحصار اخلاص پر ہے اور ذکر خفی میں سب سے زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے۔

2: عبادت کا مقصود قبولیت ہے اور اخفاء اقرب الی المقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی اکثریت نے ذکر خفی پر مواظبت کی ہے اور جن سلسلوں میں سالک کی تربیت کے لئے ذکر جہر لسانی کرایا جاتا ہے وہ صرف مبتدی کے لئے ہے اور منتہی کے لئے ان کے ہاں بھی ذکر خفی پر ہی زور دیا جاتا ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت حدیث میں

عن ابی سعید الخدری قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول خیر الذکر الخفی "۷۹

"ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بہترین ذکر ذکر خفی ہے۔"

وعن سعد ابن ابی وقاص قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول خیر الذکر الخفی ۸۰

"حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ بہتریں ذکر۔ ذکر خفی ہے۔"

گو ذکر مطلق مامور بہ ہے مگر ہم نے قرآن و حدیث سے متوارث اور متعامل ذکر کو لیا جو بطور میراث ہمیں سلف صالحین اور صوفیہ عارفین سے ملا ہے اور جس کے افضل ہونے پر قرآن و سنت سے واضح دلائل ملتے ہیں۔ ہم حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ فرائض کو راس المال سمجھتے ہیں اور نوافل کو بمنزلہ منافع جانتے ہیں اور اذکار میں سب سے افضل ذکر قلبی کو سمجھتے ہیں اور یہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔ تزکیہ قلب اسی سے حاصل ہوتا ہے اور تزکیہ قلب ہی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔

کما قال اللہ تبارک و تعالی۔ ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من

الشیطن تذکروا فاذا ھم مبصرون۔ ای اذا مسھم الشیطن بالوسوسہ والتشویش وارسال الستور وارخاء الحجاب علی القلب تذکروا اللہ تعالیٰ وذکر واسمہ ثم اذا تذکروا یرد اللھم تھم ویرفع حجبہ ویبصر قلب الذاکر۔

''یقیناً جولوگ خداترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں''۔یعنی جب متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے وسوسہ اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ان کے دل پر پردے ڈال دیتا ہے تو اس وقت وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ کے نام کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالے ان کے دل پر سے پردے اٹھا دیتا ہے اور ذاکر کا دل دیکھنے لگتا ہے۔''

فائدہ ا:معلوم ہوا کہ ذکر الہٰی موقوف ہے تقوے پر اور تقویٰ باب ہے ذکر الہٰی کا اور ذکر الہٰی باب ہے کشف کا۔اور کشف باب ہے فوز کبیر کا جو معرفت الہٰی ہے۔شیطان تو اپنے داؤ استعمال کرتا ہے مگر اس کی تدبیریں کمزور ہیں بشرطیکہ مقابل میں بندہ خدا ہو بندہ ھویٰ نہ ہو۔کما قال تعالے ۔۔۔۔ان کید الشیطن کان ضعیفا۔

۲:شیطان کا فسوں ذکر الہٰی سے فوراً دفع ہو جاتا ہے اور اللہ والوں پر اس کا تسلط نہیں ہوتا۔

ذکر قلبی

ذکر الہٰی اور ذکر کثیر کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں کہیں ذکر اسم ذات کی تاکید ہے کہیں ذکر قلبی کی تلقین کی گئی ہے جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے۔بالخصوص یہ آیت ذکر کی جامع خصوصیات کی حامل ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجہر من القول بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکار سے کم آواز بولنے میں صبح اور شام کے وقتوں اور مت رہ بے خبر۔

اس آیت کی تفسیر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ سے نفحۃ العنبر من ہدی الشیخ انور کے صفحہ ۱۳۵ پر یوں فرمائی ہے۔

قال شیخ رحمته الله انور لا نخرج فیه عن اللفظ وعنوانه الی غیره فهو فی الذکر لا الصلوة وان کانت ذکرا اقوله واذکر ربک الظاهر المرادبه ذکره فی القلب ولعله لذالم یقل واذکراسم ربک وقال تضرعا وخیفته ولم یقل خفیه .فالخیفته من عقابه امر فی القلب کما قال انما المومنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم وعند الترمذی من ابواب صفته جهنم عن انس عن النبی ﷺ قال یقول الله اخرجوا من فی النار من ذکر نی یوما وخالنی فی مقام هذا حدیث حسن

شیخ انور رحمۃ اللہ نے فرمایا: ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے اور نہ اس کے عنوان سے کسی غیر معنی کی طرف جاتے ہیں۔ پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز اگرچہ نماز بھی ذکر ہے۔ اور واذکر ربک سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں۔ نماز تو ذکر لسانی ہے شاید اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے واذکر اسم ربک نہیں فرمایا۔ اور فرمایا تضرعا وخیفة اور خفیہ نہیں فرمایا۔ خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اور ترمذی شریف کی حدیث صفت ابواب جہنم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالےٰ فرمائے گا اس

شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ:۔

۱: ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے۔

۲: ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت حاصل ہے۔

۳: ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے۔

۴: اللہ تعالےٰ نے صبح وشام ذکر کرنے کا حکم دیا۔

۵: صبح وشام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکر قلبی ہے اور صبح وشام ذکر کرایا جاتا ہے اور اس آیت پر ہمارا پورا پورا عمل ہے۔

اجتماعی ذکر

فیض الباری ۲: ۳۱۵ پر درج ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں مجلس ذکر قائم کی تھی۔

> ثم اندرست ثم اندرست تلک المجالس حتی جاء السیوطی رحمته الله وشرع ثم انقطعت بعده بالکلیه
>
> پھر یہ مجلس نابود ہوگئی پھر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں قائم کی۔ پھر ان کے بعد منقطع ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین مجالس ذکر قائم کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

اور فیض الباری ۲: ۳۶۲ پر ہے کہ نمازوں کے بعد سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ مجلس

ذکر قائم کرتے تھے۔

فالسنته الخاصته في ذلک قاضيته على عموم الاحاديث في الاذکار بعد الصلوة وفي المدخل لابن الحاج المالکي ان المالکي ان السلف الصالحين کانو ايحسبون بعد الصبح والعصر في المسجدلهم زمذمته واوی کدوی النحل.

اس ذکر میں جو خاص سنت ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے وہ نمازوں کے بعد عام حدیثوں سے ثابت ہے اور مدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ تابعین نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقہ ذکر کرتے تھے ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی۔

ذکر کی یہ صورت ذکر خفی ہے یا پاس انفاس جس کا نقشبندیہ کے ہاں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

O

۱۴

حلقۂ ذِکر

اجتماعی ذکر کا ثبوت

حدیث سے اس کی تائید

مجالس ذکر قائم کرنے کا حکم

صوفیاء کا معمول قرآن وسنت پر مبنی ہے۔

قرآن کریم سے حلقہ ذکر کا ثبوت۔

حلقہ ذِکر

گزشتہ باب میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ذکر الٰہی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے اس اصول کے پیش نظر صوفیائے کرام نے ضرورت' مناسبت' موزونیت اور افادیت کے اعتبار سے جو صورت بہتر سمجھی اسے اختیار کر لیا۔ کہیں انفرادی طور پر ذکر کرنے کی تلقین کی۔ کہیں اجتماعی ذکر کی صورت اختیار کی۔ مگر بعض نادان لوگ اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر کو بدعت کہہ دیتے ہیں' حالانکہ مذکورۃ الصدر اصول کی بناء پر اسے بدعت کہنا غلطی ہی نہیں بلکہ خود ایک بدعت ہے۔

اجتماعی ذکر کا ثبوت

قال تعالٰے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔"

اس آیت کے حصہ مع الذین سے اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے' اس سے ذکر اجتماعی کی فضیلت بھی ظاہر ہو گئی۔

حدیث سے اس کی تائید

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادو

اھلمو الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا الی ان قال فیقول تعالٰے اشھد کم انی قد غفرت لھم قال فیقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجتہ قال ھم الجلساء لایشقی جلیسھم ۸۱

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے' پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا۔ پھر اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔''

فوائد۔۱: اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجالس ذکر قائم کرنا ایسا محمود عمل ہے کہ ملائکہ کرام مجالس ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں' کیونکہ ملائکہ اور ذاکرین میں مناسبت ہے۔ جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲: ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس پر مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے' کسی اور عبادت پر نہیں۔

۳: وسیلہ صلحاء اور صحبت مشائخ کا محمود ہونا ثابت ہوا۔ ذاکرین کی جماعت میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کر لیتا ہے۔

۴: اولیاء کی ذرا سی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنا دیتی ہے۔

مجالس ذکر قائم کرنے کا حکم

عن ابی وزین انه قال له رسول الله ﷺ وسلم الا ادلک علی ملائکة هذا الامر الذی تصیب فیه خیر الدنیا و الاخرة علیک بمجالس اهل الذکر ۸۲

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔۔۔۔سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو۔"

فائدے:۱۔مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں شامل ہونا مؤکد تاکید ہے۔

۲:مجالس ذکر دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

۳:ذکر الٰہی سے رحمت الٰہی کا نزول اور اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے۔

ولنعم ما قیل۔

انا من الرجال لایخلف جلیسهم ریب الزمان و لا یری مایرهب

صوفیاء کا معمول قرآن و سنت پر مبنی ہے

و اوراد الصوفیه التی یقرئونها بعد صلوة علیٰ حسب عاداتهم فی سلوکهم لها اصل اصیل فقدروی البیهقی۔ عن انس ان النبی ﷺ قال لانی اذکر الله مع قوم بعد صلوة الفجر الی طلوع الشمس احب الی من الدنیا ومافیها و لانی اذکر الله تعالیٰ بعد صلوة العصر الی ان تغیب الشمس احب الی من الدنیا و مافیها۔

وروی ابو داود عنه انه ﷺ قال لانی اقعد مع قوم یذکرون الله تعالیٰ من صلوة الغداة حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعته من ولد اسمعیل و لانی اقعد مع قوم یذکرون الله من صلوة

العصر الی ان تغرب الشمس احب الی من ان اعتق اربعته.

وروی ابو نعیم انه ﷺ مجالس الذکر تنزل علیهم السکینه وتحف بهم الملائکه وتغشاهم الرحمه ویذکرهم الله تعالیٰ.

وروی احمد ومسلم انه ﷺ قال لا یقعد قوم یذکرون الله تعالیٰ الاحفت بهم الملائکته وغشیتم الرحمته ونزلت علیهم السکینته وذکرهم الله تعالیٰ فیمن عنده

واذا ثبت ان لما یعتاده الصوفیه من اجتماعیم علی الاذکار والاوراد بعد الصبح وغیره اصلا صحیحا من استته وهو ماذکر فلااعتراض علیهم فی ذالک ۸۳

''صوفیاء کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے۔''

''بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کیساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کیا کروں۔''

''اور ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذاکرین کے ساتھ مل کر صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر کرنا مجھے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ان کے ساتھ ذکر کرنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

''ابونعیم نے بیان کیا کہ حضور نے فرمایا کہ مجالس ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔''

''اور امام احمد اور مسلم نے بیان کیا کہ جب کچھ لوگ ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتے ہیں فوراً ہی ملائکہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے۔''

''جب یہ ثابت ہو گیا کہ صوفیائے کرام کے صبح و شام کے معتاد اجتماع اور اذکار و اوراد کی اصل سنت صحیح سے ثابت ہے اور اس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا''

اس باب کی ابتداء میں جو آیت ہم نے پیش کی تھی اس کی جامع اور مکمل تفسیر فتاویٰ الحدیثیہ کی مذکورۃ الصدر عبارت سے ثابت ہو گئی اور حلقہ ذکر کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہو گئی۔

قرآن کریم سے حلقہ ذکر کا ثبوت

تفسیر ''کلام الملوک ملوک الکلام'' میں زیر آیت :۔

انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق والطير محشورة بعد مايحمل على التسبيح القالي كام هو ظاهر القران ومويد بكشد كثير من اهل الله تعالى يوخذ من امران لااول الاجتماع على الذكر :شيطاللنفس وتقيه للهمه وتعاكس بركت الجماعه من بعض على بعض والثاني مؤصحه مايتخيل في بعض الاشغال من اشغال كل مافي العالم بالذكر وله تاثير عجيب في جمع الهمه وقطع الخطرات.

آیت قرآنی کی تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حلقہ ذکر یعنی اجتماعی صورت میں ذکر کرنا مؤید بالقرآن ہے اور صاحب تفسیر نے حلقہ ذکر کے فوائد کی بھی نشان دہی

کردی۔ ان میں سے نشاط اور تقویت کا احساس تو عام ہے مگر تعمیر کی برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہو سکتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی ''عجیب تاثیر'' کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہو سکتی اور جو لوگ صرف الفاظ سے کھیلتے ہیں انہیں ان کیفیات کا علم ہو تو کیونکر لہذا اپنی محرومی کو چھپانے کے لئے انکار کا سہارا لیتے ہیں:

قاصر گر کند بر ایں طائفہ طعن قصور ماشاء اللہ کہ بر آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

O

۱۵

فضیلتِ ذِکرِ الٰہی

ذِکرِ الٰہی تمام عبادات سے افضل ہے۔

حضور ﷺ ہر وقت ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

حضور ﷺ نے ذِکرِ الٰہی کو سب سے افضل عِبادت فرمایا۔

ذِکرِ الٰہی جانی اور مالی عبادتوں سے افضل ہے۔

ذِکرِ الٰہی مومن کے لئے ایک قلعہ ہے۔

ذِکرِ الٰہی سے غفلت۔

فضیلتِ ذِکرِ الٰہی

ذکرالٰہی تمام عبادات سے افضل ہے

قرآن مجید میں ذکرالٰہی کے صلہ میں ایک ایسی نعمت کا وعدہ کیا گیا ہے جس سے بڑی نعمت مومن کے لئے اور کوئی نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالٰے ' فاذکرونی اذکرکم ' یہ وعدہ صرف ذکرالٰہی کے ساتھ مختص ہے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالٰے یاد کرے اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوسکتا ہے؟ اسی وجہ سے اللہ تعالٰی نے یہ اعلان فرمایا کہ ولذکر اللہ اکبر واقعی اگر ذکرالٰہی سب سے بڑی نعمت نہ ہوتی تو اس کے صلے میں اذکرکم کی نعمت غیر مترقبہ کیوں کر مل سکتی تھی؟

حضوراکرم ﷺ ہر وقت ذکرالٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

عن عائشہؓ قالت کان النبی ﷺ یذکر اللہ علےٰ کل احیانہ

(رواہ مسلم باب مخالطۃ الجنب)

حضور مقبول ﷺ ہر وقت ذکرالٰہی میں مشغول رہتے تھے"

فائدہ: لفظ "احیان" جمع ہے اور قاعدہ ہے کہ اضافت جمع کی اپنے مابعد کی طرف استغراق حقیقی کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر اس پر محیط الافراد لفظ "کل" بھی داخل ہے۔ لہذا تمام اوقات میں آپ ذکرالٰہی کرتے تھے اور تمام اوقات میں بول و براز جماع' اکل و شرب' نیند اور دوسرے مشاغل بھی شامل ہیں:

کما قال اللہ تعالٰے۔ ان لک فی النھار سبحا طویلا۔

کل احیان میں ذکر کرنے سے مراد ذکر قلبی ہی ہوسکتا ہے اور استغراق حقیقی کی وجہ سے

اپنے اوقات میں ذکرلسانی کو بھی شامل ہوگا' خیال رہے کہ یہاں استغراق عرفی یا اضافی نہیں کیونکہ قرینہ مخالطتہ الحجب موجود ہے چونکہ ایسی حالت میں ذکرلسانی ناجائز ہے۔اس لئے لازماً ذکرقلبی مراد ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکرالٰہی کو سب سے افضل عبادت فرمایا

عن ابی سعیدن الخدری ان رسول اللہ ﷺ سئل ای العبادۃ افضل درجہ عند اللہ یوم لقیمتہ قال الذاکرون اللہ کثیرا قلت یا رسول ومن الغازی فی سبیل اللہ عزوجل قال لوضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر ویختضب وماکان الذاکرون اللہ افضل منہ۔(رواہ الترمذی)۸۴

حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی عبادت اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے افضل ہوگی؟ فرمایا! اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا اگر مجاہد فی سبیل اللہ کفار اور مشرکین پر تلوار چلائے' حتیٰ کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے لتھڑ جائے' تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے افضل ہیں۔"

ذکرالٰہی جانی اور مالی عبادتوں سے افضل ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ الاانبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم لکم من تلقو اعدوکم فتضربوا اعناقھم قالو بلی یا رسول اللہ ﷺ قال ذکر اللہ تعالیٰ قال الحاکم فی کتابہ المستدرک علی الصحیحین ھذا حدیث صحیح الاسناد۔۸۵

''حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو سب سے افضل ہو جس کا ثواب اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ہو جو تمہارا درجہ سب سے بلند کر دے اور وہ عمل کرنا سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہو اور جو دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی افضل ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ضرور فرمائیے۔ فرمایا اللہ کا ذکر سب سے افضل ہے۔''

ذکر الٰہی مومن کے لئے ایک قلعہ ہے

قال النبی ﷺ امر کم بذکر اللہ کثیرا ومثل ذلک کمثل رجل طلبہ العدو سراعا فی اثرہ حتی یاتی حصنا حصینا فاحرز نفسہ فیہ وکذالک للعبد لا ینجوامن الشیطن الابذکر اللہ

''حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آرہا ہو اور وہ آدمی اس سے بچنے کے لئے قلعہ میں پناہ گزین ہو جائے اسی طرح شیطان کے حملے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے۔''

ذکر الٰہی سے غفلت شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے

قال تعالیٰ ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین۔ (الزخرف)

وقولہ تعالیٰ استحوذ علیھم الشیطن فانسھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطن۔ (المجادلہ)

''جو شخص ذکر الٰہی سے آنکھ چرائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے''

''ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ

شیطان کا گروہ ہیں۔"

ان دونوں آیتوں سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہونا شیطان سے تعلقات استوار کرنا ہے اور اللہ سے تعلق توڑنا اور شیطان سے رشتہ جوڑنا ہے جو ذکر سے غافل ہوا حزب اللہ سے نکل گیا اور حزب الشیطان میں داخل ہو گیا۔

اللھم احفظنا

O

١٦

توجہ اور تصرفِ شیخ

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں۔

حدیثِ فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثالیں۔

حدیثِ ابنِ ابی کعبؓ۔

توجہ شیخ۔

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں

قال اللہ تعالیٰ "اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (آل عمران)

وقولہ تعالیٰ ۔اذیوحی ربک الی الملئکۃ انی معکم فثبتوا الذین امنوا۔

"جب تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی۔ سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔"

"اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔"

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مقرر کیا گیا؟ یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القاء کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دلجمعی سے کریں۔

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال

حضور اکرم ﷺ جب حرا میں تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایا "اقراء" دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیا "ما انا بقاری" مگر تیسری بار حضرت جبریلؑ نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبداللہ بن ابی جمرہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ فغطنی ۔الخ وفیہ دلیل علی ان اتصال جرم اللفظ بالمغط وضمہ الیہ وھو احدی اطرق الافاضتہ یحدث بہ فی

الباطن قوة نورانيته مشعشعته تكون عون اعلی حمل مالقی الیه لان جبریل علیه السلام لما اتصل جرمه بذات محمد ﷺ سنیته فحدیث له ماذکرنزاء بذالک وهو مالقی الیه وفوقه سمع خطاب الملک ولم یکن له قبل ذلک وقد وجداهل المیراث من المص ﷺ فیته المتبعین المحققین ۸۷

''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھیجا گیا جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب جسم جبریل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی اور اہل میراث متبعین سنت محققین صوفیہ نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔''

فائدہ:۔ ہمارے سلسلہ میں اس حدیث فعلی کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آتا ہے۔

حدیث ابی بن کعبؓ

مشکوۃ میں حضرت ابی بن کعبؓ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے۔

''فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذکنت فی الجاهلیته فلما رای رسول الله ﷺ ماقد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانی انظر الی الله''قال صاحب المرقاة فلما ناوله برکته یدالنبی ﷺ زال عنه الغفلته والانکار وصارفی مقام الحضور والمشاهدة ۸۸

''ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی جب رسول اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہوگیا' حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں' صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے غفلت زائل ہوگئی اور فوراً ہی مقام حضور و مشاہدہ حاصل ہوگیا۔''

فائدہ:۱۔توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

۲:ابی بن کعبؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہوجاتا ہے۔

۳:مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہوجاتا ہے'

۴:شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے' کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے'اس لئے اس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابو طالب پر رسول اکرم ﷺ نے تصرف کیوں نہ کیا؟

توجہ شیخ

تصوف و سلوک کی خصوصیت منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے۔

جیسا کہ شامی ۴:۲۳۹ پر ہے۔

الطریقته هی السیرة المختصته بالسالکین الی الله تعالیٰ من قطع المنازل و الترقی فی المقامات

اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور اس کی اصل حدیث میں موجود ہے۔

چنانچہ فتح الباری شرح بخاری 1:89

وقال هذا القدر من الحديث اصل عظيم من اصول الدين وقاعدة مهمته من قواعد المسلمين وهو عمدة الصديقين وبغيته السالكين وكنز العارفين واداب الصالحين وقد ندب اهل التحقيق الى مجالسته الصالحين ليكون ذالک مانعا من التلبس بشئی من النقائص احتراما لهم واستحياء منهم۔

فرمایا یہ حدیث (جبرئیل علیہ السلام یا حدیث احسان) اصول دین میں عظیم اصل ہے۔ اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ اور یہ حدیث صدیقین کی معتمد علیہ اور سالکوں کی مطلوب چیز ہے۔ اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تا کہ ان اولیاء اللہ و صلحاء کی مجلس عیوب و نقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام ان سے حیاء کرنا ہوگا۔

اور تحفہ القاری: 1:21 پر توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے۔

فاخذني و غطني اى ضمني و عصرني قال علماء الشريعته كان هذا الغط ضربا من التنبيه لا حضار القلب ليقبل بكليته الى ما يلقى اليه وعليه وقال علماء الطريقته كا نهذا الغط توجها باطنيا لا يصال الفيض الروحاني وتغليب الملكيه على البشريه فهل الغط الاول فليتخلى عن الدنيا والثانيته يستفرج لما يوحى اليه والثالثه للموانسته ومثل هذا التصرف الباطني ثابت بالكتاب والسنته وعليه السادة الصوفيه قال الله عزوجل اذيوحي ربک الى الملائكة انى معكم فثبتو الذين امنو اى بالالقاء الخفيه والتوجهات

الباطنیتہ۔

پس جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔ علماءِ ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچناوں کو متوجہ کرنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہو اسے قبول کرلے۔ اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کے لئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔ پہلی مرتبہ بھینچنے سے دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا' دوسری مرتبہ وحی کے لئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں اسی حدیث کے مطابق مبتدی سالک کو تین مرتبہ توجہ دی جاتی ہے' پہلی توجہ سے مقصد روحانی شکل کی درستی ہوتی ہے۔ دوسری دفعہ رفع نحوست کے لئے اور تیسری بار تنویر قلب کے لئے۔ اسی سے سالک میں مقامات و منازل سلوک طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی لئے توجہ شیخ کامل کے بغیر یہ منازل طے نہیں ہوسکتے۔

چنانچہ بخاری ۱:۲۴۱ پر حدیث موجود ہے:

عن یعلی فانزل اللہ تعالیٰ علی النبی ﷺ فستر بثوب فقلت لعمر وددت انی قدرایت النبی ﷺ وسل وقد انزل اللہ علیہ الوحی 'فقال عمر تعال .ایسرک ان تنظر الی النبی ﷺ وقد انزل اللہ علیہ الوحی قلت نعم فرجع طرف الثوب فنظرت الیہ لہ غطیطہ واحسبہ قال غطیطہ البکر۔

پس اللہ تعالےٰ نے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کی اور آپ ﷺ نے کپڑا لپیٹ لیا۔ میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھوں جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اِدھر آ۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھے کہ اللہ تعالےٰ ان پر وحی نازل کر رہا ہو؟ میں نے کہا ہاں اس پر حضرت عمرؓ نے کپڑے کی ایک جانب کو اٹھایا۔ پس میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ غطیط کی حالت میں تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ نوجوان اونٹ کی غطیط کی سی کیفیت تھی۔

غطیط کے معنی حبس دم ہے۔ معلوم ہوا کہ وحی کی حالت میں حضور ﷺ پر حبس دم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حبس دم سے ذکر کرنے اور چادر لپیٹ کر ذکر کرنے کی اصل اس حدیث میں موجود ہے۔ صوفیہ کرام پاس انفاس کے طریقے یا حبس دم سے جو ذکر کراتے ہیں اس کی اصل بھی اسی حدیث میں موجود ہے۔ صوفیہ جو مراقبہ کراتے ہیں جس کا مطلب فیض الٰہی کا انتظار ہے وہی کیفیت ہے جو نبی ﷺ کو اس وقت ہوتی تھی جب نزول وحی کے وقت احکام الٰہی کا انتظار ہو رہا ہوتا تھا۔ اسی حدیث سے مراقبہ کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔

O

۱۷

الکشف والالہام

حصولِ علم کے ذرائع۔

عدمِ کشف بڑا حجاب ہے۔

کشف کے لئے شرائط۔

حدیثِ نفس اور القائے شیطانی۔

کشف والہام کی صحت کا معیار۔

دلائلِ کشف قرآنِ حکیم سے۔

کشف والہام میں فرق۔

حالتِ برزخی۔

انبیاء واولیاء کو قبل از وجودِ اشیاء کا اِنکشاف۔

کشف اور الہام از قبیل وحی انبیاء ہیں۔

کشف اور خواب میں فرق۔

کشف اور الہام بدکاروں کا حِصّہ نہیں۔

الہام کا اِنکار مردُود ہے۔

کشف اور الہام خاص اہلِ اللہ کا حِصّہ ہے۔

کشف میں انقلابی اثر ہے۔

حقیقی ایمان بھی ایمانِ شہُودی ہے۔

اَصل ایمان اطمینانِ قلب ہے۔

محاکمہ مابین علمائے ظواہر وعُلمائے باطن

ازرُوئے کِتابُ اللہ۔

الکشف والالہام

حصول علم کے ذرائع

انسان کے لئے حصول علم کے ذرائع تین ہیں حواس ظاہری وہم وعقل اور نور بصیرت' حواس ظاہری سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس کی بنیاد احساس اور مشاہدہ پر ہے۔ عقل ووہم سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انتقال من المعلوم الی المجہول کے طریقہ پر ہوتا ہے اور نور بصیرت سے جو علم حاصل ہوتا ہے' اس کا ذریعہ تلقی روحانی عن الغیب ہے' وحی۔ تحدیث تفہیم۔ ذوق۔ معرفت۔ علم لدنی۔ مشاہدہ۔ کشف۔ الہام اور وجدان تلقی روحانی کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔

وقد تسمى جميع انواع التلقي عن الغيب ماعدا الوحي الكشف والالهام .ولما انقطع الوحي بخاتم الانبياء صلوات الله عليه لم يبق من اقسام التلقي الا الكشف والالهام٨٩

"وحی جلی کے سوا تلقی عن الغیب کی تمام اقسام کا نام کشف والہام رکھا گیا ہے اور جب وحی جلی' خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ منقطع ہوگئی تو اب تلقی عن الغیب کی صرف ایک شکل کشف والہام باقی رہ گئی۔"

علم نقلی بھی اسی تلقی عن الغیب سے ہے' اور اس کا حصول خبر معصوم پر موقوف ہے' اور ہر خبر احتمال جانبین کا رکھتی ہے' یعنی صدق کا بھی اور کذب کا بھی۔ یہاں یہ اعتراض بے جا ہے کہ علامہ خیالی نے "اخبار میں اصل صدق کو بتایا ہے اور کذب کو ایک احتمال عقلی قرار دیا ہے" کیونکہ عقل بھی ایک مضبوط دلیل ہے اور احتمال جو ناشی از دلیل ہو' وہ بھی قوت رکھتا ہے اور دلیل کو باطل کر دیتا ہے۔

جس طرح شریعت ظاہری میں اخبار معصوم کے متعلق صحیح تمیز رکھنے والے علماء موجود ہیں جو صحیح سے سقیم کو الگ کر دیتے ہیں اسی طرح کشف والہام میں بھی مہارت رکھنے والے صوفیہ عارفین موجود ہیں جو صحیح اور سقیم میں تمیز کر لیتے ہیں' البتہ یہ درست ہے کہ علوم ظاہریہ کے پرکھنے والے ماہرین بہت ہیں' مگر کشف والہام کے ماہرین کمیاب ہیں لیکن عدم وجدان سے عدم وجود لازم نہیں آتا اور اس میں شک نہیں کہ علوم کشفیہ اور الہامیہ بھی خزانہ غیب کے علوم سے ہیں۔ جیسے علوم شرعیہ خزانہ غیب سے ہیں' دونوں میں فرق قطعی اور ظنی کا ہے۔

عدم کشف بڑا حجاب ہے

عدم کشف خالق اور مخلوق کے درمیان بڑا حجاب ہے:

کماقال تعالی: کلاانهم عن ربهم یومئذلمحجوبون .قال الرازی قد ثبت بالدلائل العقلیه ان عذاب الحجاب اشد من عذاب النار ولذلک قال کلا انهم عن ربهم.... الخ ثم انهم لصالوالجحیم. فقدم الحجاب علی الجحیم.ثم انهم کانو محجوبین فی الحال فکان سبب العذاب بکماله الا ان الاشتغال بالدنیا ولذاتها کالعائق عن ادراک ذالک الالم کما ان العضو المخدر اذا مسه النار . فان سبب الالم حاصل فی الحال لکنه لایحصل الشعور بذالک الالم بقیام العائق فاذا زال العائق عظم البلاء فکذاههنا اذا زال البدن عظیم عذاب الحجاب۹۰

''یوں ہرگز نہیں' تحقیق وہ لوگ اپنے رب سے اس دن روک دیے جائیں گے۔''

''امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ عذاب

حجاب عذاب نار سے شدید تر ہے۔اسی واسطے باری تعالےٰ نے فرمایا۔

"کلا انھم الخ"

"پھر وہ کافر دوزخ میں داخل ہوں گے۔"

حجاب کو جہیم سے پہلے بیان فرمایا۔ پھر وہ کافر فی الحال بھی حجاب میں تھے بس سبب عذاب تو بکمالہ موجود ہے مگر کفار کا دنیا میں مشغول ہونا اور اس کی لذات میں غرق ہونا فہم عذاب میں مانع ہے۔ جیسے ایک عضو مخدر رہو تو اسے آگ کے چھونے سے درد کا احساس نہ ہوگا' حالانکہ سبب عذاب درد تو موجود ہے' لیکن عدم شعور بوجہ مخدر ہونے کے ہے' اور جب یہ مانع زائل ہو جائے تو عذاب کی شدت کا احساس بڑھ جائے گا۔ کفار کے معاملہ میں بھی حالت یہی ہے کہ جب بدن روح سے الگ ہو جائے گا تو حجاب کا عذاب شدید تر ہو جائے گا۔"

کشف کے لئے شرائط

ا: کشف والہام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے' جسے اللہ تعالےٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہو کیونکہ قلب سلیم کے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں اور قلب ان کے ذریعے علوم باطنی کا ادراک کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے انسان ظاہری حواس سے ظاہری علوم کا اکتساب کرتا ہے۔

۲: شریعت حقہ کا کامل اتباع۔

گویا کشف والہام کیلیے دو شرائط ہیں' ایک وہبی یعنی قلب سلیم کا ہونا' ایک کسبی' یعنی اتباع شریعت' جس شخص میں یہ دونوں شرائط پائی جائیں گی اسے الہام خیر اور القائے رحمانی سے نوازا جائے گا' جس کا عقیدہ خراب' عمل ناقص اور اخلاص نایاب ہو اسے کیسے اتنی بڑی نعمت کا مستحق قرار دیا جائے گا؟

حدیث نفس اور القائے شیطانی

قال اللہ تعالیٰ "وان الشیطین لیو حون الیٰ اولیا ئھم " اور اس قسم کی متعدد دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی القاء والہام کا سلسلہ برابر چل رہا ہے۔ مگر اس کے لئے بھی ایک خاص معیار اور شرط ہے۔

کما قال تعالیٰ .ھل انبئکم علی من تنزل الشیطین' تنزل علیٰ کل افاک اثیم.

"کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں' ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ القائے شیطانی بھی اس شخص پر ہوتا ہے جو کفر و شرک و بدعت میں کمال پیدا کر لے۔ جوگیوں' پنڈتوں اور دوسرے بے دینوں کے خرافات اسی قبیل سے ہیں۔

کشف والہام کی صحت کا معیار

ا: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کشف کے لئے ایک وہبی چیز یعنی قلب سلیم کا ہونا پہلی شرط ہے' اسی طرح کشف کی صحت کا ایک وہبی معیار وجدان صحیح ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ معدہ انسانی مکھی کا وجود قبول نہیں کرتا' اور جیسے معدہ انسانی مکھی کو باہر پھینک دیتا ہے' اسی طرح قلب سلیم القائے شیطانی سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور اسے رد کر دیتا ہے

۲: ہر کشف والہام کو کتاب وسنت کے سامنے پیش کیا جائے گا اگر وہ وحی قطعی سے متصادم ہے تو مردود ہے اور اگر کتاب وسنت کے مطابق ہے تو صاحب کشف کو یقین

رکھنا چاہیے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔

۳: شریعت نے یہ التزام نہیں کیا کہ ہر امر واقعی کی تفصیل بیان کردے۔ ہاں جس امر کی شریعت نے نفی کر دی وہ منتفی ہے اور جس کا اثبات کر دیا وہ مثبت ہے اور جس امر سے شریعت نے سکوت کیا وہ نفی اور اثبات دونوں کا احتمال رکھتا ہے' پس کشف والہام سے ان دونوں امور میں سے جو چیز ثابت ہوگی' وہ حق ہوگی۔ البتہ وہ کشف والہام مردود ہوگا جو شریعت کے منفی کو مثبت بنادے' یا مثبت شریعت کو منفی قرار دے۔

پس حصول علم کے سلسلے میں کشف صحیح اور الہام والقائے ربانی کا انکار دین کے متواترات کا انکار ہے۔

دلائل کشف قرآن حکیم سے

قال تعالیٰ:

۱: فوجد اعبدامن عبادنا اتینه من لدنا علما (الکهف)

۲: فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا (مریم)

۳: واذ قالت الملئکة یمریم ان الله اصطفاک وطهرک واصطفاک علیٰ نساء العلمین. (ال عمران)

۴: یمریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین. (ال عمران)

۵: اذقالت الملئکه یمریم ان الله یبشرک بکلمته منه. (ال عمران)

۶: واذاوحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی. (المائده)

۷: ولقد اتینا لقمان الحکمة ان اشکر لله (ای قلنا ان اشکرلله)(لقمان)

۸: واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیه.... الخ (القصص)

۹: قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیهم حسنا(الکهف)

۱۰: فلما فصل طالوت بالجنود قال ان الله مبتلیکم بنھر ۔(البقرۃ)

ا: سوانہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے خاص طور کا علم سکھایا تھا۔''

۲: ''پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔''

۳: ''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم (علیھا السلام) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے۔''

۴: ''اے مریم (علیھا السلام) اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔''

۵: ''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک! اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا۔''

۶: ''اور جب میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔''

۷: ''اور ہم نے لقمان کو دانش مندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو یعنی ہم نے کہا کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔''

۸: ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ'' الخ

۹: اور ہم نے یہ کہا اے ذوالقرنین! خواہ سزا دو خواہ ان کے معاملہ میں نرمی کا سلوک اختیار کرو''

۱۰: اور جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے'' (تلک عشرۃ کاملہ)

فائدہ: نصوص قرآنیہ سے علوم کشفیہ اور الہامیہ ثابت ہو گئے یہ بعد کی بات ہے کہ یہ علوم قطعیہ ہوتے ہیں یا ظنیہ، نفس علم الہام و کشف ثابت ہو گیا اس کا منکر نصوص قرآنیہ کا منکر ہوگا۔

سوال:۔ کیا یہ علم غیب نہیں کہ کشف سے کسی کے دل کی بات معلوم کر لی جائے۔

الجواب:۔ اس کو کشف قلوب کہا جاتا ہے اور یہ علم غیب نہیں' کیونکہ علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو' ذاتی ہو اور کسی واسطہ سے حاصل نہ ہو' مگر اولیاء اللہ کا علم ذاتی نہیں بلکہ کشف والہام کے واسطے سے ہوتا ہے' قدیم نہیں حادث ہے' حضوری نہیں حصولی ہے۔ ابن قیم نے کشف والہام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

لیس ھذا من علم الغیب بل علام الغیوب قذف الحق فی قلب قریب مبشرا بنورہ غیر مشغول بنقوش الاباطیل والخیالات والو ساوس التی تمنعہ من حصول صور الحقائق۹۱

''یہ علم غیب نہیں' بلکہ علام الغیوب نے اس قلب میں ڈالا ہے جو نور سے بشارت دیا ہوا ہے اور نقوش باطلہ' خیالات فاسدہ اور وساوس میں مشغول نہیں' یہ وہ چیزیں ہیں جو حصول حقائق میں مانع ہوتی ہیں۔''

فائدہ:۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ علم غیب نہیں اور کشف اللہ کے خاص بندوں کو ہوتا ہے جن کے قلوب صاف اور محبت الٰہی میں غرق ہوتے ہیں' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جوگیوں اور بے دینوں پر حقائق اشیاء منکشف نہیں ہوتے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

فاحسن احوال العبد فی ھذہ الدنیا ان یکون مواظبا علے العبادات وھذہ اول درجات سعادۃ الانسان وھو المراد بقولہ ایاک نعبد۔ فاذا وجب علی ھذہ الدرجتہ مدۃ فعند ھذا یظھرلہ شیئی من انوار عالم الغیب وھوانہ وحدہ لایستقل بالاتیان بھذہ العبادات والطاعات بل مالم یحصل لہ توفیق اللہ تعالےٰ واعانتہ وعصمتہ

فانه لایمکنه الایقان بشیئی من العبادات والطاعات وهذا لمقام هو الدرجته الوسطیٰ فی الکمالات وهو المراد من قوله وایاک نستعین ثم اذا تجاوز عن هذا المقام لاح له ان هدایته لاتحصل الامن الله وانوار المکاشفات والتجلیٰ لاتحصل الابهدایته الله وهو المراد من قوله اهدنا الصراط المستقیم"قال بعضهم انه لما قال اهدنا الصراط المستقیم لم یقتصر علیه بل قال صراط الذین انعمت علیهم وهذا یدل علی ان المرید لا سبیل له الی الوصول الی مقامات الهدایه والمکاشفات الا اذا اقتدی بشیخ یهدیه الی سواء السبیل ویجنبه من مواقع الا غالیط والاضالیل' ۹۲

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پر کھلتا ہے' جن کو شیخ کامل میسر آجائے' طلب صادق اور عزم واستعداد ہو تو اللہ تعالےٰ انہیں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اخبر ان ابصار القلب یحصل بالذکر وانه یتمکن من الذکر بالتقوی۔

"یعنی کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو تقوے کے وصف کے ساتھ ذکر الٰہی پر مواظبت کرے۔

فالتقوی باب الذکر والذکر باب الکشف ۹۳

غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور یقین جم جاتا ہے وہ قیامت کے معاملات جن کی حق تعالےٰ نے خبر دی ہے قلب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ دیکھتا ہے جنت اور

دوزخ کو۔ وہ دیکھتا ہے صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے وہ دیکھتا ہے تمام چیزوں کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں۔" ۹۴

غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایمان کو نہیں بلکہ ایمان کے قوی ہو جانے اور یقین جم جانے کو کشف کا ذریعہ قرار دیا ہے اور بندے پر اللہ تعالےٰ کی خاص عنایت نہ ہو تو ایمان قوی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"آثار ذکر خواہ انوار ہوں یا الہامات و کشف و کرامات وغیرہ خود بخود ظاہر ہوں تو بے شک معین و مددگار ہیں۔" ۹۵

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کشف کو آثار ذکر میں شمار کیا ہے اور ذاکر اللہ کے خاص بندے ہی ہوتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"طریق سلوک کی ابتداہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاء کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں" ۹۶

کشف اور الہام میں فرق

فیض الباری ۱:۱۹

اما الفرق بین الکشف والالھام فکما قال الشیخ المجدد السر ھندی رحمتہ اللہ علیہ ان الکشف اقرب الی ماسموہ اھل المعقول بالحسیات والالھام الی ماسموہ بالوجدانیات ولعل الالھام اقرب

الی الصواب من الکشف فان الکشف رفع الحجاب عن الشئی والالہام القاء المضمون

کشف اور الہام میں فرق ہے۔ جیسا کہ شیخ مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل منطق جسے حسیات کہتے ہیں' کشف اس کے زیادہ قریب ہے۔ اور جسے وجدانیات کہتے ہیں' الہام اس کے زیادہ قریب ہے۔ شاید الہام اقرب الی الصواب ہے بہ مقابلہ کشف کے۔ کیونکہ کشف سے مراد کسی شئے سے حجاب کا اٹھنا ہے اور الہام دل میں کسی مضمون کا القاء ہوتا ہے۔

کشف یا الہام' اعلام من اللہ کی دو مختلف صورتیں ہیں' ان میں سے الہام اقرب الی الصواب ہے۔

حالت برزخی

عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیانی عرصہ کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ اس عالم میں جو حالت پیش آتی ہے اسے حالت برزخی کہتے ہیں اس میں میت پر دونوں جہانوں کے حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر عالم دنیا میں یہ حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ جو عارف باللہ اولیاء اللہ نور نبوت سے اپنے قلوب کو منور کر چکے ہوتے ہیں' ان پر بھی یہ حالت آتی ہے۔ دنیوی زندگی میں ان پر تین حالتیں آتی ہیں' ایک بیداری' دوسری نوم' تیسری حالت ان دونوں کے درمیان۔ یہی حالت برزخی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر جب وحی نازل ہوتی ہے اور انہیں الہام اور انکشاف شروع ہوتا ہے تو ان پر یہی برزخی حالت طاری ہوتی ہے' اور اولیاء اللہ پر بھی بہ نیابت نبوت یہی حالت آتی ہے۔ اس حالت میں انبیاء اور اولیاء من وجہ دنیا سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت استغراق نہ

بیداری ہوتی ہے نہ نوم ۔اس حالت برزخی میں الہام وانکشاف شروع ہوجاتا ہے۔
فیض الباری 1: ۲۶ پر اس کی کچھ تفصیل یوں دی گئی ہے:

یحصل له ﷺ من الکرب عند نزول القران وھی حالته یوخذ فیھا عن حال الدنیا من غیر موت فھو مقام برزخی یحصل له عند نزول الوحی ولما کان برزخ العام ینکشف فیه للمیت کثیر من الاحوال خص الله نبیه ببرزخ فی الحیاۃ یلقی الیه فیه وحیه المشتمل علی کثیر من الاسرار وقد یقع لکثیر من الصلحاء عند الغیبه بالنوم اوغیره اطلاع علیٰ کثیر من الاسرار وذلک معتمد من المقام النبوی ﷺ ویشھد له حدیث رویا المومن من ستته واربعین جزا من النبوۃ

حضور اکرم ﷺ کو نزول قرآن کے وقت ایک حالت پیش آتی تھی جو موت کے بغیر برزخی حالت ہوتی تھی۔ یہ حالت القاء وحی کے وقت ہوتی تھی۔ عالم برزخ میں میت پر برزخی حالات منکشف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں برزخی حالات سے مختص کیا ہے جب ان پر وحی نازل ہوتی' جو بہت سے اسرار پر مشتمل ہوتی تھی۔ اور یہ حالت برزخی جو مابین نوم اور بیداری کے ہے اولیاء اللہ کے لئے بھی ہے۔ اس حالت میں ان پر بہت سے اسرار الہٰی القاء ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے لئے یہ حالت مقام نبوت سے ماخوذ ہے اس پر یہ حدیث گواہ ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اور مشکلات القرآن صفحہ ۲۷۴ پر ہے:

فلذلک الولی اذا اطلعه الله علیٰ غیبه لم یره بنور نفسه وانما یراه بنور متبوعه ای بنور نبیه۔

ولی اللہ کشف میں جو دیکھتا ہے وہ اپنے ذاتی نور سے نہیں دیکھتا ہے' بلکہ اپنے نبی

ﷺ کے نور سے دیکھتا ہے جس کا وہ تابع ہے۔

انبیاء اور اولیاء کو قبل از وجود اشیاء کا انکشاف

فیض الباری 1:۱۸۲

اعلم ان مایرونه الاولیاء من الاشیاء قبل وجودها لها ایضا نحو من الوجود کما ان بایزید البسطامی رحمته الله علیه لما مر من جانب مدرسته وهبت الریح قال انی اجد منها ریح عبد من عباد الله فنشاء منه الشیخ ابو الحسن الخرقانی رحمة الله علیه وکما ان النبی ﷺ قال انی اجد نفس الرحمن من الیمن فنشاء من الاویس القرنی وهذا ایضا نحو من الوجود۔

جان لو کہ اولیاء اللہ جس چیز کو اس کی پیدائش سے پہلے دیکھتے ہیں اس کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے جیسے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے تو ہوا کا جھونکا آیا۔آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں ایک مرد خدا کی خوشبو آ رہی ہے چنانچہ (سو سال بعد) وہاں ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری دیکھتا ہوں۔ چنانچہ وہاں اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔یہ بھی پیدائش سے قبل ایک قسم کے وجود کی دلیل ہے

اسی کتاب کے ۳:۳۳۴ پر ہے۔

وقد ثبت عند الشرع وجودات للشیئی قبل وجودها فی هذا العالم

شریعت کی رو سے ثابت ہے کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں۔

پھر ۳:۳۳۷ پر فرمایا ہے۔

قال ترون ما اری هذا الذی قلت ان للشئی وجوداقبل ظهوره فی هذا لعالم ایضا فالفتن التی راها النبی ﷺ تقطر خلال بیوتهم لم تکن فی زمنه ولکنه راها نحووجودها قبل ظهورها۔

میں نے یہی بات کہی ہے کہ اشیاء کے اس دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے بھی ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں۔ جو فتنے حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے اور حضور ﷺ نے انہیں دیکھا وہ گھروں کے دروازوں کے درمیان ٹھیک ثابت ہوئے اور حضور ﷺ نے ان کے وجود میں آنے سے پہلے کشف سے دیکھ لیا تھا۔ ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔

اور روح المعانی ۱:۲۳۳ پر ہے کہ اولیاء اللہ بقید حیات دنیوی جنت کی سیر کرتے ہیں۔

والذهب الیه سادتنا الصوفیه قدس الله تعالیٰ اسرارهم انها فی الارض عند جبل الیاقوت تحت خط الاستواء ویسمونها جنت البرزخ وهی الان موجودة وان العارفین یدخلونها الیوم بارواحهم لاباجسادهم:

صوفیہ کرام نے فرمایا (وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے رکھا تھا) وہ زمین پر برزخی جنت ہے جو جبل یاقوت کے پاس ہے صوفیا اپنے ارواح کے ساتھ حالت کشف میں اس جنت کی سیر کرتے ہیں' اجسام کے ساتھ نہیں۔

عوام کا نیند کی حالت میں خواب میں مختلف اشیاء دیکھنا ایک عام بات ہے' جو کسی کے لئے بھی حیرت کی بات نہیں۔ یہی صورت اولیاء اللہ کو بیداری کی حالت میں پیش آتی ہے۔ جیسے نیند کی حالت میں انسان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں' حرکات ختم اور خیالات کی جولانی بھی نہیں ہوتی' اسی طرح اولیاء اللہ بیداری کی حالت میں اندھیرے کمرے

میں بیٹھ جاتے ہیں' آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور خیالات کو ہر طرف سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔اس یکسوئی کی حالت میں ان پر حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔

مرقاۃ 1:2 پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الظللمته في المكان اجلى القلوب في الذكر۔

مکان میں تاریکی ذکر کے دوران دلوں کو بہت جلا بخشنے والی ہے

فیض الباری ا:۷ا پر فرمایا:

ان الاولياء يرون في كشوفهم اشياء بعين الباصرة ولاندا ها كذلك والانبياء عليهم الصلوة والسلام يرون المغيبات باعين الباصرة في اليقظه۔

اولیاء اللہ کشف میں دل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے اور انبیاء کرام علیھم السلام غیب کی چیزوں کو دل کی آنکھ سے بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں جن کو عوام نہیں دیکھ سکتے۔

ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت۔نگاہ ظاہر صورت تک پہنچ کر رک جاتی ہے کیونکہ اس کی حد وہی ہے مگر نگاہ باطن یا بصیرت صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جاتی ہے اور نگاہ وہی ہے جو حقیقت کا کھوج لگالے۔

خوب کہا کسی نے ؎

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

علماء ظاہر بین اور حقیقت شناس عارفین میں یہی فرق ہے

جیسا کہ فیض الباری ۱:۱۸ پر فرمایا:

ونظر العلماء احکم ونظر ارباب الحقائق اسبق والطف فھم یمشلون علی مایظھر من ظاھر الشریعہ وھولاء ید اعون ماکشف اللہ سبحانہ علیھم من حقائق الشریعتہ وخبیتہ واسرارھا وفی الحدیث ''لکل آیتہ ظھر وبطن ولکل حد مطلع'' ولکن من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

علماء ظاہر کی نگاہ مضبوط ہے مگر ارباب حقائق صوفیہ کی نگاہ بہت آگے ہے اور بڑی لطیف ہے۔ علماء ظاہر تو ظاہر شریعت پر عمل کرتے ہیں اور اولیاء اللہ ان امور کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ شریعت نے حقائق و رموز میں سے بذریعہ کشف ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ہر آیت قرآنی کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور ہر چیز کی ایک حد ہے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نور بصیرت نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

صورت شے اور حقیقت شے میں جو فرق ہے اس کو سمجھنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ کافی ہے۔

کچھ بر خود غلط قسم کے لوگ علم حقائق اور علم اسرار کو علم غیب کی قبیل سے شمار کرتے ہیں۔ اور علم غیب خاصہ خدا ہے اس لئے کشف کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس کا علمی جواب گزشتہ کسی باب میں دیا جا چکا ہے۔ اصل بات یہ نہیں کہ اعتراض میں کوئی وزن ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کو اپنا رہنما بنا کر ان کے پیچھے چلنے کے عادی ہی نہیں یہ خدا اور رسول ﷺ کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن وحدیث میں سے صرف اسی کو حق سمجھتے ہیں جو ان کے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کے

مطابق ہو۔

فیض الباری ۱:۱۵۱ پر اس مسئلے پر اصولی بحث کی گئی ہے:

اعلم ان هذه الخمس لما كانت من الامور التكوينيه دون الشريعته لم يظهر عليها احدا من الانبياء الابماشاء و جعل مفاتيحه عنده فقال وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الاهو لا نهم بعثو اللتشريع فالمناسب لهم علوم التشريع دون التكوين ثم المراد منه اصولها ولما علم الجزئيات فقد يعطى من الاولياء رحمهم الله تعالىٰ ايضا لان علم الجزئيات ليس بعلم في الحقيقه لكونها محطا للتوصلات والتغيرات محطا

خوب سمجھ لو کہ مغیبات خمسہ کا تعلق امور تکوینی سے ہے تشریعی سے نہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے متعلق کسی نبی کو اطلاع نہیں دی۔ اور اس کی چابیاں اپنے پاس رکھیں اور فرمایا کہ غیب کی چابیاں اس کے پاس ہیں' اس کے بغیر نہیں کوئی جانتا۔ چونکہ انبیاء کرام شریعت کے احکام بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں' اس لئے ان کے منصب کے مناسب شریعت کے علوم ہی ہیں امور تکوینی نہیں۔ پھر علوم خمسہ سے مراد اصول علم ہیں' جزئیات نہیں۔ جزئیات کا علم اللہ تعالےٰ اپنے اولیاء کو بھی دے دیتا ہے' کیونکہ جزوی علم حقیقت میں علم ہی نہیں' کیونکہ وہ قابل تغیر و تبدل ہے۔

اسی حقیقت کو ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے مرقاۃ ۱:۷۹ پر یوں بیان فرمایا

فان قلت قد اخبر الانبياء والاولياء بشيئي كثير من ذلك فكيف الحصر قلت الحصر باعتبار كلياتها عون جزئيا تها۔

اگر تو کہے کہ جب اللہ تعالٰی نے ان مغیبات میں سے بہت سے حصوں کے متعلق انبیاء اور اولیاء کو خبر دے دی ہے تو حصر کیسے ہوا؟ میں کہوں گا کہ کلیات کے اعتبار

سے حصر ہے' جزئیات کے لحاظ سے نہیں۔ یعنی جزئیات میں سے انبیاء اور اولیاء کو اطلاع دیدی جاتی ہے جو مانع حصر نہیں۔

نگاہ کا صورت شے تک پہنچ کر رک جانا بڑا حجاب ہے اور یہ حجاب درحقیقت عذاب ہے' جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۳۱:۵ا پر ومن لم یجعل الله له نورا فماله من نور کے سلسلے میں فرمایا:۔

قالت السادة الصوفيته الحجاب اشد العذاب

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حجاب شدید ترین عذاب ہے۔

اس سلسلے میں ایک سوال توجہ طلب ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام اور اولیاء اللہ کو کشف میں اشیاء قبل از وجود جو دکھائی دیتی ہیں' وہ کونسا وجود ہوتا ہے؟ کیا یہ وجود مثالی ہوتا ہے؟ کچھ لوگوں نے اپنی اٹکل سے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اشیاء کا یہ وجود مثالی ہوتا ہے۔ مگر یہ رائے محض بے بنیاد ہے کیونکہ۔

ا: مثال اس چیز کی ہوتی ہے جس کا موجود اصلی پہلے موجود ہو۔ جب ممثل لہ کا وجود ہی نہیں تو مثال کس کی ہوگی؟

۲: انسانوں میں وجود مثالی سے تماثل نوعی مراد ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نوع انسانی کے فرد ہیں' اس لئے وجود مثالی کو کون کہہ سکتا ہے کہ اسی انسان کا فرد ہے۔ جب مثال شے دیدنی ہے نہ بودنی' جیسا کہ۔ خواب میں دکھائی دینے والی چیز کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہوتا' بلکہ اس کا وجود صرف دیکھنے کی حد تک ہے۔ پھر معدوم ہو جاتا ہے۔

کشف میں جو وجود نظر آتا ہے وہ اس طرح کا ہے جیسے کسی مقرر کے ذہن میں تین چار گھنٹے کی تقریر کا وجود موجود ہوتا ہے۔ پھر اسی تقریر کو زبان پر لاتا ہے' یعنی جس تقریر کا وجود علمی تقدیری اس کے ذہن میں موجود تھا' اسی وجود کو زبان پر لا کر بیان کیا۔ اگر

مقرر کے ذہن میں تقریر کا وجود مثالی مانا جائے تو علم بھی وجود مثالی کا ہوگا' اور تقریر بھی وجود مثالی کی ہوگی کیونکہ جب اصل وجود کا علم ہی نہ تھا تو اس کا بیان کیونکر ہوگا۔

اسی طرح مستری کے ذہن میں مکان کا جو نقشہ ہوتا ہے' وہی مادی طور پر اینٹ پتھر سے مل کر خارج میں ظاہر ہوا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ذہن میں وجود مثالی کا نقشہ تھا اور مکان مثالی ہی تیار ہوا۔ مختصر یہ کہ جو وجود ذہن میں ہوتا ہے اس پر خارج میں ثمرات' اثرات اور احکام کی بنا ہوتی ہے۔

اسی طرح تمام اشیاء کا وجود علمی تقدیری عنداللہ حاضر ہے' وہ اپنے قدیم ازلی علم سے ان کو جانتا ہے' وہی وجود اپنے وقت پر خارج میں مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

فان الوجود الخارجی هو مایکون مبدء الاثار مظهر الاحکام وعلیه ترتیب الثمرات ما کان للوجود الذهنی'

پس وجود خارجی آثار کا مبداء ہے اور احکام کا ظاہر کرنے والا ہے' اور اسی پر وجود ذہنی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کا وجود اس کی پیدائش سے پہلے عالم تقدیر میں موجود ہوتا ہے' جس کو وجود علمی و تقدیری کہا جاتا ہے۔ جس نے دنیا میں آنا ہے اسی وجود پر اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو مطلع فرماتے ہیں یعنی ان کے جزوی واقعات کے متعلق اطلاع من اللہ ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اطلاع دے دی تو غیب نہ رہا۔

علم غیب کی تعریف یہ ہے " لایعرف بالحواس الظاهرة ولا بیداهته العقل "

اس لئے جس کو ظاہری آنکھیں دیکھ لیں یا عقل کی روشنی سے معلوم ہو سکے وہ غیب کی تعریف میں نہیں آتا۔ غیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم اس کا ذاتی ہو' کسی واسطہ یا ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حادث نہ ہو اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو۔ جو علم ذاتی نہ ہو۔ وحی، کشف یا الہام کے واسطہ سے حاصل ہو یا خواب کے ذریعہ سے حاصل ہوا سے علم غیب کہنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اور جنہیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

کشف اور الہام از قبیل وحی انبیاء ہیں

قال ابن حجر ـ وهو المقام الذى اشار اليه هو الالهام وهو من جملته اقسام وحي الانبياء ۹۷

''اور مقام مشار الیہ الہام ہے اور وحی انبیاء کی قسموں میں سے ہے''

کشف اور خواب میں فرق

ان المنام يرجع الى قواعد مقررة وله تاويلات مختلفه ويقع لكل احد بخلاف الالهام فانه لا يقع الاالخواص ۹۸

''خوابوں کے لئے ایک قانون تعبیر مقرر ہے اور ان کی مختلف تعبیرات ہوتی ہیں اور خواب ہر شخص دیکھتا ہے اس کے برعکس الہام خواص سے مختص ہے''

کشف والہام بدکاروں کا حصہ نہیں

وقوله ﷺ قد كان في امم محدثون. فثبت بهذا ان الالهام حق وانه وحي باطن وانما حرمه العاصي لا ستهيلاء وحي الشيطان عليه ۹۹

''(حضور ﷺ نے فاروق اعظمؓ کو محدث فرمایا) اور فرمایا کہ امم سابقہ میں بھی محدث ہوئے ہیں۔ اس سے الہام کا وحی باطنی اور حق ہونا ثابت ہوا۔ اور بدکاروں کو اس سے محروم رکھا گیا ہے کیونکہ ان پر وحی شیطانی کا غلبہ ہوتا ہے۔''

الہام کا انکار مردود ہے۔

قال ابن السمعانی ان انکار الالہام مردود و یجوز ان یفعل اللہ تعالیٰ بعبدہ مایکرمہ بہ

''ابن سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الہام کا انکار مردود ہے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بوجہ الہام مکرم بنادے۔

کشف والہام خاص اہل اللہ کا حصہ ہے

ونحن لا تنکر ان اللہ تعالیٰ یکرم عبدہ بزیادۃ نور فیہ یزداد بہ نظرہ ویقوی بہ رائیہ وانما ھو نور یختص بہ اللہ لمن یشاء من عبادہ

''اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مکرم بنائے' اس کے نور قلبی میں اضافہ کر کے اس کی قلبی نظر کو قوی بنادے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خصوصی طور پر عطا فرما دے۔''

کشف میں انقلابی اثر ہے

والقی السحرۃ ساجدین الخ فمارفعوا رئوسھم حتے راوالجنتہ والنار وثواب اھلھا الخ

''ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ساحرین فرعون جو حضرت موسیٰ کے مقابل تھے انہوں نے سجدہ سے اس وقت سر اٹھایا جب جنت دوزخ اور عذاب و ثواب دیکھ لیا۔

فائدہ: یہ ہے کشف کا انقلابی اثر۔ ساحرین فرعون نے درباری قرب کو چھوڑا۔ انعام

سے دست بردار ہوئے۔ موت کو بخوشی اختیار کرنے کا اعلان کر دیا کیونکہ کشف سے حقیقت واضح ہو چکی تھی' اس لئے زندگی کا رخ ہی بدل گیا۔

حقیقی ایمان بھی ایمان شہودی ہے

عن حارث بن مالک الانصاری انه مر برسول الله ﷺ فقال له کیف اصبحت یا حارث قال اصبحت مومنا حقا قال انظر ماتقول فان لکل شئی حقیقه فما حقیقه ایمانک فقال عزمت نفسی عن الدنیا فاسهرت لیلی واظمات نهاری و کانی انظر الی عرش ربی بارزا و کانی انظر الی اهل الجنه یتزاورون فیها. و کانی انظر الی اهل النار یتضاغون فیها فقال یا حارث عرفت فالزم ثلاثته(۱۰۰)

''حارثؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے حارثؓ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حقیقی مومن ہوں۔ فرمایا سوچو تو سہی کیا کہہ رہے ہو ہر شے کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حارث نے کہا کہ میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے مکاسب دنیا میں مخلوق پر نگاہ نہیں۔ رات کو رب کو یاد کرتا ہوں۔ دن کو روزہ رکھتا ہوں۔ کشف کی حالت یہ ہے گویا کہ عرش الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا ہوں' اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں' اور اہل دوزخ کو چیختا ہوا دیکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے حارثؓ تو نے ٹھیک پہچانا پس اسے لازم پکڑ (تین بار فرمایا)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں اور ہر قسم کی کچھ تفصیل بھی فرمادی ہے۔

الاول: القول المحض قشر القشر وهو ایمان المنافقین والعیاذ بالله.

الثانی: التصدیق بمعنی الکلمته وهو ایمان عموم المسلمین۔

الثالث: ان یشاهد ذلک بطریق الکشف وهو مقام المقربین وذلک بان یری اسبابا کثیرۃ ولکن مع کثرتها صدرت من الواحد القهار۔

والرابع: ان لایری الاواحدا وهو مشاهدۃ الصدیقین المرشد الامین ۔صفحہ۲۲۷

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مقربین اور صدیقین کا ایمان ہی اصل اور کامل ایمان ہے، اور وہ شہودی ہے۔

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۸ فرماتے ہیں:

''ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں عوام نے سماع اور استدلال کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کیا اور اخص نے جمال و جلال کے ظلال وتجلیات وظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور متوسط ظلال کو اصل خیال کر کے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے۔''

اور تفسیر عزیزی پارہ الم صفحہ ۲۶ پر ہے۔

''ایمان کی دو قسمیں ہیں، اول ایمان تقلیدی، دوسرے ایمان تحقیقی۔ اور تحقیقی بھی دو قسم ہے، استدلالی اور کشفی اور ہر ایک ان دو قسموں سے یا نہایت رکھے اور اس حد سے تجاوز نہ کرے یا نہایت نہ رکھے۔ اور جو کہ نہایت رکھے اس کو علم الیقین کہتے ہیں، اور جو کہ انجام نہ رکھے، وہ بھی دو قسم ہے یا مشاہدہ ہے کہ اس کا نام عین الیقین ہے اور یا مشہود ذاتی ہے کہ نام اس کا حق الیقین ہے۔''

اصل ایمان اطمینان قلب ہے

فالطمانیه اصل اصول الایمان التی قام علیها بنائو ثم یطمئن الی خبره عمابعد الموت من امور البرزخ ومابعد ها من احوال القیامته حتی کانه یشاهد ذالک کله عیانا وهذا حقیقه الیقین۔ الی ان قال فهذا هوالمومن حقابالیوم الاخرة کمافی حدیث حارثہؓ اصحبت مئومنا حقا فقال رسول الله ﷺ ان لکل حق حقیقته فما حقیقته ایمانک قال عزمت نفسی عن الدنیا واهلها وکانی انظر الی عرش ربی بارزاوالی اهل الجنه یتزاوروون فیها واهل النار لیعذبون فیها فقال عبدنور الله قلبه۱۰۱

''پس اطمینان قلبی اصل ایمان کی جڑ ہے جس پر ایمان قائم ہے' پھر اس کے بعد اس خبر کی طرف مطمئن ہوتا' جو احکام برزخ اور اس کے بعد احوال قیامت سے متعلق ہے' یہاں تک کہ مومن یہ ساری چیزیں ظاہر مشاہدہ کر رہا ہو۔ پھر فرمایا یہی شخص یوم آخرت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے جیسا حدیث حارث میں ہے کہ میں حقیقی مومن ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا' ہر حق کی حقیت ہوتی ہے' تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کیا میں نے دنیا اور اہل دنیا سے منہ پھیر لیا ہے گویا کہ عرش الٰہی ظاہر دیکھتا ہوں۔ اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے کی ملاقات کو جا رہے ہیں اور اہل دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالےٰ نے منور کر دیا ہے''

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان اطمینان قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے' اور اطمینان قلب ذکر الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ الابذکر الله تطمئن القلوب۔

اور حقیقت ایمان یہ ہے کہ مومن کا قلب اس قدر منور ہو جائے اس کی روشنی میں عرش باری تعالےٰ جہاں سے امر نازل ہوتا ہے نظر آجائے' امور برزخ' اور جنت و دوزخ نظر آجائیں' اسی کا نام کشف ہے' اور یہی حقیقت ایمان کی دلیل ہے۔

سوال: جب دیگر صحابہ کرامؓ سے ایسے واقعات منقول نہیں تو کیا ان پر اعتراض وارد ہوگا۔

الجواب: ہر صحابیؓ سے عدم نقل اور چیز ہے اور عدم کشف اور چیز ہے۔ عدم نقل سے عدم وجود کہاں ثابت ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے انکشاف فرداً فرداً اتنے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ ذخیرہ احادیث ان سے بھرا پڑا ہے۔ چند مثالیں جو ہم نقل کر چکے ہیں ان سے استیعاب مقصود نہیں۔ بلکہ یہ تو نمونہ از خروارے ہیں' گزشتہ باب کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف و الہام وحی باطنی ہے اور کمالات نبوتؐ سے ہے' اور نائب و خلیفہ نبوت ہے' انقطاع نبوت اور انقطاع وحی شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے' یہ باطنی دولت انبیاء کا حصہ ہے جو بطور وراثت انبیاء کی حقیقی اولاد یعنی متبعین کو ملتی ہے' اور یہ کشف والہام بدکاروں کو نہیں حاصل ہوتا' بلکہ خواص کو ہوتا ہے' جن کے دل حقیقت ایمان سے منور ہو چکے ہیں۔

یہ بحث قدرے طویل ہو گئی ہے' دراصل بات یہ ہے کہ جب ہمارے بعض نئے رفقائے حلقہ سے کشف قبور کے متعلق اظہار ہوتا ہے تو بات ذرا آگے چلتی ہے۔ نور بصیرت سے محروم مولوی نما لوگ جب سنتے ہیں تو چیں بہ جبیں ہوتے ہیں اور جھوٹے مدعیان ولایت وخلافت وسجادگی جو اعلیٰ حضرت خلیفہ مجاز' پیر طریقت' راز دان شریعت' قطب الاقطاب اور نہ جانے کیا کیا بنے بیٹھے ہیں۔ جب یہ باتیں سنتے ہیں تو دل ہی دل میں اپنی تہی دامنی پر نادم ہوتے ہیں' مگر اپنا جھوٹا وقار قائم رکھنے کے لئے بھانت

بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ نسلاً بعد نسل یہ کمالات تو ہمارے نام رجسٹری ہوچکے ہیں، مگر رحمت الٰہی کو ایک خاص خاندان میں محدود کردینے کی آخر کوئی دلیل؟ کوئی کہتا ہے کہ میاں کشف والہام کوئی چیز نہیں اصل چیز تو رضائے الٰہی کا حصول ہے، درست! مگر شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ کشف والہام رضائے الٰہی کا ثمرہ ہی تو ہیں۔ جن پر اللہ ناراض ہو، بھلا انہیں یہ انعام کیونکر عطا فرمائے گا۔ کوئی حسد کی آگ ذرا علمی رنگ میں اگلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کشف ظنی چیز ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں، بجا، مگر یہ بھی تو فرمایئے کہ کیا کتب فقہ میں مذکور تمام مسائل قطعیہ ہی ہیں، کیا ذخیرہ احادیث کی تمام حدیثیں متواتر اور قطعی ہیں کیا وتر، سنت، نفل کی تعین نصوص قطعیہ سے ثابت ہے؟ اگر محض ظنی ہونے کے احتمال پر کشف کی کوئی اہمیت نہیں تو فقہ اسلامی سے کیا سلوک کریں گے؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے، اس کا جواب دیا جاچکا ہے کہ دین نقل ہے اور نقل خبر ہے اور خبر میں احتمال صدق و کزب دونوں کا ہے۔ تو پھر کیا اس احتمال پر پورے دین کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے کہ کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں، اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے، مختصر یہ ہے کہ اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ کشف تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے، یہ محض فریب ہے، جس گروہ کے لئے اللہ تعالےٰ کا فیصلہ یہ ہو کہ **لاتفتح لهم ابواب السماء** اسے کشف ہوسکتا ہے؟ وہ جنت دوزخ دیکھ سکتا ہے، ملائکہ اور انبیاء کے ارواح سے ملاقات کرسکتا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کافر کو کشف ہو جائے تو لازماً اپنے پیشواؤں اور آباء واجداد کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ لے گا تو کیا پھر بھی کفر پر قائم رہ سکتا ہے، اور اہل ایمان کو جنت میں دیکھ کر کفر پر ہی اڑا رہے گا؟ کافر کا عقیدہ

ظلمت، عمل ظلمت، قول میں ظلمت قلب میں ظلمت' کیا اندھیرے میں چیزیں نظر آتی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ کافر کے لئے کشف نہیں۔ القاء ہے تو شیطانی' اور اگر کوئی فرشتہ نظر آیا جیسا بدر میں ہوا تو وہ عذاب کے لئے ہے' انعام باری تعالےٰ نہیں۔

بعض ظاہر بین جو اس سلسلے میں دھوکہ کھا جاتے ہیں ہم انہیں حقیقت سے روشناس کرائے دیتے ہیں کہ کافر مسلسل مجاہدہ سے بھوکا پیاسا رہ کر بدن کو کمزور کر لیتا ہے اور بدن میں خون اور چربی کم ہو جاتی ہے تو اسے ایک طرح کی یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور قلب پر بعض مادی چیزوں کا عکس پڑتا ہے۔ یہ ہے کافر کے کشف کی حقیقت۔ اسے حقائق اشیاء' برزخ کے حالات' جنت' دوزخ اور عرش و کرسی کہاں نظر آئیں' کیونکہ **وانما هو نور يختص به الله لمن يشاء من عباده۔**

سب سے پہلے کشف کی حقیقت معلوم کر لینی چاہئے:

الكشف عند الصوفيه هو انكشاف حقائق الالهيه للصوفي بعد اتخاده طرق مخصوصته للوصول الى ذلك' واهل الكشف عندهم الذين وصلوا الى امقام سام فى الصوفيه فيشاهدون حقيقته العالم الروحانى من غير نظر عقلى بل بنور يقذفه الله فى قلوبهم۔

(المنجد)

صوفیوں کی اصطلاح میں کشف کی حقیقت یہ ہے اگر کافر کو کشف ہوتا تو ماننا پڑے گا کہ کافر واصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی کافر کے دل میں وہ نور ڈال دیتا ہے کہ اسے حقائق الٰہیہ کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم باب جنود القلب میں فرمایا

والکشف مفتاح الفوز الاکبر جب کافر کو کشف اصطلاحی ہو جاتا ہے تو گویا اس کے ہاتھ میں فوز اکبر کی مفتاح آ گئی۔ کیا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

کافر کے کشف کی حقیقت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

''کثرت جوع البتہ شفا بخش است و صفائی قلب می بخشد و جمع دیگر را صفائے نفس صفائی قلب ہدایت افزا و نور بخش است و صفائی نفس ضلالت نما ست و ظلمت افزا فلاسفہ یونان و براہمہ ریاضت گرسنگی صفائی نفس بخشیدہ بضلالت و خسارت دلالت نمودہ۔ افلاطون بے خرد اعتماد بر صفائی نفس خود نمودہ صورۃ کشفیہ خیالیہ خود را مقتدائے خود ساختہ عجب در زید۔۔۔۔ نداست کہ ایں صفا از پوست رقیقہ امارہ او نگزشتہ است و امارہ او بہماں خبث و نجاست خود است بیش ازیں نیست کہ نجاست مغلظہ را بشکر غلاف رقیق نمائند''(مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۳۱۳)

معلوم ہوا کہ کافر اگر ریاضت کرے تو اس کو صفائے نفس حاصل ہو سکتی ہے' مگر کشف عند الصوفیہ کا تعلق صفائی قلب سے ہے اور کافر کو صفائی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر کشف کیونکر ہو۔

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یاد رکھئے۔ علم اور چیز ہے' تربیت اور چیز ہے' امراض روحانی کا فقط ایک علاج ہے' اور وہ اللہ والوں کی صحبت ہے' ان کی صحبت میں' اللہ کے پاک نام کی برکت سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ میں کیا عرض کروں' ان کے جوتوں کی خاک کے ذروں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے' بشرطیکہ عقیدت' ادب اور اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ان میں سے ایک موتی حلال و حرام کی تمیز۔ دوسرا موتی ہے کشف قبور۔۔۔۔ جو سر پھرے نوجوان ان باتوں کو نہیں مانتے ان سے کہا کرتا ہوں کہ چودہ سال کا خرچ میرے پاس جمع

کرا دو تو میں تمہیں ایسے اللہ والوں کی صحبت میں جا بٹھاؤں گا جو تمہاری تربیت
کریں گے' پھر ایک مٹ میں تم بتا سکو گے کہ قبر

هذا المقبور روضته من رياض الجنه وقبر هذا لمقبور حضرة من
حضرة النيران" (مجالس ذکر حصہ اول صفحہ ۲۲۱۷۰)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف قبور کو جو کشف اصطلاحی کی ایک فرد ہے' ایک موتی قرار دیا ہے' جو اللہ والوں کی صحبت میں اللہ کے پاک نام کے ذکر کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور کہیں نہیں ملتا۔ اور ظاہر ہے کہ کافر ان دونوں شرائط سے محروم ہے۔ پھر اسے کشف کیونکر ہو؟

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تو کشف قبور کو ہی کمال سمجھتے ہیں جو بڑی مدت کے بعد اللہ تعالےٰ کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے' بلکہ آپ تو سکھانے کی دعوت بھی دیتے ہیں فرماتے ہیں۔

"سنو! ہوش کرو' مجھے اللہ تعالےٰ نے باطن کی آنکھیں دی ہیں اور مجھے علم ہے کہ جو نوجوان علمائے کرام کو گالیاں دیتے مر گئے ہیں ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنی ہوئی ہیں۔ اگر تم کو یقین نہیں آتا تو آؤ' میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ' میں نے یہ فن چالیس سال میں سیکھا ہے۔ تمہیں چار سال میں سکھا دوں گا۔ (خدام الدین ۲۲_۲_۶۳)

حضرت کے اس اعلان میں بیک وقت کئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اپنے کمال کا دعوے بھی ہے اور دوسروں کو کامل بنانے کا اعلان بھی ہے۔ جن دو موتیوں کا مندرجہ بالا بیان میں ذکر ہوا ہے' ان میں سے ایک موتی یعنی کشف قبور کے لئے چالیس سال صرف کرنے کا بیان بھی ہے۔ اور چار سال میں سکھانے کا دعویٰ بھی ہے اور یقین پیدا کرنے کے لئے کشف قبور کو ذریعہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ حضرت

لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت جس چیز کو ۴۰ سال کی محنت کے بعد حاصل کرے وہ کافر کو کفر کی حالت میں رہ کر محض تپسیا سے حاصل ہو جائے۔

کشف قبور کے متعلق بوجوہ ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ یہ کشف کونی ہے اس کے متعلق بنیادی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کشف قبور میں مٹی کے گڑھے کا کشف نہیں ہوتا' بلکہ مقبور کی حالت کا کشف ہوتا ہے' جیسا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس گزر چکا ہے کہ صاحب کشف کو معلوم ہو جائیگا کہ مقبور روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے یا حضر من حضر النیران میں ہے یعنی کشف قبور میں اہل ایمان اور اولیاء اللہ کے درجات اور منازل کا انکشاف ہوتا ہے۔

عالم کون عالم موجودات ظاہریہ پر بولا جاتا ہے۔ جس کو قرآن نے عالم ظاہر' عالم محسوسات اور عالم شہادت بھی بیان کیا ہے اور عالم شہادت عالم غیب کے مقابلے میں ہے۔ پس جس کشف کا تعلق عالم غیب سے ہو' اسے کشف کونی کہنا کہاں درست ہے۔ کشف کونی یہ ہے کہ عالم کون کی موجود اور ظاہر چیزیں جو نظر سے اوجھل ہیں' زمین پر ہیں ان کی حالت منکشف ہو جائے۔ کیونکہ انہی چیزوں کا تعلق عالم شہادت سے ہے۔ ویعبرون من عالم الشهادة بالارض (عبقات)

یعنی عالم شہادت کو زمین سے تعبیر کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کشف کونی میں عالم کون کی اشیاء کی صورتیں منکشف ہوتی ہیں' جن کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں۔ اور عالم غیب کی اشیاء پر ایمان لانا فرض ہے' مثلاً ثواب و عذاب قبر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ عالم غیب سے ہے' عالم کون سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اور ثواب و عذاب قبر کا انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ علامہ انور شاہ کاشمیری

رحمۃ اللہ علیہ نے عرف شذی ۳۸۹ پر فرمایا:

عذاب القبر ثبت متواتر البقدر المشترک وقال به اهل السنه والجماعته قاطبته و منکر المتواتر هذالارب فیه تبدیعه و منکر التواتر بالقدر المشترک کافر ان کان التواتر بدیهیا وفاسق مبدع ان کان نظریا۔

ترجمہ:عذاب وثواب قبر مشترک وتواتر سے ثابت ہے اور اس پر تمام اہل سنت الجماعت کا اجماع ہے اور اس تواتر کے منکر کے بدعتی ہونے میں تو ذرہ شک نہیں اور منکر تواتر قدر مشترک کافر ہے اگر تواتر بدیہی ہے اور بدعتی ہے اور بدتر فاسق ہے اگر تواتر نظری ہے اور عذاب وثواب قبر کا ثبوت جس تواتر سے ہے وہ بدیہی ہے۔پس ثابت ہوا کہ عذاب وثواب قبر عالم آخرت کی چیزیں ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے اور عالم کون کے پہاڑ درخت انسان حیوان وغیرہ کی صورتوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

یومنون بالغیب کی تفسیر میں صاحب مظہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔۱:۱۹

فالمراد به ماغاب من ابصارهم من ذات الله تعالیٰ و صفاته والملائکته والبعث والجنته والنار والصرابط والمیزان و عذاب القبر و غیره۔

اسی طرح تفسیر قرطبی ۱:۱۲۳ پر ہے:

کل ماخبربه رسول علیه الصلوة والسلام مما لا تهتذی الیه لعقول من اشراط الساعته وعب القبر والحشر والنشر والصراط ولمیزان والجنته والنار

غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہے جن تک عقل کی

رسائی نہیں ہوسکتی جیسا اشراط قیامت عذاب قبر۔ حشر نشر پل صراط۔ میزان۔ جنت دوزخ۔

اور تفسیر خازن اور معالم میں ہے:

والغیب ما کان مضیبا عن الصیون قال ابن عباس الغیب ھھنا کل ماامرت بالایمنا به فیما غاب عن بصرک من الملائکه والبعث والجنه والنار والصراط ولمیزان.

غیب وہ چیزیں ہیں جنہیں آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ تمہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے جو باصرہ کی دسترس سے باہر ہے جیسے فرشتے' قیامت۔ جنت دوزخ۔ پل صراط اور میزان۔

غوث زماں سید عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لیکن انہیں (کفار) کو قبر النبی ﷺ اور وہ نور جو وہاں سے پھیل کر قبر برزخ تک جا پہنچتا ہے' یا مثلاً اولیائے عارفین کی ذات مبارکہ' یا ارواح مومنین جو کہ ان ہائے قبور میں ہیں' نہ ہی کسی فرشتہ کو دیکھ سکیں گے' اور نہ ہی جنت' قلم لوح اور نہ ان انوار کا مشاہدہ کر سکیں گے۔۔۔۔۔۔ الخ (الابریز اردو صفحہ ۵۵۹)

ثابت ہوگیا کہ ثواب وعذاب قبر کا تعلق عالم کون سے نہیں' امور آخرت سے ہے اس لئے کشف قبور کشف کونی نہیں بلکہ کشف الٰہی میں داخل ہے۔

کشف قبور کو کشف کونی کہنے والوں نے بلاشبہ ٹھوکر کھائی' مگر کشف قبور کو علم غیب سے متعلق تسلیم کرنے والوں نے تو کمال ہی کر دیا اس قسم کے بعض پڑھے لکھے جہلا کہتے ہیں کہ ''کشف قبور علوم غیب سے ہے اور جو شخص کشف قبور کا دعویٰ کرے وہ مشرک

ہے۔"

سبحان اللہ! کیا اجتہاد ہے' ان جہلا کو نہ اس بات کا علم ہے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں' نہ انہیں کرامت اولیاء اور خرق عادت سے واقفیت ہے' حالانکہ محض نام کا عالم بھی اتنا جانتا ہے کہ علم غیب جس کا دعوے کفر ہے' وہ ہے' جس پر کسی قسم کی دلیل قائم نہ ہو جو مخصوص باری تعالےٰ ہے اور کشف تو ایک دلیل ہے اور اعلام من اللہ میں داخل ہے۔ اس پر علم غیب کا اطلاق کرنا نری جہالت ہے۔ ان حضرت کے دماغ میں علم کی جو آندھیاں چلتی ہیں تو عقائد و نظریات میں توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔

مثلاً جواہر القرآن ۱:۱۹ پر:

"امر دوم۔ ذات باری تعالےٰ۔ فرشتے۔ کتب سماوی۔ انبیاء متقدمین علیہم الصلوۃ والسلام احوال برزخ وعلامت قیامت حشر نشر پل صراط۔ میزان۔ جنت دوزخ۔ ثواب وعذاب قبر یہ تمام احکام عالم غیب کے ہیں' اور عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں' مثلاً عذاب قبر حشر نشر وغیرہ ان کا انکار کفر ہے"۔

"یعنی مفسر" صاحب اقرار کرتے ہیں کہ عذاب قبر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔ اب ملاحظہ ہو جواہر القرآن ۲:۹۰۵۔۹۰۹

"عذاب قبر نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو ہوتا ہے۔"

پھر سوال یہ ہے کہ کس کو ہوتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ عذاب قبر کا انکار فرما رہے ہیں' اور صاحب جواہر القرآن عذاب قبر کے منکر کو کافر قرار دے چکے ہیں۔

یعنی صاحب جواہر القرآن جلد اول نے صاحب جواہر القرآن جلد دوم کو کافر قرار دے دیا۔

جلد دوم والے صاحب جواہر القرآن کا عقیدہ وہی ہے جو معتزلہ میں سے بھی صرف دو

آدمیوں کا عقیدہ تھا۔

ولم ینکر احد منھم (من المعتزلہ)

الاضرار بن عمر وبشر المریسی۔

(عرف شذی ۳۸۹)

محاکمہ مابین علمائے ظواہر وعلمائے باطن از روئے کتاب اللہ

علمائے ظواہر کشف والہام کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں اور صوفیہ کرام اس کی مخالفت کو حرام سمجھتے ہیں بشرطیکہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کشف والہام جو اپنے مافوق کے مخالف نہیں اس پر عمل نہ کرنے سے گو دینی عقاب و طرد تو لاحق نہ ہوگا کہ موجب جزا و عذاب ہو مگر دنیوی اور بدنی تکلیفوں کا یقیناً موجب ہوگا۔ لہذا جسمانی اور دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لئے کشف والہام پر عمل ضروری ہوا۔ اس قانون کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

اس تقریر سے کشف والہام کا موجب علم ہونا ثابت ہوا پس علمائے ظواہر کے قول کے مطابق نا قابل التفات قرار دینا غلط ٹھہرا۔ پھر یہ ثابت ہوا کہ موجب وجوب نہیں پس صوفیہ کرام کا موجب وجوب قرار دینا درست نہ ہوا پس حق دونوں کے بین بین ہے یعنی موجب علم ہے۔ قابل عمل ہے مگر موجب وجوب نہیں۔

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

قال تعالیٰ فوسوس لھما الشیطن وقولہ تعالیٰ فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سواتھما۔

۱: اس سے عصمت اور تصرف یعنی وسوسہ شیطان کا اجتماع ہونا معلوم ہوا کہ وسوسہ

شیطانی فی نفسہ گناہ نہیں' نہ منافی کمالات ہے' جب تک موصل الی المعصیت نہ ہو جائے۔

۲: حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا علیہ السلام کو خطاب جو اکل شجرہ سے پہلے ہوا وہ الہامی خطاب تھا نہ کہ وحی شرعی جیسا و لاتقربا ھذہ الشجرۃ اور ناداھما ربھما میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں کو خطاب تھا اور حضرت حوا کو بلا واسطہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہوتا تھا۔

لانہ ماکان مع ادم فی الجنتہ من البشر الاحوا وان الخطاب کان یا تیھامن غیر واسطتہ ادم بدلیل قولہ تعالیٰ ولاتقربا ھذہ الشجرۃ (اربعین فی اصول دین ۳۳۹)

''کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ہمراہ جنت میں کوئی انسان سوائے حضرت حوا علیہا السلام کے موجود نہ تھا' اور حضرت حوا علیہا السلام کو جو خطاب خدا کی طرف سے ہوتا بغیر واسطہ حضرت آدم علیہا السلام کے ہوتا' جیسا آیت ولاتقربا سے ظاہر ہے''۔

۳: اس الہام پر عمل نہ کرنے سے حضرت آدم علیہا السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو جسمانی اور دنیوی مصائب پیش آئے' نہ کہ دینی عقاب' اگرچہ قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ''عصی آدم'' فرمایا ہے' مگر یہ معصیت لغوی ہے۔ معصیت شرعی قرآن سے ثابت نہیں' قرآن نے ''بدت لھما سواتھما'' ہی جرم بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ جرم نہیں' کیونکہ زوجین کے بدنوں کا ایک دوسرے کے سامنے کھل جانا شرعی جرم نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ الہام موجب علم ہے قابل عمل ہے' اس پر عمل نہ کرنے سے بدنی اور

دنیوی تکلیف ہوئی دینی عقاب لاحق نہ ہوا یعنی موجب وجوب نہیں۔

اس طرح حضرت مریم علیہا السلام کو پانچ طرح کا الہامی خطاب ہوا:۔

۱: وکفلھا زکریا: تا: قال یمریم انی لک ھذا یہ خطاب تربیت جسمانی کے لئے ہے۔

۲: واذقالت الملائکۃ: تا: واصطفک علی نساء العلمین: یہ خطاب تربیت روحانی کے لئے ہے۔

۳: یمریم اقنتی لربک: وارکعی مع الرکعین: یہ خطاب تکلیف شرعی کا ہے۔

۴: اذقالت الملائکۃ تا ومن المقربین۔ اس خطاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے۔

۵: فنادھا من تحتھا: فلم اکلم الیوم انسیا.

یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد تسلی کے لئے ہے ان میں چار خطاب ملائکہ کی طرف سے ہیں جو مامور من اللہ تھے۔

فوائد: ۱: ملائکہ کا انسان سے کلام کرنا ثابت ہوا۔

۲: حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ بیان کر کے بتایا کہ انبیاء علیہم السلام کے متبعین کو یہ کمالات بطور میراث ملتے ہیں تم بھی نبی کریم ﷺ کے متبع بن جائے۔ تمہیں یہ کمالات پہلے انبیاء علیہم السلام کے متبعن سے بڑھ کر ملیں گے۔

۳: جو اللہ کا ہو رہے اللہ اس کا ہو رہتا ہے الیس اللہ بکاف عبدہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیروں سے بچایا۔ غیبی رزق دیا عزت بچائی۔ تم بھی اس کے ہو رہو سب کچھ ملے گا ویرزقہ من حیث لا یحتسب سے مزید تاکید فرما دی۔

۴: بتایا کہ میں اپنے بندوں کی امداد کے لئے بڑی بڑی ہستیوں کو مقرر کرتا ہوں۔ دیکھا

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت ایک نبی علیہ السلام کو سونپی اور ملائکہ میں سے
حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مقرر کیا۔

۵: جبریل علیہ السلام ولی اللہ کے پاس آسکتے ہیں' صرف وحی شرعی اور وحی احکامی کا
سلسلہ ختم ہوا' کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

۶: حضرت مریم علیہا السلام کو کشف والہام کے ذریعے ہدایات دی گئیں۔

۷: حضرت مریم علیہا السلام نے ان ہدایات پر عمل کیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ کشف والہام موجب علم بھی ہے اور قابل عمل بھی۔ اولیاء اللہ کی
شان میں جو احادیث متعلقہ باب میں بیان کی گئی ہیں' اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ
انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن اولیاء اللہ پر غبطہ کریں گے۔ ان احادیث کی آیات
سے مطابقت ثابت ہوتی ہے' مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام نبی نے حضرت مریم
علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر غبطہ کیا اور طالب اولاد ہوئے' اسی طرح
حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی غبطہ ثابت ہوتا
ہے۔

ظن غالب یہ ہے کہ گزشتہ شریعتوں میں یہ اصول تھا کہ جو کشف والہام کسی صحیح متبع
انبیاء کو ہو اور وہ عام قانون کے خلاف ہو تو وہ کشف اس قانون کا مخصص ہو گا۔ مثلاً
قانون یہ تھا کہ نابالغ بچہ کو خواہ کافر ہو قتل نہ کیا جائے مگر کسی مخفی علت کے تحت حضرت
خضر علیہ السلام نے کافر بچہ کو قتل کر دیا تو یہ خلاف قانون نہ ٹھہرا بلکہ اس قانون کا مخصص
قرار پایا۔ **واللہ اعلم بالصواب**

خلاصہ:' کشف والہام اولیاء اللہ کے لئے خاص ہیں' نائب وحی ہیں۔ آسمانی علوم کا

واسطہ ہیں' گو وحی کے مقابلہ میں کمزور واسطہ ہیں۔ یعنی موجب علم ہیں۔ قابل عمل ہیں' موجب وجوب نہیں۔

سوال: علم تصوف اور کشف والہام کا تعلق علم ظاہری سے ہے بے علم کو کیوں کر کشف ہو سکتا ہے؟ اس سلسلے کے بعض بے علم بھی کشف ومکاشفات کا اظہار کرتے ہیں' کیا یہ ممکن ہے۔

الجواب: صحابہ کرامؓ کے حالات میں ایمان اور علم کی ترتیب کو پیش نظر رکھنے سے یہ عقدہ خود بخود حل ہو سکتا ہے' صحابہ کرامؓ کو پہلے ایمان کی دولت نصیب ہوئی' جو بجائے خود اجمالی علم کا ثمرہ تھا' لیکن دین کا تفصیلی علم ایمان کے بعد حاصل ہوا' اسی طرح تصوف کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے' جو بمنزلہ ایمان ہے' اس کے حصول کے لئے شیخ کامل سے عقیدت اور اس کا اتباع لازمی ہے' علم تفصیلی شرط نہیں اور ظاہر ہے کہ تزکیہ باطن سے کشف والہام حاصل ہو جاتا ہے' پس کشف والہام کے لئے بھی علم شرط نہیں' ہاں اس کی حفاظت اور مزید ترقی کے لئے علم ظاہری کی ضرورت ہے' اور یہ علم ظاہری یا تو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے طور پر عطا ہوتا ہے۔

> کما قال تعالیٰ افمن شرح الله صدره للسلام فهو علے نور من ربه فويل للقاسيه قلوبهم من ذكر الله. (الزمر)
>
> ''سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے' کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے' ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی سے شرح صدر اور نور باطن عطا ہو جاتا ہے' تصوف کی

ابتدا اور انتہا ذکر الٰہی ہے' اس لئے تصوف و سلوک کے حصول سے یقیناً کشف ہو جاتا ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔'

کشف کو محفوظ رکھنے کے لئے اور کشف کی تکمیل کے لیے علم کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ روح کے کلام میں اجمال ہوتا ہے' رمز و اشارات ہوتے ہیں اس کلام کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے آٹھ' دس برس کا عرصہ لگتا ہے جب کہیں جا کر عالم برزخ کی اصطلاحات پورے طور پر سمجھ میں آتی ہیں اس سے پہلے کشف میں غلطی کا امکان رہتا ہے۔

علم ظاہری کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اس کے بغیر منازل سلوک تو طے ہو جاتے ہیں مگر مناصب نہیں دیے جاتے' اکثر قانون صوفیہ کا دیکھا ہے اور مشاہدہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ قطب' غوث' قیوم' فرد اور قطب وحدت مناصب خلفائے اربعہ کی نسل میں ہی رہے ہیں یہ قاعدہ اکثریہ ہے' کلیہ نہیں۔ کشف علم اور مناصب کا ذکر آ گیا تو یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ ذکر الٰہی سے کشف قبور تو لازماً ہو جاتا ہے' بعض اوقات اتنا تیز کشف ہوتا ہے کہ قبور کی طرف محض خیال کرنے سے پورے حالات منکشف ہو جاتے ہیں' سینکڑوں آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگوں نے غوث اور قطب سمجھ رکھا ہے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں کا طواف کرتے رہتے ہیں' حالانکہ یہ حرکت عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے' اور صاحب قبر پر وہ کچھ گزر رہی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! ایک مزار پر جانے کا اتفاق ہوا روضہ بنا ہوا ہے قبر پر چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ بوسے دیے جا رہے ہیں' مگر صاحب قبر زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے' کتے کی طرح اٹھ اٹھ کر حملہ کرتا ہے۔

ایک اور ایسے ہی ''غوث'' کے مزار پر ہر ہفتہ میلہ لگتا ہے' حالانکہ صاحب قبر کا فرسا دھو ہے' کسی نے غلطی سے دفن کر دیا۔ رفتہ رفتہ غوث بن گیا' اور روضہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کو ایسا دردناک اور بھیانک قسم کا عذاب ہو رہا ہے کہ اس سے کوئی بات معلوم نہیں کی جا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں غوث کا منصب صرف چند ایک ہستیوں کو ملا ہے۔ سب سے پہلے غوث عبدالہادی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھیرہ والے ان کا مدفن پوشیدہ ہے۔ پھر حضرت بہاؤالحق زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ قلعہ لاہور میں ایک غوث مدفون ہیں' علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نام ہے۔ یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الگ دوسری شخصیت ہیں' نام وہی ہے' ان کا مدفن پوشیدہ ہے' ان کی طرف سے قبر کا نشان بتانے کی سخت ممانعت ہے۔ ایک غوث ریاست دیر کی طرف ہوئے ہیں۔ ان کا نام گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ تھا' ان کے علاوہ اس ملک میں کوئی غوث نہیں ہوا۔ ہاں بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں' مگر وہ قطب کے منصب تک ہی ہیں۔

O

۱۸

رُویتِ انبیاء و مَلائکہ

رُویتِ انبیاء کا ثبُوت

رُویت عین ذات اور رُویت مِثالی میں اِختلاف

حالتِ بیداری میں رُویت انبیاء

مشائخ کے اقوال

عُلمائے اُمّت کی تحقیق

رَویت جِنّات وشیاطین

رَویت جِنّات کا ثبُوت

خرقِ عادات اور اہلِ السُنّت والجماعت کا مَسلک

رویت انبیاء وملائکہ

رویت انبیاء وملائکہ وارواح کا معاملہ کشف سے تعلق رکھتا ہے یہ چیزیں مقصود بالذات نہیں۔ہاں کبھی اس راہ کے مسافر کو یہ نعمتیں ضمناً حاصل ہو جاتی ہیں۔پچھلے کئی ابواب میں بیان ہو چکا ہے کہ تصوف وسلوک میں مقصود بالذات رضائے الٰہی کا حصول ہے اس کی تکرار کی ضرورت اس لئے پڑی ہے کہ مروجہ تصوف میں سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی سے برتی جاتی ہے۔صحیح اسلامی تصوف تو محبت الٰہی اور اتباع سنت ہی کا نام ہے اس کی ابتداء اور انتہا یہی ہے

اما البدایہ فالاشتغال بالعبودیتہ واما النھایہ فقطع النظر عن الاسباب وتفویض الامور کلھا الی اللہ کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون.

تصوف کی ابتدا اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اس کی انتہا اسباب سے نظر اٹھالینا اور تمام امور کو اللہ کے سپرد کر دینا ہے ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے پھر لوٹ کے ہمارے پاس آنا ہے۔

رویت انبیاء کا ثبوت

رسول کریم ﷺ انبیائے کرام علیہ السلام اور ملائکہ کی حالت بیداری میں رویت مختلف فیہ نہیں ہے اگر کچھ اختلاف ہے تو اس میں کہ مرئی یعنی جو دیکھے جاتے ہیں ان کی ذات مقدسہ بعینہ ہے یا اس کی مثل ہے ایک قلیل بلکہ اقل جماعت کا خیال ہے کہ یہ مرئی صورت عین ذات نہیں بلکہ صورت مثالیہ ہوتی ہے۔اکثر علمائے ظواہر و باطن حالت بیداری میں رویت رسول کریم ﷺ بعینہ کے قائل ہیں:

۱: علامہ ابن تیمیہ نے اقتضائے صراط مستقیم میں اس پر اظہار رائے کیا ہے اور اس کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ عمرؓ کو کہو کہ صلوٰۃ استسقاء کے لئے لوگوں کو باہر نکالو۔

۲: شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے پڑھا۔

وان سالتنی عن الخبر الصدق فانی تلمیذ القران العظیم بلاواسطه کما انی اویسی لروح حضرة الرساله ﷺ ۱۰۲

''اگر سچ پوچھو تو (میں تعلیم قرآن میں اویسی ہوں جس طرح فیض باطنی میں اویسی ہوں (میں نے روح نبی کریم ﷺ سے بالواسطہ قرآن مجید پڑھا جیسے فیض باطنی حاصل کیا۔''

مزید تفصیل کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ ملاحظہ ہوں۔

۳: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل کتاب ''تنویر الملک فی امکان رویہ النبی ﷺ والملک'' لکھی ہے اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۴: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن اول الطریقه تبتدالمشاهدات والمکاشفات حتی انهم فی تـقـظهـم یشـاهـدون الـمـلائـکـه وروا ح الانبیاء ویسمعون منهم اصواتاًو یقتبسون منهم فوائد ۱۰۳

طریقہ سلوک کی ابتداء ہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ
سالکین بیداری میں انبیاء کے اروح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا کلام سنتے
ہیں ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دیگر صوفیہ اور علماء سے اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ رویت
مثال کے قائل ہیں عین ذات کے قائل نہیں۔

رویت عین ذات اور صورت مثالی میں اختلاف

علامہ عبدالواہاب رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کیا
ہے۔

قال (الی غزالی) انما ھو مثال روحہ ﷺ المقد سہ عن الصورۃ
والشکل وشبہ رویہ اللہ فی المنام بذالک فلا ادری ماارادیہ
رحمہ اللہ ۱۰۴

''امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی روح کی مثال کی زیارت
ہوتی ہے نہ بعینہ جسم مقدس کی اور اس کو رویت باری فی المنام سے تشبیہ دی ہے میں
نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے آپ کا ارادہ کیا ہے۔''

پھر علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ صالح عطیہ ابناسی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ قاسم
مغربی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے
کہ یقول رایت رسول اللہ ﷺ یقظۃ بضعاً وسبعین مرۃ ۱۰۵
فرماتے ہیں۔
میں نے حضور اکرم ﷺ کو ستر سے زیادہ مرتبہ بیداری میں دیکھا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے:

ھل اورویہ لذات المصطفیٰ بجسمہ وروحہ اولمثالہ القاضی ابوبکربن العربی فقال رویہ النبی ﷺ بصفہ المعلومتہ ادراک علی الحقیقتہ ورئویتہ علی غیر صفتہ ادراک للمثال وھذالذی قالہ القاضی فی غایہ الحسن ولایمتنع رویہ ذاتہ الشریفہ بجسدہ وروحہ وذالک لانہ ﷺ وسائر الانبیاء احیاء ۲۰۶

کیا رویت رسول ﷺ بجسمہ ہے یا صورت مثالی کا دیکھنا ہے اور قاضی ابوبکر بن العربی نے اس پر محاکمہ کیا اور فرمایا کہ صفت معلومہ کے ساتھ حضور ﷺ کی رویت حقیقت پر محمول ہوگی اور غیر صفت معلومہ کے ساتھ رویت مثالی پر محمول ہوگی قاضی موصوف کا محاکمہ بہت خوب ہے اور حضور ﷺ کی رویت جسدی وروحی میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیھم السلام زندہ ہیں۔

پھر فرمایا:

قال عبداللہ بن سلام لم اتیت عثمان رضی اللہ عنہ لا سلم علیہ وھو محصور فقال مرحبایا اخی انی رایت رسول ﷺ فی ھذہالخوخہ فقال یا عثمان حصروک قلت نعم قال عطشوک قلت نعم فادلی لی دلواً فیہ ماء فشربت حتی رویت حتی انی لا جدبردہبین ثدی وبین کتفی فقال ان شئت نصرت علیھم وان شئت افطرت عندنا فاخترت ان افطرعندہ.فقتل ذلک الیوم وھذہ القصہ مشھورۃ عن عثمان ممزجہ فی کتب الحدیث با لا سناد اخرجھا ابن ابی اسامہ فی مسندہ وغیرہ وقدفھم المصنف منھا انھا رویتہ یقظہ وان لم یصلح عدھافی الکرامات لان رئویتہ المنام یستوی فیھا کل احد ۲۰۷

عبداللہ بن سالم نے کہا کہ پھر میں حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تا کہ انہیں سلام عرض کروں اور وہ محصور تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ کو اس کوچہ میں دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں نے تمہیں محصور کرلیا ہے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا انہوں نے پیاسا رکھا عرض کیا جی ہاں۔ پھر حضور ﷺ نے میری طرف ڈول بڑھا دیا جس میں پانی تھا۔ میں نے پانی پیا اور سیر ہو گیا۔ حتی کہ میں اسکی ٹھنڈک سینے میں محسوس کرتا ہوں پھر فرمایا اگر تو چاہے تو میں تمہاری مدد کروں اگر تو چاہے تو آج ہمارے پاس افطاری کرے تو میں نے اسکو پسند کیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ افطاری کروں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اسی روز شہید کر دیئے گئے اور یہ قصہ مشہور ہے اور کتب احادیث میں باسناد موجود ہے اس کو ابن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اخراج کیا ہے اور دوسروں نے بھی۔ اور محقق بات یہ ہے کہ مصنف اس روایت سے رویت رسول ﷺ کو بیداری میں سمجھا۔ ورنہ اس روایت کو کرامات کے ضمن میں بیان کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ خواب میں رویت رسول ﷺ میں تو سب لوگ مساوی ہے۔

حالت بیداری میں رویت کی بنیاد

عن ابی هریرۃ قال سمعت رسول ﷺ یقول من رای فی المنام فسیرانی فی الیقظہ ۱۰۸

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا اور یہی روایت اس کی بنیاد ہے میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا قریب ہے کہ وہ بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔

مشائخ کے اقوال:

قال الشیخ صفی الدین فی رسالتہ قال لہ الشیخ ابو العباس الحرار دخلت علی النبی ﷺ مرۃ فوجدتہ یکتب مناشیر للاولیاء بالولایتہ وکتب لاخی محمد منھم منشورا ۱۰۹

''شیخ صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اولیاء کے لئے ولایت کے منشور لکھ رہے ہیں۔ ان میں ایک میرے بھائی محمد کا منشور بھی تھا۔''

قال ابو عبداللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیہ السلام تلقانی الخلیل فقلت یا رسول اللہ اجعل ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعالھم ففرج اللہ عنھم قال الیافعی وقولہ تلقانی الخلیل قول حق لاینکرہ الا جاھل بمعرفتہ مایرد الیھم من الاحوال التی یشاھدون فیھا ملکوت السماء والارض وینظرون الانبیاء احیاء غیر اموات کما نظر النبی ﷺ الی موسی علیہ السلام فی الارض ونظرہ ایضا ھو وجماعہ من الانبیاء وسمع منھم مخاطبات"

ابو عبداللہ قرشی کہتے ہیں کہ میں نے شام کا سفر کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مقدس پر پہنچا تو آپ مجھے ملے۔ میں عرض کیا کہ آپ کے ہاں میری مہمانی یہ ہے کہ اہل مصر کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی تو اہل مصر کی مصیبت دور ہو گئی۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرشی کا قول ہے کہ میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کرے گا جو صوفیہ کے احوال سے ناواقف ہے۔ وہ لوگ آسمان اور زمین کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انبیاء

کو زندہ دیکھتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر دیکھا اور ان کو مع جماعت کے آسمان پر دیکھا اور ان سے باتیں سنیں۔"

قال رجل للشیخ ابی العباس المرسی یا سیدی صافحنی بکفک هذا فانک لقیت رجالا وبلادا فقال واللہ ماصافحت بکفی هذه الارسول ﷺ قالو وقال الشیخ لوحجب عنی رسول اللہ طرفه عین ماعددت نفسی من المسلمین.

"ایک شخص نے شیخ ابو العباس المری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا مجھ سے مصافحہ کیجئے کیونکہ بڑے ملکوں میں پھرے ہیں۔ اور بڑے بڑے مردان خدا سے مصافحہ کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ ہاتھ سوائے نبی اکرم ﷺ کے کسی سے نہیں ملائے اور فرمایا کہ اگر حضور ﷺ کی ذات ایک لمحہ کے لئے بھی میری آنکھ سے اوجھل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔"

وقال البارزی وقد سمع من مجاعه من الاولیاء فی زماننا وقبله انهم راوالنبی ﷺ فی الیقظه حیابعد وفاته ۱۱۲

"علامہ بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ محقق بات یہ ہے کہ ایک جماعت اولیاء نے ہمارے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی رسول اکرم ﷺ کو بعد وفات زندہ حالت بیداری میں دیکھا۔"

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

از بعض صالحین حکایات دریں باب آمدہ وبصحت رسیدہ وحکایات وروایات مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ است ۱۱۳

علمائے امت کی تحقیق

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

هل تمكن رويه انبی ﷺ فی الیقظه فاجاب بقوله انکر ذالک جماعه وجوزه اخرون وهو الحق فقد اخبر بذالک من رویتهم من الصالحین بل استدل بحدیث البخاری من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظته ای بعین راسه وقیل بعین قلبه"ثم قال"وفی شرح ابن ابی جمرة للاحادیث التی انتقلها من البخاری ترجیح لبقاء الحدیث علی عمومه فی حیاته ومماته لمن له اهلیه لاتباع السنه ولغیره قال ومن یدعی الخصوص بغیر تخصیص منه ﷺ فقد تعسف ثم الزم منکر ذالک بانه غیر مصدق بقول الصادق وبانه جاهل بقدرة القادربانه منکر بکرامات الاولیاء مع ثبوتها بدلائل السنه الواضحه ومراده بعموم ذالک وقوع رویه الیقظه الموعودة بها لمن راه فی المنام ولو مرة واحدة تحقیقا لوعده الشریف الذیلایخلف واکثر مایقع ذالک للعامه قبل الموت عند الاحتضار فلاتخرج روحه حتی یراه ۱۴۱

''کیا رسول اکرم ﷺ کی زیارت بیداری میں ممکن ہے؟ علامہ ابن حجر نے جواب دیا کہ ایک جماعت منکر ہے اور ایک جماعت قائل ہے اور یہی جماعت حق پر ہے۔ رویت کی خبر صالحین (کی ایسی جماعت) نے دی ہے (جس پر اتہام نہیں لگایا جا سکتا) بلکہ جواز کی دلیل حدیث بخاری سے پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں دیکھے گا۔'' تو کسی نے سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد لیا ہے۔ کسی نے دل کی آنکھوں سے پھر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شارح بخاری عبداللہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا جنہوں نے بخاری کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے خواب کی حدیث کو عموم پر ترجیح دی ہے خواہ حیات میں ہو۔ خواہ ممات میں مگر کامل تبع سنت کے لئے ہے۔ پھر شارح مذکور نے فرمایا

جس نے تخصیص حدیث کا دعویٰ کیا ہے اس نے تعسف کیا ہے۔ پھر اس کو الزام دیا ہے کہ جب حضورﷺ نے تخصیص نہیں فرمائی تو وہ کیوں کرتا ہے۔ پھر یہ کہ فرمان نبوی ﷺ کا منکر ہے پھر یہ قدرت قادر سے جاہل ہے۔ اور وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے۔ حالانکہ کرامات واضح سنت رسول سے ثابت ہیں اور مراد شارح مذکور کی عموم حدیث سے رسول اکرم ﷺ کی زیارت بیداری میں ہے جس کا وعدہ حضورﷺ نے خواب والے کو دیا ہے اگرچہ زیارت ایک دفعہ ہو وعدہ پورا کرنے کے لئے کافی ہے اس میں جائز نہیں اور اکثر عوام الناس کو قریب موت زیارت ہو جاتی ہے اور روح اس کے جسد سے خارج نہیں ہوتی جب تک زیارت نہ ہو جائے۔"

بخاری کی اس روایت کا صحیح مفہوم تو یہی ہے جو رویت یقظہ سے بیان کیا گیا ہے۔ البتہ مسلم میں **فکانما رانی** ہے اور ابن ماجہ میں **فقد رانی** ہے۔ ان میں احتمال ہیں۔ اور بخاری کی اس حدیث میں یہ تاویل کرنا کہ عنقریب اس کی صحیح تعبیر دیکھ لے گا کتنا تعسف ہے۔ **فسیری** کا مفعول ضمیر متکلم حضورﷺ کی ذات اقدس ہے اور تعبیر خواب کو مفعول بتانا تاویل بعید ہے درحقیقت مفعول ضمیر متکلم حضورﷺ کی ذات اقدس ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو **لیلۃ المعراج** کے سلسلے میں آئی ہیں۔ کہ حضورﷺ نے انبیاء علیہ السلام کو دیکھا۔ ان سے باتیں کیں' استفادہ کیا' یہ تھا معجزہ حضورﷺ کا اور یہی ہوئی کرامت اولیاء کی۔

وقلتقرر ان ماجاز للانبیاء معجزۃ جاز للاولیاء کرامۃ ۱۱۵"

"یہ بات جمہور کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز انبیاء علیہ السلام کے لئے معجزہ ہے اولیاء رحمۃ اللہ کے لئے کرامت ہے۔"

اور ابن کثیر نے فرمایا۔

انا لاتجوز ظهور الکرماه علی الولی عند ادعاء الولایه الااذااقرعند تلک الدعوی بکونه علی دین ذالک النبی ومتی کان الامر کذالک صارت تلک الکرامه لذلک النبی معجزة وموکده رسالته ۱۱۶

''ہم کسی مدعی ولایت سے ظہور کرامات کے اس وقت قائل ہوں گے جب وہ اس دعویٰ کے ساتھ یہ اقرار بھی کرے کہ میں اسی نبی کے دین پر ہوں۔ اور جب دعویٰ اس صورت میں ہوا تو یہ کرامت اس نبی کا معجزہ ہوگا اور اس کی رسالت کی تائید ہو گی۔''

لیکن بعض ظاہر بین علماء جب اس کو نہیں سمجھ سکتے تو سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فان ورراء ها اسرار دقیقه وامور عمیقه فما لم یصل الیها لم یصدق بها ۱۱۷

''اس سے آگے دقیق اور عمیق اسرار ہیں۔ جب تک انسان ان امور تک نہ پہنچے تو ان کی تصدیق اس کے لیے محال ہے۔''

فائدہ: نبی کا معجزہ نہ عین نبوت ہے نہ جزو نبوت نہ شرط نبوت بلکہ ایک دلیل اور سند ہے اور کمالات نبوت کی علامات میں سے ہے۔ یہی معجزہ منتقل ہو کر نبی ﷺ کی امت میں اس کے صحیح وارثوں میں کرامت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کشف، رویت انبیاء علیہ السلام، ملائکہ اور ارواح کرامت کی قسم سے ہیں۔

رویت جنات وشیاطین:

کیا جنات اور شیطان کو دیکھنا ممکن ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ جن اور شیاطین نہیں دیکھے جاتے ہاں وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔

انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم اور حدیث میں آتا ہے کہ عذاب و ثواب قبر ثقلین نہیں دیکھ سکتے۔ رویت عذاب وثواب کا قائل ہونا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مدعی رویت جن کی شہادت بھی مردود قرار دی ہے۔

رویت جنات کا ثبوت

واستدل الخطابی بھذا الحدیث علی ان اصحاب سلیمان علیہ السلام کانو یرون الجن فی اشکالھم وھیئتھم حال تصرفھم قال واماقولہ تعالیٰ انہ یراکم ھو قبیلہ الخ فالمراد الاکثر الاغلب من احوال بنی ادم ۔

علامہ خطابی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس میں ذکر ہے (کہ نبی اکرمؐ نے جن کو باندھنا چاہا تھا کہ صبح مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں مگر بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعاء کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی جنوں سے کام لیتے وقت انہیں دیکھتے تھے۔ رہا فرمان باری تعالیٰ کہ شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں اس جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ تو یہ حکم اکثر اور اغلب پر ہے۔ یہ نہیں کہ جن دیکھے نہیں جا سکتے۔"

اس پر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے اور فرمایا ہے:

بان نفی رویہ الانس الجن علی ھیئتم لیس بقاطع من الایہ بل ظاھر

انہ ممکن فان فنی رویتھا ایاھم مقید بحال رویتھم لنا و لاینفی امکان رویتنا لھم فی غیر تلک الحالہ ویحتمل العموم۱۱۸

”نفی رویت جنات آیت سے قطعی طور پر ثابت نہیں بلکہ صرف احتمال ہے کیونکہ ہماری عدم رویت مقید ہے۔ ان کی رویت کے وقت سے نہ کہ عام۔ ہاں احتمال عموم کا بھی ہے۔“

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

وقالوا القضیہ مطلقہ لادائمہ وفیہ عطی ھذا لایفسق مدعی رویتھم فی صورھم الاصلیہ اذا کان مظنہ للکرامہ ولیس فی الایہ اکثر من نفی رویتھم کذالک بحسب العادۃ ۱۱۹

”یہ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں۔ اور اسی روح المعانی میں ہے کہ مدعی رویت کا فاسق نہ ہوگا کہ اس کی شہادت رد کی جائے۔ خصوصاً جب کرامت کا گمان بھی ہو اور آیت میں نفی رویت کی بطور عادت کے ہے نہ کی بطور خرق عادت کے۔“

اور علامہ بیہقی نے مناقب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”یقل من زعم نانہ یری الجن ابطللنا شھادتہ الاان یکون نبیا.

(عن الربیع)

حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جس شخص نے کہا کہ میں جنوں کو دیکھتا ہوں ہم اس کی شہادت مردود قرار دیتے ہیں سوائے اس کے کہ دیکھنے والا نبی ہو۔“

فائدہ: اے علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد رویت بصری ہے جو بطور عادت کے ہے نہ کہ خرق عادت۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روحانی اور قلبی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے

جوالاان یکون نبیا کی استثناء سے ظاہر ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ کشف از قبیل کرامت ہے۔ اور کرامت معجزہ کی فرع ہے۔ نبی کا جنات کو دیکھنا معجزہ ہوا اور ولی کا دیکھنا کرامت ہوا۔

2: علامہ آلوسی کے بیان سے معلوم ہوا کہ عادت کے طور پر رویت ممکن نہیں لیکن کرامت کے طور پر ممکن ہے اس سے حدیث ثقلین کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ عذاب وثواب قبر عادت کے طور پر معلوم نہیں ہو سکتے ہاں خرق عادت کے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کشف قبور کے سینکڑوں واقعات رسول اکرم ﷺ سے اور صحابہؓ سے احادیث میں موجود ہیں۔ لہذا نفی سے نفی عادت کی ہوئی اور ثبوت سے ثبوت خرق عادت کا ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ یہ کیسے ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ خرق عادت ہے تو عادت سے کیسے بتایا جا سکتا ہے اور کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں کم از کم چھ ماہ مسلسل صرف کرو اگر خدا کو منظور ہوا تو دیکھ لو گے۔

خرق عادت اور اہل سنت والجماعت کا مسلک

کشف وکرامت کا تعلق خرق عادت سے ہے اور اہل سنت کے نزدیک کرامت معجزہ کی فرع ہے اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے وہ غلط فہمی سے امور خرق عادت کو امور عادیہ طبعیہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس صورت میں وہ قدرت قادر کے انکار کا ارتکاب کرتے ہیں:

عند اهل السنه ان لروبه لا يشترط لها عقلا عضو مخصوص ولا مقابله ولا قرب وانما تلك امور عاديه يجوز حصول الادراك مع عدمها عقلا وكذالك حكموا بجواز رويه الله تعالىٰ فى الاخرة

خلافا لاهل البدع بو قوفهم مع العادۃ ۱۴۰

''اہل سنت کا رویت کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اس کے لئے کسی خاص اندام یعنی آنکھ کا ہونا شرط نہیں۔ نہ مرئی کا مقابل اور قریب ہونا شرط ہے۔ کیونکہ یہ امور عادیہ ہیں اور رویت عقلاً جائز ہے بغیر ان امور عادیہ کے اسی وجہ سے آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے جواز کا حکم کیا ہے۔ اس کے برعکس اہل بدعت رویت کو عادت پر موقوف جانتے ہیں۔''

اور یہ واضح بات ہے کہ جس شخص کو نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب میں ہوتی ہے وہ مرد صالح ہے۔ اس کے قلب میں نور ہے۔ اگر کاملین میں سے کوئی اس کی تربیت کرنے والا ہو تو بیداری میں بھی یقیناً حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جائے گا۔

''و بعض گویند کہ ایں بشارت است برانیاں کہ جمال اور اور خواب کہ آخر بعد مز مقطاع وارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ بمرتبہ برسند کہ بے حجاب کشفا وعیانا در بیداری بایں سعادت فائز باشند چنانچہ اہل خصوص از اولیاء رامے باشد ۱۴۱

البتہ ان حجابات کے دور کرنے کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پڑیں گے جن سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے۔ حجاب اٹھا تو زیارت ہو جائے گی اور وہ وسیلہ جس سے حجابات دور ہوتے ہیں ذکر الٰہی ہے۔ اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ملائکہ اور انبیاء سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکر الٰہی کے ساتھ چند شرائط ہیں:

۱: تصحیح عقائد ضروری ہے شرک و بدعت کو دل سے نکال دے۔

۲: اعمال صالحہ کا عادی ہو جائے۔

۳: حرام سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔

۴: کامل کی صحبت اختیار کرے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرے۔

نبی کریم ﷺ کی قبل نبوت زندگی پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان اللہ بغض الیہ الاوثان وحبب الیہ خلال الخیر ولزوم الوحدۃ فرارا من قرناء سوء فلما لزم ذالک اعطاء للہ علی قدر نیتہ ووھب لہ النبوۃ کما یقال الفواتح عنوان الخواتیم وقال ابن المنیر کان مقدمہ النبوۃ فی حق النبی ﷺ لھجرۃ الی اللہ تعالیٰ عزوجل بالمخلوۃ فی غار حرا۔ ۱۲۲

''اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے دل میں بتوں کے خلاف بغض ڈال دیا تھا اور اچھی عادتوں کو محبوب بنا دیا تھا۔ اور حضور ﷺ نے تنہائی اور برے ساتھیوں سے دوری کو پسند فرمایا۔ جب آپ ﷺ نے ان اوصاف حمیدہ کو اپنایا تو اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی نیت کے مطابق دیا اور نبوت عطا فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ ابتدا خاتمہ کا عنوان ہوتا ہے اور ابن منیر شارح بخاری نے کہا کہ یہ نبوت کا مقدمہ تھا کہ آپ ﷺ نے مخلوق سے خالق کی طرف ہجرت کی اور غار حرا میں تنہائی اختیار فرمائی۔''

قلب کی بحث میں تفصیل سے بیان ہو چکا کہ اصل دانا بینا قلب ہے۔ معاصی کے ارتکاب سے اس پر غبار بیٹھ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی بینائی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی دل کا سب سے خطرناک مرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسی حقیقت کو کہیں یوں بیان کیا ہے کہ **ران علی قلوبھم**۔ کبھی فرمایا **اثم قلبہ** اور کہیں فرمایا کہ **فانھا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** یعنی ان کے سر کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ ان کے سینے میں دل اندھے ہیں۔ یہاں ''عمی'' اور ''بصر'' کا تقابل عدم اور ملکہ کا ہے۔ اندھے کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جس کے شان سے دیکھنا ہو **عمی من شانہ ان یکون بصیرا**۔ پتھر اور دیوار کو کوئی اندھا نہیں کہتا۔ معلوم ہوا کہ

قرآن مجید نے دل کو اس لئے اندھا فرمایا اس کے شان سے بینائی تھی۔

سوال: یہ آئتیں تو کفار کے حق میں نازل ہوئیں جن کے دلوں پر کفر کی ظلمت چھا چکی تھی اور وہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

الجواب: اثر تو ایک ہے یعنی عدم رویت قلوب ہاں موثر اور سبب مختلف ہو سکتے ہیں۔ کفار کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت کفر ہے اور مسلمان کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت عصیاں ہے فسق وفجور، مخالفت سنت اور اتباع ہوئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اثر واحد ہو تو موثر اور سبب بھی واحد ہو امراض قلب کے ماہر معالج انبیاء علیہم السلام تھے انہوں نے قلب کی صحت کا نسخہ ذکر الٰہی بتایا جس سے قلب سلیم مطمئن جاتا ہے۔ قلب کے لیے غذائے صالحہ شریعت حقہ کی پیروی اور احکام الٰہی کی پابندی بتایا اور غذائے فاسدہ یعنی شرک وبدعت اور اتباع ہوئی سے منع فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے صحیح جانشینوں نے ان کی نیابت کی جن کو صوفیہ کرام اور علمائے ربانی کہا جاتا ہے مگر آج انکے وجود عنقا ہیں۔ مشیخیت اور سجادہ نشینی، علم وفضل اور وعظ وتبلیغ کے دعوے تو موجود ہیں مگر حقیقت غائب ہے۔ امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے حالات کا جو نقشہ تفہیمات الٰہیہ میں کھینچا ہے آج کے حالات اس سے بھی بدتر ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اے سجادہ نشینو! جو اپنے آباء کی مسندوں پر بغیر کسی استحقاق کے جمے بیٹھے ہو تم نے وہ طریقہ تو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا تھا اور اپنی خواہشات کی اتباع کو تم نے دین بنا لیا اور ہر شخص پیشوا بنا بیٹھا ہے اور اپنے آپکو ہادی اور مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں ضال اور مضل

ہے۔ ہم ان لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض دنیوی اغراض اور مادی مفاد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے ہیں۔۔ یہ لوگ راہزن اور ڈاکو ہیں جھوٹے اور فتنہ پرداز ہیں۔ لوگو! خبردار! ان ڈاکوؤں سے ہوشیار رہنا تمہیں تو صرف اس شخص کو اپنا مرشد اور پیشوا بنانا ہے جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دے۔۔۔۔ الخ"

حقیقت یہ ہے کہ جب سے عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آنے لگے ہیں وہ مقام جہاں سے رشد وہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے آج بیہودگی اور عیاشی بے دینی اور آوارگی کے مرکز بن گئے ہیں۔ جہاں دین کے علاوہ سب کچھ موجود ہے اور جہاں سے دین داری اور ہدایت کے علاوہ ہو سب کچھ ملتا ہے۔ دنیا بن رہی ہے اور عاقبت بگڑ رہی ہے اور بقول اکبر الہ آبادی اسے ایک کاروبار بنالیا گیا ہے:

مردہ سمجھو ان کو کہ جو پہنچے ہوں خدا تک   مرشد ہے وہی جو ہے گورنمنٹ رسیدہ

اور علماء کا جو نقشہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں کھینچا ہے وہ چھٹی صدی ہجری کے علماء سے متعلق ہے فرماتے ہیں:

انتم کالمنخل یخرج منه الدقیق الطیب وتبقی فیه النخاله کذالک انیم تخرجون الحکمه من افواهکم ویبقی الغل فی قلوبکم افسدتم اخرتکم فصلاح الدنیا عندکم احب الیکم من صلاح الاخرة فای الناس اخسر منکم لو تعلمون۔"

فائدہ: امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ کے علماء سے شکایت ہے کہ یہ تم چھلنی کی مانند ہو جس سے باریک اور عمدہ آٹا نکل جاتا ہے اور چھان اس کے اندر رہ جاتا ہے۔ مگر آج کے علماء (الا ماشاء اللہ) کی حالت یہ ہے کہ وہ اس موٹی چھلنی کی مانند ہیں جس سے چھان بھی خارج ہوتا رہتا ہے اور وہی حصہ چھلنی کے اندر رہ جاتا ہے جو سب سے

زیادہ روی اور بیکار ہو۔ اسی طرح ان کے منہ سے اگر کبھی کبھار حکمت کی ایک آدھ بات نکلتی ہے تو اس کے ساتھ دس باتیں ایسی بھی نکلتی ہیں جو تہذیب اور شرافت کا ماتم کرتی ہوئی فضا میں پھیل جاتی ہیں۔

جب ہمارے فکر وعمل کی حالت یہ ہے ہمارے عوام اور خواص کی ذہنیت اس قسم کی ہے تو قلوب کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ جب ان کے قلوب نور بصیرت سے محروم ہیں تو اپنے اوپر قیاس کر کے صلحائے امت اور اصحاب بصیرت کا انکار کر دیں یا رویت رسول ﷺ کا انکار کر دیں تو ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ ان کی حالت قابل رحم ہے۔ ان کے دل روگی ہیں۔ ان کے قلوب بیمار ہیں۔ اس لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ کسی معالج روحانی کی خدمت میں جا کر اپنے قلوب کا علاج کرائیں:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب! آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

O

۱۹

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوحانی بیعت

رسولِ کریم ﷺ سے رُوحانی بیعت

سوال: آپ نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ابتدائی منازل سلوک طے کرانے کے بعد ہمارے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ سے روحانی بیعت کراتے ہیں' کیا اس کا ثبوت متقدمین صوفیہ میں بھی ملتا ہے؟

الجواب: علامہ ابن حجر نے فرمایا:

وقال تاج ابن عطاء الله عن شيخه اعارف الكامل ابی لعباس المرسی صافحت رسول الله ﷺ بكفی هذه.

"تاج ابن اعطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ عارف کامل ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا۔"

وقال على وفاء رحمة الله :فرايت النبی ﷺ وسلم قباله وجهی فمانقنی فقال واما بنعمته ربک فحدث ۱۲۳

اور عارف علی وفا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو روبرو دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا۔ پھر فرمایا اللہ تعالٰی کی نعمت بیان کیا کر۔

"از شیخ ابو المسعود آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت ﷺ رابعد ہر نماز" ۱۲۴

اور آخر میں امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی زبانی تفصیل سنئے:

''چون ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جاگرفت آں حضرت ﷺ تبسم کناں سراز جیب مراقبہ بیروں آور دند و دو دست خویش برداشتند واشارت فرمودند بہ بیعت و مصافحہ۔ ایں فقیر برکاست و زانو بزانو متصل ساخت و دو دست خود درمیان دو دست آں حضرت ﷺ نہادہ بیعت کرد و بعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند ۱۲۵

''جب یہ معرفت میرے دل میں جاگزیں ہوئی، حضور اکرم ﷺ نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا، اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا۔ یہ فقیر اٹھا، اپنے زانو حضور اکرم ﷺ کے زانوؤں کے ساتھ ملائے، اور اپنے دونوں ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی۔ بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے آنکھیں بند فرمائیں۔''

O

۲۰

کلامِ بالاَرواح

کلام بالا رواح

کلام بالا رواح یا کشف قبور کا انکار دراصل دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے علمی اور نقلی دلائل سے رہنمائی حاصل کی جائے تو اقرار کیے بغیر نہیں بنتی اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اہل اللہ پر یہ اللہ تعالےٰ کا خاص انعام ہے جو نبی کریم ﷺ کے صحیح جانشینوں کو میراث نبوی ﷺ کے طور پر اللہ تعالےٰ عطا فرماتا ہے۔

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ کلام بالا رواح کی شریعت میں اصل بھی ہے یا نہیں پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ سابقین سے اس کی نقل بھی ملتی ہے یا نہیں پھر یہ دیکھنا ہے کہ اسلاف میں اس کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں حقیقت نفس الامری کہا جا سکتا ہے۔

اگر ان تینوں صورتوں میں دلائل قاطعہ مل جائیں تو انکار کرنا جہالت یا ضد اور عناد کے بغیر کچھ نہیں۔

ا: بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو رسول خدا ﷺ کی اقتداء کے لئے جمع کیا گیا تھا پھر ارواح انبیاء سے مکالمہ ہوا۔ (ابن کثیر ۲:۱۸)

فقال ابراھیم علیه السلام الحمد الله الذی اتخذنی خلیلا و اعطانی ملکا عظیما و جعلنی امه قانتا یئوتم بی و انقذنی من النار وجعلها علی بر داوسلا مانم ان موسی علیه السلام اثنی علی ربه فقال الحمد الله الذی کلمنی تکلیما و جعل ھلاک ال فرعون ونجاة بنی اسرائیل علی یدی وجعل من امتی قوما یھدون بالحق وبه

يعدلون ثم ان دائود عليه السلام اثنی علی ربه فقال الحمد الله الذی جعل لی ملکا عظیما وعلمنی الزبور ولان لی الحدید وسخرلی الجبال یسبحن والطیر .الخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے خلیل بنایا ہے اور مجھے عظیم ملک عطا کیا۔ اور مجھے اطاعت شعار امت بنایا اور مجھے آگ میں سے نکالا اور آگ کو میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء بیان کی اور کہا تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ سے خوب کلام کی اور میرے ہاتھ سے فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت سے ایسے لوگ پیدا کئے جو حق و ہدایت پر قائم رہے اور رہنمائی کرتے رہے۔ پھر اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے سلطنت عطا کی مجھے زبور کی تعلیم دی۔ میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ میرے ساتھ مل کر پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے ہیں۔

یہ واقعہ کلام بالا رواح کی اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ:

۱: زندہ انسان ارواح کی کلام سن سکتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے انبیاء کے ارواح کی کلام سنی۔

۲: زندہ انسان برزخ والوں کو دیکھ سکتا ہے۔

۳: انسان پر دنیوی زندگی میں جو حالات گذرتے ہیں۔ برزخ میں روح کو خوب یاد ہوتے ہیں۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ یہ دلائل ان لوگوں کے نقطہ نظر کے مطابق پیش کئے جا رہے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ بیت المقدس میں ارواح متشکل تھے ان سے کلام ہوئی لیکن ہمارا

عقیدہ ہے کہ ارواح مع الاجساد بیت المقدس میں حاضر ہوئے تھے اور قرآن وسنت سے دلائل بھی ہمارے عقیدہ کے حق میں قوی ہیں۔جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سماع موتی'' میں بیان کردی ہے۔

شب معراج میں حضور اکرم ﷺ کی انبیاء کرام کے ارواح سے آسمانوں پر یکے بعد دیگرے جو ملاقات ہوئی اس کی تفصیل صحیح مسلم شریف میں موجود ہے۔بخوف طوالت صرف حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ارواح انبیاء سے ملاقات بھی ہوئی اور کلام بھی ہوئی۔

۲:حضور اکرم ﷺ کے شب معراج میں جو واقعات پیش آئے وہ واقعات کے اعتبار سے کلام بالا رواح کی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں اب حضور ﷺ کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔جو دوسری حیثیت سے اصل قرار دی جاتی ہے۔

(نسیم الریاض۲:۱۴۸)

قال النبی ﷺ انی اری مالاتسمعون المراد بما لموصولته فیهما مغیبات وامور فی الملاء الاعلی اطلعه الله تعالی علیها وغیره ﷺ لا یراها کرویته الملائکة والجنته والنار وعذاب القبر والاطلاع علی الموتی واحوال ابرزخ وسماعه لاصوات المعذبین فی القبور

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں جو چیزیں تم نہیں دیکھتے۔اور اس کلام کو سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ان دونوں جملوں میں ما موصولہ ہے اور اس سے مراد مغیبات ہیں اور وہ امور ہیں جو ملاءاعلیٰ میں واقع ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضور ؐ کو اس پر مطلع فرمایا جو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے۔جیسے ملائکہ کو دیکھنا۔جنت دوزخ' عذاب قبر کو دیکھنا۔برزخ کے حالات دیکھنا اور ان لوگوں کی آوازیں سننا جو

قبروں میں عذاب سے دوچار ہیں۔

اس حدیث سے اور اس کی شرح سے جہاں معلوم ہوتا ہے کہ کلام بالا ارواح کی شریعت میں اصل موجود ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر مغیبات میں سے ہے اور مغیبات پر ایمان لانا فرض ہے اس لئے کشف قبور کو کوئی کہنا علمی لغزش ہے۔

بحث کی دوسری شق کے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

1: الحاوی للفتاوی ۲:۲۹۱

الثانی ان النبی ﷺ فی حیاته کان یری الانبیاء و یجتمع بهم فی الارض کما تقدم انه رای عیسیٰ فی الطواف وصح انه ﷺ مر علیٰ موسیٰ وهو یصلی فی قبره وصح انه ﷺ قال الانبیاء احیاء یصلون فکذلک اذا نزل علیه الصلوة والسلام الی الارض یری الانبیاء ویجتمع بهم ومن جملتهم النبی ﷺ فیاخذ عنه مایحتاج الیه من احکام الشریعته

امر دوم یہ کہ نبی ﷺ اس دنیوی زندگی میں انبیاء کو دیکھتے اور ان سے ملاقات کرتے تھے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو طواف میں دیکھا اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے جبکہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر واپس آئیں گے انبیاء کو دیکھیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے۔ ان میں سے ایک حضور ﷺ ہیں اور عیسیٰ علیہا السلام حضور اکرم ﷺ سے احکام شریعت حاصل کریں گے جن احکام کے وہ محتاج ہوں گے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ میراث جن لوگوں کو ملتی ہے ان میں کون سی

ایسی خوبی ہے جو دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ جب ایسے حضرات کے حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سارے کے سارے اصحاب تصوف و سلوک ہی گذرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس دولت کے ملنے کا واحد ذریعہ تصوف و سلوک ہے اس علم اور فن کی فضیلت کے متعلق علامہ وزیر فرماتے ہیں:

اروض الباسم ۲: ۵۷

ھذا بحر عمیق لا ساحل له لا یصح رکوبه لافی سفن المکاشفه ولیل جھیم لا یحسن مسراہ الابعد طلوع اھله لمشاھدة...ان ذلک من العلوم الضروریته التجربیته المتواترۃعن ارباب الریاضات وملازمته الخلوات فانھم یرون فی الیقظته مثل مایراہ الناس فی النوم ویسمعون مخاطبات من غیررویة المخاطب.

یہ (علم سلوک) بہت گہرا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں مکاشفہ کی کشتی کے بغیر اس سمندر میں سفر کرنا درست نہیں اور یہ ایک سیاہ رات ہے جس میں مشاہدہ کے چاند کے طلوع ہونے کے بغیر سفر کرنا درست نہیں۔ یہ علوم ضروری اور بدیہی ہیں تجربے تواتر کے ساتھ اصحاب ریاضت سے ثابت ہیں۔ جنہوں نے تخلیہ کو لازم سمجھا اور وہ بیداری میں وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور وہ مخاطب کو دیکھے بغیر اس کا کلام سن لیتے ہیں۔ اب ان حضرات کے واقعات دیکھئے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی۔

1: الحاوی للفتاوی ۲: ۳۴۳

قال الشیخ عبدالقادر الجیلانی رایت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر فقال لی یا بنی لم لا تکلم؟قلت یا ابتاہ!انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء بغداد فقال افتح فاک ففتحته فتفل فیه سبعا وقال

تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظھر وجلست وحضرنی خلق کثیر فارتج علی فرایت علیا رضی اللہ عنہ قائما باذائی فی المجلس فقال لی مثل ماقال رسول اللہ ﷺ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر سے پہلے حضور اکرمؐ کی زیارت کی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بیٹا تم بات کیوں نہیں کرتے۔ عرض کیا ابا جان! میں عجمی ہوں فصحائے بغداد کی طرح کلام کیسے کر سکتا ہوں۔ فرمایا اپنا منہ کھول۔ میں نے منہ کھولا۔ حضور ﷺ نے سات مرتبہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اللہ کی طرف دعوت دے پھر میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ ایک ہجوم میرے گرد جمع ہو گیا۔ پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے وہی کچھ فرمایا جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

یہی واقعہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کفایۃ المعتقد صفحہ ۳۸ پر درج فرمایا ہے۔

۲: الحاوی للفتاوی ۲: ۲۴۴

قال فی ترجمتہ الشیخ خلیفہ بن موسی النھر ملکی کان کثیر الرویتہ لرسول اللہ ﷺ یقظتہ ومنا مافکان یقال ان اکثر افعالہ متلقاۃ منہ ﷺ اما یقظۃ اما مناما وراہ فی لیلتہ واحدۃ سبع عشرۃ مرۃ.

شیخ خلیفہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ خواب اور بیداری میں کثرت سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اور کہا جاتا تھا کہ ان کے اکثر کام حضور ﷺ کی تلقی سے ہوتے تھے خواہ تلقی خواب میں ہو یا بیداری میں اور انہوں نے حضور ﷺ کو ایک رات میں سترہ مرتبہ دیکھا۔

۳: علامہ الکمال الادفوی نے اپنی کتاب الطالع السعید میں لکھا ہے:

کان مشهورا بالصلاح وله مكاشفات وكرامات كتب عنه ابن دقيق العيد وابن النعمان والقطب العسقلاني وكان يذكرانه يرى النبي ﷺ ويجتمع به

''وہ بہت صالح مشہور تھے۔ ابن دقیق العید ابن النعمان اور قطب عسقلانی نے ان کے مکاشفات اور کرامات کا ذکر کیا ہے۔''

وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی اور مجلس کی''۔

۴: شیخ عبدالغفار بن نوح نے اپنی کتاب الوحید میں فرمایا۔

كان للشيخ ابى العباس المرسي وصله بالنبي ﷺ اذا سلم على النبي ﷺ رد عليه السلام ويجادبة اذاتحدث معه

شیخ ابی العباس المرسی کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوتی تھی۔ جب آپ سلام کہتے تو حضور اکرم ﷺ جواب دیتے اور حضور سے گفتگو کرتے تو حضور ﷺ اس کا جواب دیتے تھے۔

۵: ابن فارس کی کتاب المنح الالہیہ فی مناقب السادہ الوفائیہ میں ہے۔

قال (اى ابن فارس) كنت وانا ابن خمس سنين اقراء القران على رجل يقال له الشيخ يعقوب فاتيته يوما فرايت النبي ﷺ يقظته لامنا ما وعليه قميص ابيج قطن ثم رايت القميص على فقال لى اقراء فقرات عليه سورة والضحى والم نشرح ثم غاب عنى فلما ان بلغت احدى وعشرين سنه احرمت لصلوٰة الصبح بالقرافه فرايت النبي ﷺ قبالته وجهي فعانقني وقال لى واما بنعمة ربك فحدث.

ابن فارس کہتے ہیں کہ جب میں پانچ برس کا تھا تو شیخ یعقوب سے قرآن مجید پڑھتا تھا ایک روز میں ان کے پاس آیا تو میں نبی کریم ﷺ کو عین بیداری میں دیکھا۔

آپ ﷺ نے ایک سفید سوتی قمیض پہن رکھی تھی پھر میں نے دیکھا کہ وہ قمیض میں نے پہنی ہوئی ہے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پڑھ! میں نے سورۃ الضحی کی اور الم نشرح پڑھی پھر حضور ﷺ غائب ہو گئے۔ جب میری عمر 21 برس کی ہوئی میں نے قرانہ میں صبح کی نماز کی نیت باندھی تو میں نے حضور ﷺ کو اپنے سامنے دیکھا پھر حضور ﷺ نے معانقہ فرمایا اور فرمایا اپنے رب کی نعمت بیان کر۔

۶: معجم شیخ برہان الدین بقاعی میں بیان ہوا ہے۔

قال حدثنی الامام ابوالفضل بن ابی الفضل النویری ان سید نور الدین الایحی والدالشریف عفیف الدین لما وردالی روضته الشریفه قال السلام علیک ایهاالنبی ورحمة الله وبرکاته سمع من کان بحضرته قائلا من القبر یقول وعلیک السلام یا ولدی

کہتے ہیں امام ابوالفضل النویری نے مجھ سے بیان کیا کہ سید نور الدین جب روضہ اطہر پر حاضری دیتے تو کہتے السلام علیک ایھا النبی ﷺ۔ جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ قبر مبارک سے یہ آواز سنتے کہ وعلیک السلام یا ولدی۔

۷: حافظ محبّ الدین بن النجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے جس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی صفحہ نمبر ۲۴۷ پر بیان فرمایا ہے۔ کہ شیخ عبدالواحد بن عبدالملک نے بیان فرمایا کہ:

حججت وزرت النبی ﷺ فبینا انا جالس عندالحجرة اذادخل الشیخ ابوبرکـ الدیار بکری ووقف بازاء وجه النبی ﷺ وقال السلام علیک یا رسول الله فسمعت صوتا من داخل الحجرة وعلیک السلام یا ابابکر وسمعه من حضره

میں نے حج کیا اور نبی ﷺ کی زیارت کی جب میں روضہ اطہر کے پاس بیٹھا ہوا

تھا۔ ابوبکر دیار بکری آئے اور مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا السلام علیک الخ۔۔۔ میں نے روضہ اطہر کے اندر سے یہ آواز سنی وعلیک السلام الخ۔۔۔ اور میرے علاوہ جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی یہ آواز سنی۔

۸: طبقات الشعرانی ۲: ۳۷ سید محمد شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں بیان کیا۔

وکان رضی الله عنه کثیر الرویا لرسول الله ﷺ وکان یقول قلت لرسول الله ﷺ ان الناس یکذبوننی فی صحته رویتی لک فقال رسول الله ﷺ من کذبک فیها لایموت الایهودیا اونصرانیا اومجوسیا.

سید محمد شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کیا کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! لوگ میری رویت کا انکار کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے تیری تکذیب کی وہ یہودی یا نصرانی مجوسی ہو کر مرے گا۔

۹: طبقات شعرانی ۲: ۷۵

وکان (ای شاذلی رحمةالله علیه) یقول رایت النبی ﷺ فساله عن الحدیث المشهور اذکرالله حتی یقولوا مجنون وفی صحیح ابن حبان اکثروا من ذکر الله حتی یقولوا مجنون فقال ﷺ صدق ابن حبان فی روایة وصدق راوی اذکر والله فانی قلتهما معامرة قلت هذا ومر قلت هذا

سید محمد شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کی زیارت کی اور مشہور حدیث اذکروا اللہ الخ۔۔۔ کے متعلق پوچھا کہ ابن حبان نے اکثروا من ذکر اللہ لکھا ہے تو حضور نے فرمایا کہ ابن حبان بھی سچا ہے اور پہلی حدیث کا راوی بھی سچا ہے میں نے ایک دفعہ وہ الفاظ کہے اور دوسری مرتبہ دوسرے الفاظ۔

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ پھر رسول ﷺ اور میرے مابین حجاب حائل ہو گیا اور رویت ختم ہو گئی تھی۔

وکنت اشتغلت بقراۃ جماعۃ فی الفقہ ووقع بینی وبینھم جدال فی ادحاض حجج بعض العلماء فترکت الاشتغال بالفقہ فقلت یا رسول اللہ الفقہ من شریعتک فقال بلی ولکن یحتاج الی ادب بین الائمۃ.

میں ایک جماعت کو فقہ پڑھانے میں مشغول تھا میرے اور ان کے درمیان بعض علماء کے دلائل کے بارے میں اختلاف واقع ہو گیا۔ میں نے فقہ کا مشغلہ چھوڑ دیا۔ پھر میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا حضور ﷺ! کیا فقہ کا علم آپ کی شریعت میں نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں مگر فقہا کے دلائل کے رد کرنے میں ادب اور احتیاط لازم ہے۔

10: طبقات شعرانی ۱:۱۶

قال (ای عبداللہ بن ابی جمرہ) انا اجتمع بالنبی ﷺ یقظہ

عبداللہ بن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ بیداری میں زیارت اور مجلس کرتا رہتا ہوں۔

۱۱: طبقات ۲:۸۸

ومنھم سیدنا شمس الدین الحنفی یقول رایت جدی رسول اللہ ﷺ فی خیمہ عظمہ والاولیا یجیئون فیسلمون علیہ واحد ابعد واحد

ان میں سے ایک شمس الدین حنفی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے جد بزرگوار یعنی حضور اکرم ﷺ کو ایک بڑے خیمہ میں دیکھا اور دیکھا اولیاء کرام ایک ایک کر

کے آتے ہیں۔اور سلام عرض کرتے ہیں۔

۱۲: طبقات ۲: ۱۴۷

ومنهم الشيخ مخلص ولما حج وزار النبي ﷺ سمع رد السلام من رسول الله ﷺ

ازاں جملہ شیخ مخلص ہیں۔ جب انہوں نے حج کیا اور روضہ اطہر پر حاضری دی تو حضور اکرم ﷺ سے سلام کا جواب سنا۔

۱۳: الیواقیت والجواہر ۲: ۱۳۲ میں

ومنهم وطی یقول رایت رسول الله ﷺ فی الیقظه بضعا وسبعین مرة وقلت له فی مرة منها هل انا من اهل الجنة یا رسول الله ﷺ فقال نعم فقلت من غیر عذاب یسبق فقال لک ذلک قال الشیخ العطیه وسالت الشیخ جلال الدین السیوطی مرة ان یجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لی فقال لی یا عطیه انا اجتمع بالنبی ﷺ یقظة واخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب ﷺ عنی.

ازاں جملہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ فرماتے ہیں۔میں نے رسول کریم ﷺ کو بیداری میں ستر سے زائد مرتبہ دیکھا۔ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں جنتی ہوں؟حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔پھر میں نے عرض کیا بغیر کسی عذاب کے؟فرمایا تمہارے لئے ایسا ہی ہے۔شیخ عطیہ کہتے ہیں۔میں نے علامہ سیوطی سے ایک مرتبہ اپنی ایک ضرورت کے سلسلے میں سلطان غوری سے ملنے کو کہا تو علامہ سیوطی نے فرمایا کہ میں بیداری میں حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں اگر میں سلطان غوری کی خدمت میں جاؤں تو مجھے حضور ﷺ سے شرم آتی ہے۔

۱۴: الیواقیت والجواہر ۱: ۹ میں

وسئل الحافظه ابو عبدالله الذهبي عن قول الشيخ محي الدين ابن العربي رحمة الله عليه في كتابه الفصوص انه ماصنفه الا باذن من حضرت النبويه ﷺ فقال الحافظ ما اظن ان مثل هذا الشيخ محي الدين يكذب اصلامع ان الحافظ الذهبي كان من اشد المنكرين على الشيخ وعلى طائفته الصوفية هو وابن تيمية.

علامہ ذہبی سے شیخ محی الدین ابن عربی کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا کہ "میں نے کتاب فصوص حضور اکرم ﷺ کے حکم سے تصنیف کی" حافظ ذہبی نے کہا میں یہ گمان نہیں کرسکتا کہ شیخ محی الدین جیسا شخص جھوٹ بولے حالانکہ علامہ ذہبی ایسے شخص ہیں جو ابن عربی اور صوفیاء کے سخت مخالفت ہیں۔ وہ اور ابن تیمیہ دونوں شدید مخالفین میں سے ہیں۔

اور طبقات شعرانی میں شیخ علامہ عبداللہ بن ابی جمرہ سید شمس الدین حنفی ! الشیخ مخلص اور کئی دیگر اولیائے کرام کے حالات میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات حالت بیداری میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کلام روحانی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح الیواقیت والجواہر میں متعدد اولیائے کرام کے متعلق کلام بالا رواح کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان حضرات کی ملاقات مکالمہ اور استفادہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب ہم ایک ایسی ہستی کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے یہاں خوب جانی پہچانی ہے اور وہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

تفہیمات الٰہیہ ۲۴۹

1: سالته ﷺ سوالا روحانيا عن معنى قوله كنت نبيا وآدم منجدل

بين الماء والطين ففاض علىء روحي من روحه الكريم الخ

۲:سالته ﷺ سوالا روحانيا عن معني قوله كان في عماء.

۳:سالته ﷺ سوالا روحانيا عن التسبب وتركها ايهما احسن لي ففاض منه حضور ﷺ على روحي الخ

۴:سالته ﷺ سوالا روحانيا عن سر تفضيل الشيخين على علىؓ مع انه اشرفهم نسبا واقجاهم حكما واشجعهم جنانا والصوفيته اكثرهم ينتسبون اليه ففاض على قلبي منه ﷺ وجهين وجها ظاهرا ووجها باطنا فالوجه الظاهر اقامه العدل في الناس وتاليفهم وارشادهم الى ظاهر الشريعته وهما بمنزلة الجوارح في ذلك والوجه الباطن الى مراتب الفناء والبقاء وعلوم الرويته كلها انما تنبع من الوجه الظاهر.

۱:میں حضور اکرم ﷺ سے "کنت نبیاء" الخ حدیث کے معنی کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا تو حضور ﷺ کے روح پرفتوح سے میرے دل پر القا ہوا۔الخ

۲:میں نے حضور اکرم ﷺ سے "کان في عماء" کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا۔

۳:میں نے حضور اکرم ﷺ سے روحانی طور پر سبب کے اختیار اور ترک کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوا۔الخ

۴:میں نے حضور اکرم ﷺ سے حضرت علیؓ پر شیخینؓ کی تفضیل کے راز کے متعلق روحانی طور پر عرض کیا کہ حضرت علیؓ نسب کے اعتبار سے افضل ہیں۔ فیصلہ کے اعتبار سے اقضی ہیں اور سب سے زیادہ شجاع ہیں اور صوفی تمام کے تمام انہیں کی طرف منسوب ہیں۔تو حضور اکرم ﷺ سے میرے قلب پر القا ہوا کی میری نبوت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر ایک باطن ظاہری پہلو کا تعلق لوگوں میں عدل قائم کرنا ان

کی تالیف اور ان کی ہدایت کا سامان کرنا ہے۔ اس معاملے میں وہ دونوں (شیخینؓ) میرے دست وبازو کی حیثیت رکھتے ہیں اور باطنی پہلو کا تعلق فنا وبقاء کے مراتب وغیرہ سے ہے۔ مگر ان سارے پہلوؤں کا منبع اور ماخذ ظاہری پہلو ہے۔ یعنی شریعت ہے۔

تفہیمات الٰہیہ ۲: ۴۵

سالته ﷺ سوالا روحانیا عن الشیعته فاوحالی ان مذھبھم باطل وبطلان مذھبھم یعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندھم ھو المعصوم المفترض الطاعته الموحی الیه وحیا باطنیا وحذا ھو معنی النبی فمذھبھم سیلزم انکار ختم النبوۃ:

میں نے حضور اکرم ﷺ سے شیعہ کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ لفظ ''امام'' سے ظاہر ہے۔ جب میں نے غور کیا تو یہ راز مجھ پر کھلا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے۔ اور اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس پر باطنی وحی ہوتی ہے۔ اور یہی اوصاف نبی کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے عقیدہ سے انکار ختم نبوت لازم آتا ہے۔

تفہیمات الٰہیہ ۲: ۴۵

سئالته ﷺ عن ھذہ المذاھب وھذہ الطرق ایھا اولی عندہ بالا خذواحب ففاض علی قلبی نه ﷺ ان المذاھب والطرق کلھا سواء ولافضل لواحد علی الاخر.

میں نے حضور اکرم ﷺ سے ان مذاہب (مذاہب اربعہ) اور چار سلسلوں (تصوف) کے متعلق سوال کیا کہ ان میں سے افضل کون سا ہے اور آپ کو سب سے زیادہ پسند کون سا ہے۔ تو حضور ﷺ کی طرف سے مجھ پر القا ہوا کہ تمام مذاہب اور تمام سلسلے یکساں ہیں۔ اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔

تفہیمات الٰہیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیسیوں واقعات درج ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار علمی اور دینی مسائل میں حضور ﷺ کی روح پرفتوح سے استفادہ کیا جس کا واحد ذریعہ کلام بالا رواح تھا۔

اس کے بعد زمانی اعتبار سے اور قریب آ جایئے۔

نقش حیات مدنی صفحہ ۷۰ اور شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۶۱۔

''مواجہ شریفہ میں جب کہ آپ بیدار ہیں آنحضرت ﷺ کی زیارت اس طرح ہوتی ہے کہ آپ میں اور ذات اقدس سرور کائنات ﷺ میں کوئی حجاب کسی قسم کا نہیں ہے۔''

اور شیخ الاسلام نمبر صفحہ 164 پر مولانا رشید احمد صدیقی بیان کرتے ہیں:

''کہ حضرت مدنی نے تقریباً دو بجے شب راقم الحروف اور چوہدری محمد مصطفےٰ انسپکٹر مدارس کو طلب فرمایا دونوں فوراً حاضر ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھائی اصحاب باطنی نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر دیا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ جو تقسیم کے مخالف ہیں کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں اور جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کی تبلیغ پوری قوت سے کریں گے۔''

بلغۃ الحیران صفحہ ۸ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رایت رسول الله ﷺ عانقني وذهب بي في معانقته على الصراط (اى پلصراط) رايت ان رسول الله كتب لي ضمينته ختم عليه بيده المبارك وكان معه اكثر الاكابر دعوت عندبيت الله الحرام ثم جئت عند رسول الله ﷺ فقلت الصلوة والسلام عليك يا

رسول اللہ فعانقنی ﷺ وعلمنی اللطاف والا ذکار ورایتہ انہ یسقط فامسکتہ واعصمۃ عن السقوط وقعدت عند مزار الامام اربانی فقال لی فی المکاشفہ بیان مسئلہ التوحید اعلیٰ درجتہ عن السلوک ورایت الانبیاء کلھم من آدم الی نبینا ﷺ کلھم ینادون یا علی نداء ان من دعا غیر اللہ تعالٰی معتقدا انہ یعلم ویسمع فھو کافر۔

میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے مجھے بغل میں لے لیا اور پل صراط پر چل دیئے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے میرے لئے ضمانت نامہ لکھا اور اپنے دست مبارک سے اس پر مہر لگائی اور آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے اکابر تھے۔ میں نے بیت اللہ کے پاس دعا کی پھر حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ میں سلام عرض کیا۔ حضور ﷺ نے معانقہ فرمایا اور مجھے لطائف واذکار سکھائے اور میں نے دیکھا حضور اکرم ﷺ گرنے لگے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو تھام لیا اور گرنے سے بچالیا۔ اور امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بیٹھا تھا۔ آپ نے مکاشفہ میں فرمایا سلوک سے بھی اونچا درجہ مسئلہ توحید کا بیان ہے۔ اور میں نے حضرت آدم سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک تمام انبیاء کی زیارت کی تمام انبیاء کرام علیھم السلام نہایت بلند آواز سے فرما رہے ہیں کہ جو شخص غیر اللہ کو اس عقیدے کے ساتھ پکارے کہ وہ جانتا اور سنتا ہے وہ کافر ہے۔

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلام بالا رواج کی اصل شریعت میں موجود ہے اور حضور اکرم ﷺ کے صحیح جانشینوں کو حضور ﷺ کی یہ میراث بطور انعام باری ملتی رہی ہے۔ اور ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کلام بالا رواج کی اصل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور صحابہ کرام ؓ

سے اس پر عمل کرنے کی کثیر مثالیں ملتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اولیاء کرام کی مقدس جماعت نے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ ؓ کی اس سنت پر عمل کیا۔ یہ سنت مدت سے قریباً مردہ ہو چکی تھی جس نے اس مردہ سنت کا احیاء کیا وہ تو حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہے اس کے برعکس جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت حضور ﷺ کی سنت کا انکار کرتے ہیں۔ صحابہؓ کے عمل اور ان کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مقدس جماعت جس کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے ان کا انکار کرتے ہیں اور ان پر طعن کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ایسے منقول واقعات کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا ماحصل قابل غور ہے:

ان الذاكرين لهه المناقب ليسوا ممن لا يعتمد عليه اوممن لايكون حجته في النقل بل ائمته الاسلام عند الاتام الذين يرجع الى اقوالهم في المهمات وتجعل اخبارهم من القطعيات كابي نعيم وابن كثير والسمعاني وابن حجر المي وابن حجر العسقلاني والسيوطي وعلي القاري وشمس العلماء الردى اوالنووي' وعبدالوهاب الشعراني وشيخ الاسلام الذهبي ومن يحذحذ وهم افترى هولاء قدر جوافي تصانيفهم مايرى انه كذب اواعتمد واعلى نقل ماينقله ارباب الكذب كلا والله هم ائمته محتاطون لا يناقشون فيما يكتبون فان شككت في ذلك فارجع الى الطبقات ينكشف لك احوال صدق هولاء الثقات ..وان وقوع مثل هذا وان استبعد من العوام لكن لا يستبعد ذلك من اهل

اللہ تعالیٰ فانھم اعطوا من ربھم قوۃ ملکیتہ وصلوابھا الی ھذہ الصفات لا ینکرہ الامن ینکر صدور الکرامات وخوارق الصادرۃ ...المتعسف لا ینفعہ شیئی وان طولنا ھنالک۔ فانشک فی ذلک شاک علم قطعا انہ متعصب خارج عن حد الخطاب لا یلیق معہ الاالزجر والعتاب۔

یہ ناقلین حضرات ایسے نہیں کہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے اور ایسے نہیں کہ ان کی نقل کو حجت قرار نہ دیا جائے بلکہ وہ ائمہ اسلام ہیں اور لوگوں کے لئے ستون ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ اہم امور میں ان کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے بیان کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔ جیسے ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ' سمعانی رحمۃ اللہ علیہ' ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ' ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ' علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ' ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ' شمس العلماء کردی رحمۃ اللہ علیہ' نووی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور اسی پایہ کے لوگ ہیں۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ان حضرات نے اپنی تصانیف میں جھوٹ ملا دیا ہے یا جھوٹے لوگوں کی نقل پر اعتماد کر بیٹھے ہیں۔ خدا کی قسم، ایسا ہرگز نہیں وہ امام ہیں بڑے محتاط ہیں اور جو لکھ دیتے ہیں اس میں مناقشہ نہیں کیا جاتا اور تجھے اس میں شک ہو تو طبقات کی طرف رجوع کر تجھ پر ان معتبر حضرات کی صداقت کھل جائے گی۔ عوام سے تو ایسی باتوں کا امکان ہے۔ لیکن ان اہل اللہ سے ان باتوں کا امکان نہیں کیونکہ انہیں اپنے رب کی طرف سے قوت ملکیہ عطا ہوئی ہے اور اس قوت کی وجہ سے ان صفات تک پہنچے ان کا انکار صرف وہی کرتا ہے جو کرامات کے صدور کا منکر ہو اور جہاں تک جاہل متعسف کا تعلق ہے اسے کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی اس امر میں شک کرے تو وہ قطعی طور پر متعصب ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس سے گفتگو کی جائے وہ تو زجر و توبیخ کے لائق ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔ الحاوی للفتاوی ۲:۳۳۹

قال (ای ابن ابی جمرہ) والمنکر لهذا لایخلو اما ان یصدق بکرامات الاولیاء اویکذب بها فان کان ممن یکذب بها فقد سقط البحث معه فانه یکذب ماالبته السنته بالدلائل الواضحته وان کان مصدقا بها فهذه من ذلک القبیل لان الاولیاء یکشف لهم بخرق العادۃ عن اشیاء فی العالمین العلوی والسفلی عدیدۃ فلاینکر هذا مع التصدیق بذالک

ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا منکر یا تو کرامات اولیاء کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب۔ اگر تکذیب کرتا ہے تو اس سے بحث فضول ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کو جھٹلا رہا ہے جو سنت سے واضح دلائل سے ثابت ہے اور اگر وہ تصدیق کرنے والا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اولیاء پر تو عالم سفلی اور علوی سے خرق عادت کے طور پر بیشمار چیزیں منکشف ہوتی ہیں اور اس تصدیق کے ساتھ انکار جمع نہیں ہوسکتا۔

پھر صفحہ ۲۰۱ پر فرماتے ہیں

وان اعتبر مثل هذاالشک ارتفع الامان عن کتب التواریخ واسماء الرجال فانهم یکتبون

اگر اس قسم کا شک معتبر قرار دیا جائے تو تاریخ اور اسماء رجال کی کتابوں سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ واقعات لکھے ہیں۔

اور الرفع والتکمیل کے صفحہ ۶۴ پر فرماتے ہیں۔

ومن زعم ان الناس اتفقوا علی الخطاء فی ذلک فهو اولیٰ بالخطاء منهم ولولا جواز الاعتماد ذلک لتعطل کثیر من المصالح قلت

من کذب العلماء المتقدمین فھو اکذب الکاذبین.

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ان حضرات نے غلط باتوں پر اتفاق کر لیا ہے تو وہ خود ایک بہت بڑی غلطی کا شکار ہے اگر ان حضرات پر اعتماد نہ کیا جائے تو بے شمار امور میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں جو علماء متقدمین کی تکذیب کرتا ہے وہ بہت بڑا کذاب ہے۔

ان حضرات کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف قبور اور کلام بالا رواح کا انکار کرنا نری جہالت ہے ایسا منکر اس قابل نہیں کہ علمی سطح پر اس سے کوئی گفتگو کی جائے۔

اس سلسلے میں ایک پہلو ابھی تشنہ ہے کہ یہ نعمت صرف مخصوص حضرات کو ہی کیوں عطا کی جاتی ہے۔

اس کی حکمت حافظ ابن قیم نے بیان فرمائی ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۸۱)

فاذا شاء اللہ سبحانہ ان یطلع علی ذلک بعض عبیدہ اطلعہ و غیبۃ عن غیرہ اذلو اطلع العباد کلھم لزالت کلمتہ التکلیف والایمان بالغیب و لما تدافن الناس کما فی الصحیحین عنہ ﷺ لولا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر ما اسمع

جب اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو (عذاب قبر) پر مطلع کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ اور بعض بندوں سے پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ اگر تمام لوگوں کو مطلع کر دے تو مکلف ہونے اور غیب پر ایمان لانے کا سوال اٹھ جائے اور لوگ دفن کرنا چھوڑ دیتے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا! اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا۔ جیسا کہ میں سنتا ہوں۔

اور صفحہ نمبر ۸۲ پر فرماتے ہیں۔

فرؤیتہ ھذہ النار فی القبر کرؤیتہ الملائکۃ والجن تقع احیانا لمن

شاء الله ان یریہ ذلک۔

قبر میں جہنم کی آگ کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا ملائکہ اور جنوں کو دیکھنا۔ جب اللہ چاہے کبھی کبھی دکھا دیتا ہے۔

اور صفحہ ۸۱ پر فرماتے ہیں۔

وقدرة الرب تعالیٰ اوسع واعجب من ذالک وقدارانا الله من ایات قدرتہ فی هذه الدار ماهو اعجب من ذالک بکثیر ولکن النفوس مولعته بالتکذیب بمالم تحط به علما الامن وفقه الله تعالیٰ وعصمه ..فلیس مع الزنا دقته والملاحدة الامجرد تکذیب الرسول۔

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بھی وسیع اور عجیب ہے اس نے اس دنیا میں ہمیں اپنی قدرت کی ایسی کثیر نشانیاں دکھائی ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر عجیب ہیں۔ لیکن انسان جن باتوں کا علم نہیں رکھتا۔ ان کی تکذیب کی احمقانہ جرائت کر بیٹھتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جسے اپنے فضل سے بچالے۔ زندیق اور ملحد رسول اللہ کی تکذیب کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی ہے۔ (فتح الباری) ۱۵۲:۳

والظاهر ان الله تعالیٰ صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذالک وسترة عنهم ابقاء علیهم لئلا یعد فنوا ولیست للجوارہ الدنیویته قدرة علیٰ ادراک امور الملکوت الامن شاء الله تعالیٰ۔

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے مشاہدہ سے عام لوگوں کی نگاہ کو روک رکھا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ دفن کرنا ہی چھوڑ دیں اور ان مادی اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں دی گئی کہ عالم ملکوت کے امور کا مشاہدہ کرسکیں۔

فوائد: حافظ ابن قیم کے بیان سے چند امور کے وضاحت ہوتی ہے:

ا: عذاب وثواب قبر کے متعلق اللہ تعالےٰ اپنے خاص خاص بندوں کو مطلع فرماتے ہیں۔

۲: عوام کو مطلع نہ کرنے میں حکمت یہ کہ اس دار التکلیف میں ایمان بالغیب کا سوال اٹھ جاتا اور لوگ ڈر کے مارے مردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دیتے۔

۳: عذاب وثواب قبر کا تعلق عالم ملکوت سے ہے عالم کونی سے نہیں لہذا کشف قبور کشف کونی نہیں جن حضرات نے اسے کشف کونی کہا ہے انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔

۴: کشف قبور میں اموات اور عذاب وثواب کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے جنات اور ملائکہ کو دیکھنا۔ کیونکہ روح اور عذاب وثواب قبر بھی لطیف اور جنات وملائکہ بھی لطیف ہیں۔

۵: عذاب وثواب قبر بھی ملکوت سے ہے اور عالم ملکوت کی چیزیں مادی آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں اور باتیں مادی کانوں سے نہیں سنی جاسکتیں۔ بلکہ اس کا ذریعہ قلب اور روح کی آنکھیں اور کان ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ کو عطا ہوتی ہیں اس لئے کشف قبور اور کلام بالارواح اللہ کے خاص بندوں کا حصہ ہے۔

۶: کشف قبور اور کشف ملائکہ کا انکار صرف ملحدین، زندیق اور مکذبین رسول ہی کرتے ہیں۔

گزشتہ صفحات میں اولیائے کرام کے متعدد واقعات درج کیے گئے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مکالمہ یا معانقہ یا مصافحہ کیا اور حضور ﷺ سے استفادہ کیا۔

اس سلسلے میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول پیش کر دینا ضروری ہے جو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے (الحاوی للفتاوی ۲: ۲۵۳)۔

فحصل من مجموع هذه النقول والاحديث ان رسول الله ﷺ حي بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث يشاء في اقطار الارض وفي الملكوت وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يبدل منه شئي وانه مغيب عن الملائكه مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع لحجاب عمن اراد اكرامه برويته راه علىٰ هيئته التي هو عليها لا مانع من ذلک ولاداعي الى التخصيص برويته المثال۔

ان ساری احادیث اور منقولات کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہیں آپ زمین کے جس حصے میں اور عالم ملکوت میں جانا چاہیں جاسکتے اور تصرف کر سکتے ہیں جیسا زندگی میں کر سکتے تھے۔ اور آپ ﷺ اسی ہیئت میں زندہ ہیں جس ہیئت میں قبل از وفات تھے اس میں تغیر نہیں آیا اور آپ ایسے ہی پوشیدہ ہیں جیسے ملائکہ جو کہ زندہ ہیں۔ جب اللہ چاہے اور جس شخص کے لئے حجاب اٹھا دیتا ہے اور اسے حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف کرتا ہے اور وہ شخص حضور اکرم ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں اور عالم مثال سے اس رویت کا کوئی تخصص نہیں۔

الحاوی للفتاوی ۲:۴۲۰

قلت اظهر من هذا ان يحمل على الحالته التي تعترى ارباب الاحوال ويشاهدون فيها مايشاهدون ويسمعون ما يسمعون والصحابته رضى الله عنهم هم رئوس ارباب الاحوال۔

میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ ارباب حال کو یہی حالت پیش آتی ہے اور اسی حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سنتے ہیں جو سنتے ہیں صحابہ کرامؓ اور وہ تو ارباب حال کے سردار ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱: حضور اکرم ﷺ روح مع الجسد کے زندہ ہیں۔

۲: حضور اکرم ﷺ کی یہ حیات ایسی ہے کہ عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔ جیسے ملائکہ زندہ ہیں مگر عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔

۳: جب اللہ تعالے اپنے کسی خاص بندے کو حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرانا چاہتا ہے تو وہ حجاب اٹھا دیتا ہے۔

۴: اس رویت میں صورت مثالی کی تخصیص نہیں۔

۵: یہ ساری باتیں ان احادیث اور علمائے ربانی اور اولیائے کرام سے منقول واقعات کا ماحصل ہے جو اس سلسلے میں مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچی ہیں۔

اس کے باوجود اس حقیقت کے انکار میں جو آوازیں اٹھ رہی ہیں یا اٹھائی جا رہی ہیں اس کا سبب کیا ہے؟۔

سید محمد حریری بیونی نے اپنی کتاب الروح وماہیتہا صفحہ 46 پر بیان کیا ہے:

وانما الناس ینکرون هذه الکرامات لکثافته حجابهم وتلبسهم بالذنوب وتعلقهم بالدنیا وانهم یریدون الاطلاع علےٰ اسرار الاولیاء مع استحالته ذلک لماهم فیه اخص بالذکر منهم جفاة العلماء المتمسکین بالعرض الدنیوی الزائل الاشحاء بطبعهم المتعاکفین علی ابواب الحکام والامراء یریدون ان یرواهذه الاسرار بنفوسهم الملوثه ولما لم یصلوا الی شئی منها ینکرون الکرامات ویحصرونها فی علمهم الظاهری المحدود وکلهم اوغالبهم شرووبال علےٰ انفسهم وعلی الناس فهم کبنی اسرائیل

یومنون بالانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام ولما یرونھم ینکرون جحدا او حسدا وبغضا اعاذنا اللہ منھا۔

لوگ ان کرامات کا انکار بوجہ حجاب کی کثافت گناہوں کی آلودگی اور دنیا سے تعلق کے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ اولیاء کے اسرار سے مطلع ہو جائیں جو بحال ہے ان منکرین میں ان ظالم علماء کا ذکر خصوصیت سے آتا ہے جو عارضی دنیوی اغراض سے چمٹے ہوئے ہیں جو حریص الطبع ہیں اور حکام اور امراء کے دروازوں پر جبہ سائی کررہے ہیں۔ پھر چاہتے ہیں کہ ان اسرار کو دیکھ لیں حالانکہ ان کے نفوس ان آلودگیوں سے ملوث ہیں جب انہیں یہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی تو کرامات اولیاء کا انکار کردیتے ہیں اور اسے محدود علم ظاہری میں محصور سمجھتے ہیں وہ سب کے سب یا غالب اکثریت اپنی جانوں کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے شر اور وبال ہیں اور وہ بنی اسرائیل کی مانند ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر جب انہیں دیکھتے ہیں تو حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

طبقات شعرانی ۲:۷۵ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

رائیت رسول اللہ ﷺ فقال لی عن نفسہ لست بمیت وانما موتی عبارۃ عن تستری عمن لا یفقہ عن اللہ تعالیٰ واما من یفقہ عن اللہ فھا انا اراہ ویرانی

میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی مجھے حضور ﷺ نے خود فرمایا میں مردہ نہیں ہوں میری موت عبارت ہے اس شخص سے پوشیدہ ہونا جس کو اللہ کی طرف سے بصیرت حاصل نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ بصیرت دے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔

اور تفسیر جمل (۴: ۲۰۱)

قال القرطبي والذي يزيح الاشكال ماقاله بعج مشائخنا ان الموت ليس بعدم محض بالنسبته بالا نبياء عليهم الصلوة والسلام والشهداء فانهم موجودون احياء وان لم نراهم .

قرطبی کہتے ہیں کہ وہ جواب جو اشکال کو زائل کر دیتا ہے۔ وہ بات ہے جو ہمارے بعض مشائخ نے فرمائی ہے کہ موت بہ نسبت انبیاء اور شہداء کے عدم محض نہیں کیونکہ وہ زندہ موجود ہیں اگر چہ ہم نہیں دیکھتے۔

اسی طرح کتاب الروح: صفحہ ۴۳

ان موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنابحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء وذلك كالحال في الملائكه فانهم احياء موجودون ولا نراهم.

ابن قیمؒ نے فرمایا انبیاء کی موت کے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ ہم سے غائب کئے گئے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اگر چہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں اور یہ زندگی ان کی مثل فرشتوں کے ہے پس وہ فرشتے زندہ ہیں موجود ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے۔

اور آخر میں صاحب روح المعانی کا ایک قول سن لیجئے۔ کرامات اولیاء کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهذا امر مقرر عندالسادة الصوفية مشهور فيما بينهم وهو غيرطى المسافة وانكار من ينكر كلا منها عليهم مكابرة لاتصدر الامن جاهل اومعاند.(روح المعانی ۲۳ : ۱۳)

اور یہ بات بڑے بڑے صوفیوں میں مشہور ہے اور درست اور یہ مسافت کو طے کئے بغیر ہے اور جو شخص اس انکار کرتا ہے وہ صرف اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا کرتا

ہے اور یہ حرکت صرف ایک جاہل اور دشمن، ضدی، عنادی ہی کر سکتا ہے۔

علماء میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اختلاف رائے رکھنے کے باوجود حق وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء مطابق ۷ شوال المکرّم موضع چکڑالہ میں قاضی شمس الدین صاحب تشریف لے گئے۔ مسجد غازی خیل میں بعد جمعہ انہوں نے تقریر فرمائی۔ سینکڑوں کا مجمع تھا۔ موافق ومخالف سب موجود تھے۔ قاضی صاحب کو حاجی عبداللہ اور مولوی سلیمان صاحب نے دعوت دی تھی۔ مولوی صاحب نے ہماری کتاب ''اسرارالحرمین'' قاضی صاحب کے سامنے میز پر رکھ دی۔ غرض یہ تھی کہ قاضی صاحب اس کتاب کے خلاف تقریر فرمائیں اور ان کے عقیدہ انکار کرامات اولیاء کو تقویت پہنچے گی۔ قاضی صاحب نے کتاب کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے ایک غلطی کے نشاندہی کی کہ کتاب میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکالمہ درج ہے جو روحانی طور پر ہوا۔ اس میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے کلام میں ایک لفظ ''شکیت'' درج ہے مگر لفظ ''شکوت'' ہونا چاہیے۔ کیونکہ صحیح عربی لفظ یہی ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ تو فصحائے عرب میں سے تھیں۔ مگر قاضی صاحب نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کو کلام کے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا کاتب سے سہو ہوا۔ اس کے علاوہ باقی کتاب بالکل صحیح ہے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں پھر اپنا واقعہ بیان کیا میں مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا۔ محمد طاہر پنج پیری اور ایک اور شخص بھی موجود تھا کہ آپ کا لانگری نور محمد کشمیری روتا روتا آیا ہاتھ میں ایک خط تھا مولانا نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضرت میری والدہ فوت ہو گئی ہے۔ مولانا نے

یہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند رکھیں اور فرمایا کہ تمہیں کسی نے دھوکا دیا ہے۔ تمہاری ماں زندہ ہے اس وقت اپنے گھر کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے لیکن دیکھنا یہ بات میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا پھر نور محمد گھر گیا تو واقعہ ہو بہو ایسا ہی پایا جیسے مولانا نے اپنے کشف سے فرمایا تھا۔

قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ میں 24 سال تک مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس فن کی تحصیل کے لئے حاضر ہوتا رہا۔ مگر میری قسمت میں نہیں تھا مجھے حاصل نہ ہو سکا۔ مگر اپنی محرومی کی وجہ سے اصل شے کا انکار کر دینا کہاں کی دانائی ہے۔ صوفیہ کے منازل سلوک کے متعلق کتابوں کے حوالے پیش کروں مگر وقت کی قلت مانع ہے البتہ صوفیاء کو اپنے منازل کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کو نقصان ہوتا ہے اس پر مولوی محمد سلیمان صاحب نے کہا کہ صوفیہ تو ظاہر کر دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ بعض ایسے منازل ہیں کہ سالک ان مقامات سے آگے ترقی کر جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

O

۲۱

آدابِ مُریدین مع الشیخ

حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کی حالت۔

صحابہؓ اور اطاعتِ رسول ﷺ۔

صحابہؓ اور تعظیم نبویؐ۔

صحابہؓ اور محبت رسولؐ۔

صحابہ کرامؓ کا باہمی حفظِ مراتب۔

تصوف وسلوک ادب ہی ادب ہے۔

اخذِ فیض کے لئے آداب۔

آدابِ مُریدین مع الشیخ

زندگی یوں تو گزر ہی جاتی ہے مگر سلیقہ سے گزاری جائے تو اس کا لطف اس کے ثمرات اور اس کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے' اسی طرح ہر کام کے کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے' کچھ آداب ہوتے ہیں' انہیں ملحوظ رکھا جائے تو مطلوبہ فوائد حاصل ہونے کی توقع یقینی ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت ایک ایسی بڑی مہم ہے۔ جو اپنی جگہ نازک بھی ہے اور مسلسل جدوجہد کی متقاضی بھی۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی عظیم نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اپنے محسن اعظم اور مربی اعظم حضرت محمدؐ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے سلسلے میں اہم ہدایات دینے کا اہتمام فرمایا ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

یاایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔ ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرالھم۔ الخ

اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز کے اوپر' اور اس سے نہ بولو کھل کر جیسے کھلتے ہو ایک دوسرے پر' کہیں اکارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر نہ ہو۔

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے' وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ صبر کرتے' جب تک تو نکلتا ان کی طرف' تو ان کو بہتر تھا۔

ان آیات کے تحت الابریز صفحہ ۲۴۳ اور عوارف المعارف ا:۵۹ پر لکھا ہے کہ:

ھکذا اداب المرید فی مجلس الشیخ ان یکون مسلوب الاختیار لایتصرف فی نفسه وماله الابمر جعة الشیخ وامره۔

شیخ کی مجلس میں مرید کو چاہئے کہ ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ شیخ کے سامنے اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے۔ اپنی جان اور مال میں شیخ کے مشورہ اور حکم کے بغیر تصرف نہ کرے۔

شیخ کا کام بہ نیابت نبوت اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت اور تزکیہ کرنا ہوتا ہے اور شاگردوں کا کام صحابہ کرامؓ کے اتباع میں حصول فیض ہوتا ہے۔ اس لئے تصوف وسلوک میں یہی آداب اصل اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ فرمایا:

وللقوم فی ذلک اقتداء واتباع برسول الله ﷺ واصحابه ومن صح اقتداء ہ واتباعه برسول الله ﷺ احبه الله تعالیٰ کما قال قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله۔

اور صوفیائے کرام اس مسئلہ میں رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کرتے ہیں اور جس شخص نے صحیح طور پر حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی وہ خدا کا محبوب بن گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اے میرے حبیب یہ بات برملا کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

اس اتباع اور اس کے ثمرات کی صحیح تفسیر صحیحین میں یوں ملتی ہے:۔

ماتقرب الی عبدی بمثلماافترضت علیه ولایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته فاذا احبته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها وبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی۔

میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے اس میں سے محبوب ترین وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے مرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اس وقت میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے' آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پھر وہ مجھی سے سنتا' دیکھتا' پکڑتا اور چلتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بندے کا اصل کام اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اس کا ذریعہ اتباع نبوی ﷺ میں فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت ہے' اس کا نتیجہ اللہ کا محبوب بن جانا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کا ارادہ اور پسند' اللہ کے ارادہ اور پسند میں فنا ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس کے اعضا حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔ حقیقت میں اللہ تعالےٰ کی ذات کار فرما ہوتی ہے۔ اور **مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی** کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے معاملہ کرنے کے آداب کی تعلیم دی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضور ﷺ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ نے ان آداب کا عملی مظاہرہ کس صورت میں کیا۔ وہی آداب شیخ کے سلسلے میں سالکین کے لئے اصل بھی ہیں اور قابل تقلید بھی۔ بلکہ دین کا شعبہ ہیں۔ اگر یہ آداب دین سے خارج ہوتے تو یقیناً نبی کریم ﷺ صحابہ کو منع فرما دیتے۔

اب ہم حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کے بیٹھنے کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے چند مناظر پیش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام کی حالت

عن براء بن عازب قال فجلس النبی ﷺ مستقبل القبلتہ و جلسنا معہ کان علیٰ رؤسنا الطیر

(ایک مجلس میں) نبی کریم ﷺ قبلہ رخ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے' مگر کیفیت یہ تھی جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

اور لمعات شرح مشکوۃ میں ہے کہ:

ہیئت در نشستن صحابہ کرام در حضرت رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم در احادیث بسیار امدہ و مذکور است

حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام ؓ کی یہ صورت بہت سی حدیثوں میں آچکی ہے۔

مجلس میں بیٹھنے کی یہ صورت تب پیدا ہوتی ہے جب:

۱: آدمی کی توجہ شیخ کی ذات پر مرکوز رہے۔

۲: خیالات اور نگاہ اِدھر اُدھر نہ بھٹکتی پھرے۔

۳: کان اس طرف لگے رہیں کہ جانے کس وقت کوئی بات مرکز توجہ زبان سے نکلے اور سن کے پلے باندھ لی جائے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ حالت صرف اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو مصدر ہدایت سمجھتے' اور اپنے آپ کو محتاج جانتے تھے۔ اسی نظریہ کے تحت سالک کو اپنے شیخ کی مجلس میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ:

۱: اپنے قلب کا رخ شیخ کی طرف ہو۔ خیالات اور نگاہ کو آوارہ ہونے سے بچائے۔

۲: جو سالک سلوک کی اعلیٰ منازل میں جا رہے ہوں وہ اپنی آخری منزل پر توجہ کر کے بیٹھیں کہ شیخ کے سینے سے فیض انعکاسی عمل کے ذریعے انہیں پہنچ رہا ہے۔

۴: جو سالک لطائف کر رہے ہوں انہیں اپنے لطائف پر خیال رکھ کر بیٹھنا چاہئے اور قلب کا رابطہ شیخ کے ساتھ جوڑ لینا چاہئے تا کہ اُدھر سے فیض اِدھر آنے لگے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور اطاعت رسول ﷺ

عن جابر قال استوی رسول الله ﷺ علی المنبر قال اجلسوا فسمع ابن مسعود فجلس علی باب المسجد فراٰہ رسول الله ﷺ فقال تعال۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو فرمایا "بیٹھ جاؤ" ابن مسعودؓ نے جب حضور ﷺ کی آواز سنی تو مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ حضور کی نگاہ پڑی تو فرمایا "آگے آجاؤ"

اور خصائص الکبری ۱:۱۶۵ پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن عائشه قالت ان النبی ﷺ جلس یوم الجمعته علی المنبر فقال للناس اجلسوا فسمعه عبدالله بن رواحه وهو فی بنی غنم فجلس مکانه

جمعہ کے روز حضور ﷺ منبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کے کان میں یہ آواز پڑی۔ تو آپ اس وقت قبیلہ بنی غنم میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔

ان دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں حضور ﷺ کے حکم تعمیل کا جذبہ کس درجے کا تھا۔ بیٹھنے یا بٹھانے کی علت دریافت کی' نہ اس کی علت کے متعلق سوچا' بس آواز سنی اور تعمیل کر دی۔

صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے ارباب تصوف نے یہ ادب سیکھا کہ اگر شیخ کا حکم نصوص کے خلاف نہ ہو تو علت دریافت کیے بغیر شاگرد کو تعمیل کرنی چاہئے بعض اوقات شاگرد

کے ذہن میں وہ علت نہیں ہوتی جو شیخ کے ذہن میں ہوتی ہے' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ میں موجود ہے۔

صحابہ کرام اور تعظیم نبویؐ

نسیم الریاض شرح شفا ۲:۲۶۵

توفي معاوية رضي الله عنه بالشام حاكما بهاسنة ستين وعمره ثمان وسبعن اوست وسبعون سنة وكان عنده ازار رسول الله ورداء وشئي من شعره وظفره فكفن برداءه وازاره وحشي شعره وظفره بفيه ومنخره بوصيته منه.

امیر معاویہؓ 76 یا 78 سال کی عمر میں ۶۰ھ میں شام میں فوت ہوئے جبکہ آپ وہاں کے حاکم تھے ان کے پاس حضور ﷺ کی دو چادریں کچھ بال اور ناخن تھے۔ ان چادروں میں ان کو کفن دیا گیا اور ناخن اور بال ان کے منہ اور ناک میں رکھ دیئے گئے یہ سب کچھ ان کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔

عوارف المعارف ۱:۳ ۱۰ پر ہے کہ ایک چادر امیر معاویہؓ نے کعبؓ بن زہیر کی اولاد سے 20 ہزار درہم کے بدلے خریدی تھی۔ امیر معاویہؓ نے کعبؓ سے یہ چادر مانگی تھی' مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا ان کی وفات پر ان کی اولاد سے 20 ہزار میں خرید لی۔ واقعہ یوں ہے کہ جب کعبؓ مسلمان ہوئے تو:

فرمى رسول الله ﷺ بردة كانت عليه فلما كان زمن معاويته بعث اليه اى الى كعب بن زهير بعنابردة رسول الله ﷺ بعشرة الاف درهم فوجه اليه ما كنت لاوثر بثوب رسول الله ﷺ احدا فلما مات كعب بعث معاوية الى ولاده بعشرين الفا واخذ البردة وهى البردة الباقته عندالامام الناصر الدين الله اليوم عادت بركانها على ايام الزاهرة.

حضور ﷺ نے وہ چادر جو اوڑھ رکھی تھی کعبؓ کی طرف پھینک دی جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو آپؓ نے دس ہزار درہم میں یہ چادر خرید نا چاہی۔ کعبؓ نے جواب دیا اس چادر کا میں اپنے آپ سے زیادہ حقدار کسی کو نہیں سمجھتا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سے امیر معاویہؓ نے 20 ہزار میں خرید لی اور ہاتھوں ہاتھ چلتی آئی۔ حتیٰ کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے زمانہ میں مصر کے خلیفہ الناصر لدین اللہ کے پاس پہنچ گئی۔

ان روایات سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے لباس کی بھی تعظیم کرنی چاہئے۔ محبت اور ادب کا یہی تقاضا ہے:

نسیم الریاض ۳: ۱۵۷ اور روض الانف ۲: ۳۲۱ میں حضور اکرم ﷺ کے ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ نے ہرقل روم کے نام بھیجا۔ ہرقل باوجود عیسائی ہونے کے آداب الانبیاء سے واقف تھا۔ اس نے اس خط کی حفاظت اور تعظیم کی وصیت کر دی تھی۔

ان هرقل وضع الكتاب الذى كتبه رسول الله فى قصبه من ذهب تعظيماله وانهم لم يزالو يتوارثونه كابرا عن كابر

ہرقل روم نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو بڑے احترام و تعظیم سے سونے کی ایک نلکی میں رکھا ہوا تھا اور رومی بادشاہوں کے پاس یہ خط یکے بعد دیگرے ورثے میں آتا رہا۔

اور فتح الباری میں۔

وقال هذا كتاب نبيكم الى جدى قيصر مازلنا نتوارثه الى الان واوصانا اباؤنا مادام هذاالكتاب عندنا لايزال الملك فينا فنحن نحفظه ونعظمه ونكتمه من النصارى ليدوم الملك فينا.

عیسائی بادشاہ نے کہا یہ خط تمہارے نبی ﷺ کا ہے۔ جو انہوں نے ہمارے جد امجد قیصر کی طرف لکھا تھا۔ہم اب تک اس خط کو میراث میں لیتے آئے ہیں۔ ہمارے اجداد نے ہمیں وصیت کی تھی کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا حکومت ہم میں قائم رہے گی۔اس لئے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں تعظیم کرتے ہیں اور پوشیدہ رکھتے ہیں' تا کہ ہماری حکومت محفوظ رہے

فتح الباری میں یہ بیان اس واقعہ کے سلسلے میں جو قاضی نورالدین بن صائغ دمشقی نے بیان کیا کہ خلیفہ منصور عباسی نے مجھے ایک عیسائی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا' اس نے ایک صندوق میں سے سونے کی ایک نلکی نکالی جو ریشمی رومال میں لپٹی ہوئی تھی اور اس نلکی میں سے وہ خط نکالا جس کا ذکر اوپر کی عبارت میں کیا گیا ہے۔ میں نے اس خط کو چومنا چاہا مگر بادشاہ نے اجازت نہ دی کہ خط بوسیدہ ہو چکا ہے ضائع ہو جائے گا اور اس کے ضائع ہونے سے ہماری حکومت قائم نہیں رہ سکے گی۔

اہل اللہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا' جس طرح حضور ﷺ کے خط کی تعظیم کی وجہ سے مادی حکومت محفوظ رہی اسی طرح شیخ کے خط کی حفاظت اور تعظیم سے سالک کی روحانی حکومت محفوظ رہتی ہے۔ اسی وجہ سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کی سینکڑوں نقلیں کر کے محفوظ کر لی گئیں۔ اس کے مقابلے میں خسرو پرویز نے حضور اکرم ﷺ کے خط کی توہین کی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے کر دیئے اور حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ

بخاری ۱:۳۸ مقام حدیبیہ میں:

وماتنخم النبی ﷺ نخامتہ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک وجھہ وجلدہ

صحابہ کرام حضور ﷺ کی تھوک زمین پر نہ گرنے دیتے تھے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر مل لیتے تھے۔

اور بخاری ۱:۳۱

واذاتوضاء النبی ﷺ کادوایقتتلون علی وضوئہ

جب حضور ﷺ وضو کرتے تو جو پانی گرتا اس کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ جھپٹتے تھے۔

ایسے واقعات اس امر کے دلیل ہیں کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے انتہائی محبت تھی۔

صحابہ کرامؓ کا باہمی حفظ مراتب اور تعلیم نبوی ﷺ کا لحاظ رکھنا

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے گھر جا کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کا دستور یہ تھا کہ دروازہ نہ کھٹکھٹاتے باہر بیٹھتے بلا اطلاع دیے انتظار کرتے رہتے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ گراں گزری، چنانچہ:

فقال لہ ابی یوما ھلا دققت الباب یا ابن عباس فقال العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ وقد قال اللہ تعالی فی حق نبیہ علیہ الصلوۃ والسلام ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرالھم وقد رایت ھذہ

القصه صغیر افعملت بموجبه مع مشائخی۔ (روح المعانی)

ایک روز حضرت ابی ؓ نے فرمایا' ابن عباسؓ دروازہ کھٹکھٹا دیا کریں۔انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی قوم میں وہی مقام رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں فرمایا اگر وہ انتظار کریں کہ حضور ﷺ خود ان کی خاطر گھر سے نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا" میں نے یہ قصہ بچپن میں دیکھا' اور اپنے مشائخ کے ساتھ میں نے اسی کے مطابق رویہ اختیار کیا۔

اور محدث طبرانی اور حاکم نے اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیا العلوم میں باب آداب طالب علم ومعلم میں بیان کیا ہے کہ امام شعبی نے بیان کیا کہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھی' پھر اپنے خچر پر سوار ہونے لگے تو عبداللہ بن عباسؓ نے دوسری رکاب تھام لی۔آپ نے فرمایا۔اے حضورﷺ کے چچازاد بھائی رکاب کو چھوڑ دیں۔آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ علماء اور مشائخ کی تعظیم اسی طرح کریں ۔اس پر حضرت زیدؓ نے ان کے ہاتھ چوم لئے کہ ہمیں بھی یہی حکم ملا ہے۔

شیخ سے ملاقات کی غرض سے شاگرد باہر سے آئے تو اس کے لئے آیت ولو انھم صبروا' اور صحابہ کرام کے عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا شروع کردے بلکہ اس وقت تک انتظار کرے جب شیخ اپنے معمول کے مطابق باہر ملاقات کے لئے نکلے' ہاں اگر کوئی ضروری امر پیش آجائے تو اندر اطلاع کرا دے پھر بھی آوازیں نہ دینے لگے نہ تقاضا کرے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے واقعی شاگردی کا حق ادا کر دیا اور حضور ﷺ سے محبت' آپ کی تعظیم اور آپ کی اتباع کی ایسی مثالیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک اللہ والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں

گی اور محبت اور اتباع نبویؐ کے میدان میں اس اوج کمال تک پہنچے کہ ان کی تقلید تو ضروری ہے مگر وہاں تک پہنچنا بس انہی کا کام تھا ۔

کرو ند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدند　　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تصوف وسلوک از ابتدا تا انتہا ادب ہی ادب ہے

شیخ اور سالک کا تعلق بظاہر استاد اور شاگرد کا سا نظر آتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حصول تعلیم کے سلسلہ میں ایک شاگرد کے دل میں اگر استاد کا احترام موجود نہ ہو جب بھی حصول علم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، مگر ایک سالک کو اپنے شیخ سے جس قسم کا قلبی تعلق ہوتا ہے اس میں اگر معمولی سا فرق بھی آ جائے تو حصول فیض میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخ جب سالک کو توجہ دینے لگتا ہے تو جہاں رحمت باری شیخ کی طرف متوجہ ہوتی ہے وہاں رضائے باری تعالیٰ بھی شیخ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں شیخ کے واسطہ سے سالک کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ سالک خواہ کتنے بلند منازل طے کر جائے اس کی باگ ڈور شیخ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جیسے کاغذ کی پتنگ ہوا میں خواہ کتنی بلند ہو جائے اس کی ڈور اڑانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب چاہے اسے اُتار لے۔

اس تعلق کو عوارف المعارف جلد دوم صفحہ ۱۶ پر اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

التصوف کله ادب ولکل وقت ادب ولکل حال ادب ولکل مقام ادب ومن یلزم الادب یبلغ مبلغ الرجال ومن حرم الادب فهو بعید من الله ومردود۔

اور تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے، ہر وقت کے لئے ادب ہے، ہر حال اور ہر

مقام کے لئے ادب ہے' جس نے ادب کو لازم پکڑا' وہ مردان خدا کے درجے پر پہنچا' اور جو ادب سے محروم ہوا وہ خدا سے دور اور مردود ہوا۔

ظاہری علوم اور تصوف میں ایک اور فرق بھی ہے کہ استاد کے بغیر بھی کسی نہ کسی درجے کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے' مگر تصوف وسلوک کی راہ میں شیخ کامل کی رہبری کے بغیر چلنا محال اور قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنا ناممکن۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر میں فرمایا ہے:

وفی ھذا البدل اشارۃ ان الصراط المستقیم لا یعانی بدون متابعہ اھل الصراط المستقیم ولا یکفی فیہ الزبر والا وراق.

وھذا یدل علی ان المرید لا سبیل لہ الی الوصول الی مقامات الھدایۃ والمکاشفۃ الا اذا اقتدی بشیخ یھدیہ الی سواء السبیل ویـنـجیہ من مواقع الاغالیط والاضلال وذالک لان النقص غالب علی اکثر الخلق وعقولھم غیر وافیہ بادراک الحق وتمییز الصواب عن الغلط فلا بد من کامل یقتدی بہ الناقص بنور عقل ذالک الکامل فحینئذ یصل الی مدارج السعادۃ ومعارج الکمال.

اس بدل میں اشارہ ہے کہ انسان صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا جب تک اس راہ پر چلنے والے سابقہ لوگوں کی اتباع نہ کرے۔ اس راہ پر چلنے کے لئے صرف کتابوں کی ورق گردانی کام نہیں دے سکتی۔

اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مرید طالب کے لئے ہدایت کے مقامات اور مکاشفات تک پہنچنے کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں کہ کسی شیخ کامل کا اقتدء کرے جو اس کی رہنمائی کریگا اور اسے غلطیوں اور گمراہیوں سے بچائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ نقص اکثر مخلوق پر غالب ہے اور صرف عقل انسانی ادراک حقیقت کے لیے ناکافی اور حق اور باطل میں کماحقہ، تمیز کرلینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔ لہذا یہ ضروری ٹھہرا کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کی اقتداء کرے تاکہ اس ناقص کی عقل کامل کے نور عقل سے کامل بن جائے اور ناقص سعادت کے مدارج اور کمال کے اوج تک پہنچ سکے۔

اس آیت کی تفسیر سے ظاہر ہے شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں اور سالک کا مقصد وصول الی المحبوب ہوتا ہے۔

اور ارشاد ربانی **والذین امنو اشد حباللہ**

تحت رب العالمین ہی مومن کا محبوب ہے۔ اور شیخ چونکہ محبوب تک پہنچانے والا ہے اس لئے، شیخ بھی محبوب ہے، جس شیخ نے خدا کو سالک کا محبوب بنایا اور وہ خدا کا محبوب بنا جیسے فرمایا: **یحبھم ویحبونہ** ، ایسا شیخ کیوں نہ محبوب ٹھہرے، لیکن شیخ کی محبت اور اظہار محبت میں حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرط محبت میں شیخ کو خدا سمجھنے لگے یا شیخ کو سجدہ کرنے لگے، اول شرک اور ثانی قطعی حرام۔

یہ ضروری نہیں کہ شیخ لازماً مرید سے علم میں بڑا ہو یا ورع تقوی میں زیادہ ہو۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ شیخ سے جو علوم حاصل کرتا ہیں۔ ان میں شیخ لازماً کامل اور مکمل ہو۔ دیکھ لیجیے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضر علیہ السلام کے مقابلے میں علم اور ورع تقوی میں کہیں بڑھ کر تھے۔ مگر وہ خاص علم حاصل کرنے کے لئے حضرت حضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے۔

شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مرید سے ہر حال میں شریعت کی پوری پابندی کرائے، کیونکہ شریعت سے ہٹ کر طریقت کا تصور زندقہ اور الحاد ہے۔

جامع کرامات اولیاالله جلد نمبرا صفحہ نمبر ۱۱۵ پر ارشاد ہے۔

قال الشیخ ابو العباس لم تکن الاقطاب اقطابا والاوتاد اوتادا والاولیاء اولیاء الابتعظیم رسول الله صلی الله علیه وسلموموز فتهم به واجلالهم لشریعته وقیامهم باداته.

شیخ ابو العباس نے فرمایا کہ قطب قطب نہیں ہو سکتا، نہ اوتاد، اوتاد ہو سکتے ، ہیں اور نہ کوئی ولی ولی ہو سکتا ہے، جب تک کہ اس کے دل میں حضور ﷺ کی تعظیم نہ ہو اور آپ کی شریعت اور اس کے احکام بجا نہ لائے۔

کسی شیخ سے تعلق رکھنے اور مدتیں گزر جانے کے باوجود اگر سالک کے دل میں نہ شریعت سے لگاؤ پیدا ہو نہ اسلامی شعائر کی تعظیم کا جذبہ اور نہ شریعت کے احکام کی پابندی کا شوق پیدا ہو تو نہ ایسا شخص شیخ کامل ہے نہ ایسا مرید سالک مخلص۔

سالک کو احکام شریعت کی پابندی کرنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کا خوگر بنانے اور اتباع سنت کا شوق پیدا کرنے کے بنیادی کام کے ساتھ ساتھ شیخ کو اپنی بصیرت سے سالک کے قلب کی زمین کا جائزہ لینا چاہیے۔ اس کی فطری صلاحیت کے مطابق اس کی روحانی تربیت کرنی چاہیے۔ ذکر الٰہی بالخصوص ذکر اسم ذات سے اس کی روحانی تربیت شروع کرے جیسے ایک زمیندار زمین کی نوعیت کے مطابق اس میں تخم ریزی کرتا ہے اور اس بیج سے فصل اُگتے، نشوونما پاتے اور پھل دیتے ہیں اسی طرح جب سالک کے قلب میں ذکر اسم ذات راسخ ہو جائے گا تو اسے اعلیٰ منازل سلوک کی طرف رہنمائی کرے گا۔ پھر شیخ، سالک کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کسی کو ذکر لسانی کرائے، کسی کو لطائف کسی کو فنا و بقا اور سلوک کی اعلیٰ منازل کی طرف لے جائیگا۔ اگر شیخ کامل تمام سالکین کو شروع ہی سے سب لطائف کرانا شروع کر دے تو یہ

محض دعوت عام کے فرض کی ادائیگی کی ایک صورت ہے' جس میں کسی کی تخصیص نہیں ۔ ہاں! لطائف کے بعد سلوک کے اونچے منازل سالک کی استعداد کے مطابق ہی کرائے جاتے ہیں۔ اور یہ صورت حضور اکرم ﷺ کی اس سنت کے عین مطابق ہے کہ۔ "کلموا علیٰ قدر عقل الناس"

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 44 پر فرمایا ہے:

ورتبته المشیخته من اعلی الرتیب فی طریقته الصوفیته ونیابته النبوۃ فی طریق الدعوۃ الی اللہ وینبغی ان یکون دعوته یدعو لکل احدعلی الاطلاق۔

مشیخت کا مرتبہ تصوف کے اعلےٰ مراتب سے ہے۔ اور دعوت الی اللہ کے سلسلے میں نیابت نبوت کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے شیخ کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو دعوت عام دے۔

روحانی تربیت کا عمل اس طرح کیا جائے جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے' بلکہ شیخ کی شفقت ماں باپ کی شفقت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر جلد 1 صفحہ ۲۶۱ پر فرمایا:

ان الشیخ مقدم وافاتها والام لان الاباء والامهات یحفظونه من نار الدنیا وافاتها والمشائخ یحفظونه من نار الاخرۃ واشتدادها۔

شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے' کیونکہ ماں باپ دنیا کی آگ اور اس کی آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ کی آگ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں۔

علامہ ابراہیم عبیدی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'عمدۃ التحقیق فی بشائر آل الصدیق کے صفحہ ۳۳۰ پر فرمایا:۔

الولد علی قسمین ولدصلب وولد قلب وعندالعارفین ولدالقلب

مقدم علی ولد الصلب

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے۔ نسبی اور قلبی صوفیاء عارفین کے نزدیک قلبی اولاد نسبی سے مقدم ہے۔

قلبی اولاد کی اس برتری کی وجہ یہ ہے کہ والد نسبی اپنی اولاد کے بدن کی پرورش مادی غذا سے کرتا ہے اور یہ دونوں فانی ہیں اور شیخ سالک کی روحانی تربیت ذکر الٰہی کی غذا سے کرتا ہے۔ اور یہ دونوں غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی چیز سے مقدم ہے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کامل کے اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔

بکار نیک گردد یاور تو — بکوئے نیک نامی رہبر تو

چنیں یارے کہ یابی خاک او شو — اسیر حلقہ فتراک او شو

مکن با صوفیان خام یاری — کہ باشد کار خاماں خام کاری

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ ایک تو روحانی باپ ہے دوسرا استاد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ سے سالک کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔

اخذ فیض کے لئے آداب

ا: شیخ کامل سے اخذ فیض اور کامل تربیت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ طالب کے دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو اور وہ پوری استقامت سے اس پر جما رہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں۔

جامع کرامات اولیاء اللہ جلد نمبر **1** صفحہ **248** پر ارشاد ہے:

ینبغی للمرید ان یکون راسخ القدم لا یزیحه کل سئی عما هو فیه ولایبدل اعتقاده فی شیخه بوجه من الوجوه اصلاحتی لو جاء خضر علیه السلام لا یلتفت الیه۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ راسخ القدم ہو اسے کوئی چیز اس راہ سے ہٹا نہ سکے اور اپنے شیخ کے متعلق اس کی عقیدت میں تبدیلی نہ آئے حتیٰ کہ اگر حضرت خضر ... بھی سامنے آ جائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرے۔

یہ صورت اس وقت ضروری ہے جب ایک طرف شیخ کامل ہو اور دوسری طرف طالب صادق ہو اور اگر کسی وجہ سے ناقص آدمی سے کوئی طالب صادق تعلق قائم کر لے اور اسے کوئی روحانی فائدہ نہ پہنچے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود ناقص ہے وہ دوسرے کو کیا سلوک سکھائے گا تو ایسی صورت میں طالب صادق کو کسی شیخ کامل کی تلاش کر لینی چاہئے۔ ورنہ یہ ثابت ہوگا کہ وہ طالب مولیٰ نہیں شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ شیخ کامل اور نہ طالب صادق تو یہ تعلق محض ایک "سیپ" ہوگی جس کا تصوف و سلوک سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلی صورت میں طالب صادق کو یہ دیکھ لینا چاہئے

کہ جس شیخ سے اس کا تعلق ہے اس کے ہزاروں مریدوں میں سے اگر چند ایک بھی ایسے نہیں ملتے جن کو سلوک کی راہ میں ترقی حاصل ہوئی تو بس سمجھ لیجئے کہ شیخ کے ناقص ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ایسے شیخ کو ترک کرنا فرض ہے۔ شیخ کامل تو ان لوگوں کو اللہ کے فضل سے عارف باللہ بنا دیتا ہے جن کی زندگیاں اس سے پہلے فسق و فجور میں گزری ہوں۔

۲: شیخ سے غلط بیانی نہ کرے بات صاف صاف کرے

الصدق اجمل و احسن و لاتستعمل الکذب ایاک و الکذب علی الشیخ (جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 348)

سچ بات بہت اچھی اور عمدہ چیز ہے اور طالب کو چاہیے جھوٹ نہ بولے شیخ کے سامنے اور شیخ کے متعلق جھوٹ بولنے سے بچتے رہو۔

۳: شیخ کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرے حتیٰ کہ شیخ کے کلام راز اور اسرار کے معاملے میں بھی امانت کا ثبوت دے جو شخص معمولی چیزوں میں خیانت کا مرتکب ہو وہ اسرار الٰہی اور مناصب باطنی کے معاملے میں کب امین بنایا جا سکتا ہے اس سلسلے میں بے احتیاطی سے مناصب بھی سلب ہو جاتے ہیں۔

۴: جو کچھ اپنی ذات کے لئے محبوب جانتا ہے شیخ کی ذات کے لئے بھی محبوب جانے۔

۵: شیخ کی بات غور سے سنے اور اس پر دل سے کاربند ہو شیخ کی مجلس میں شیخ کی بات سننے کی نیت سے جائے اپنی بات سنانے کا شوق لے کر نہ جائے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا جو نہایت خاموشی سے شیخ اور رفقاء کی خدمت میں مصروف

ہے۔ میں نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی مجھے ایک رفیق نے بتایا۔

قال ھذا انسان یصحب ابا حفص ویخلمنا وقدانفق علی الشیخ ما
لته الف دوھم کا نت لہ واستزاد مالته الف درھم اخریٰ وانفقھا
علیہ ولم یتکلم بکلمته واحدة

یہ آدمی حضرت ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا ہے اور ہم سب کی خدمت
کرتا ہے۔ اس نے اپنے شیخ کے لئے دو لاکھ درہم خرچ کر دیئے ہیں مگر اب تک شیخ
کے سامنے ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا۔

۶: شیخ سے اس بات کا مطالبہ یا تقاضا نہ کرے کہ مجھے اگلے منازل سلوک میں ترقی دی جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:

انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی فخذما اتیتک
وکن من الشکرین

اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغامات کے لئے چن لیا ہے' اس لئے جو کچھ میں نے
تجھے دیا اسے لے لے اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

اس لئے طالب صادق کو چاہیے کہ جو منازل سلوک طے ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرے' اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ اپنے وعدے کے مطابق اور عطا کرے گا۔

۷: شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہو تو شیخ کے چہرے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھے بلکہ اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر قلبی میں مشغول رہے' یا اپنے منازل کی نگہداشت کرے۔

۸: شیخ سے کوئی بات پوچھے تو سیکھنے کی غرض سے اور طالب علمانہ انداز سے پوچھے' اعتراض کے طور پر کوئی سوال نہ کرے' کیونکہ شیخ پر اعتراض مانع فیض ہے۔

جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں فرمایا:

من لم يعظم حرمت الشيخ في الجواب حرم بركته ومن قال في جواب الشيخ "لا" انه لا يفلح ابدا۔

جس شخص نے شیخ کے جواب کا احترام ملحوظ نہ رکھا' وہ شیخ کے فیض سے محروم ہو گیا۔
اور جس نے شیخ کی بات کے جواب میں "نہیں" کہہ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

اگر شیخ کی رائے سے بہتر کوئی صورت سالک کی معلومات میں موجود ہو تو یوں کہے کہ اس مسئلے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ ممکن ہے وہ بہتر ہو۔

۹: چلتے وقت شیخ کے آگے نہ چلے کما قال تعالی لا تقدموا بين يدی الله ورسوله۔ یعنی اپنے مربی کی عزت اور اس کا احترام کرنا اللہ اور رسول ﷺ کا احترام ہے۔

۱۰: شیخ کی خدمت میں جب حاضر ہو خالی ہاتھ نہ جائے جیسا کہ تهادوا تحابوا میں یہ ادب سکھایا گیا ہے۔ ہاں شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرید کے مال پر نگاہ رکھ کے نہ بیٹھا ہو'اس کو اشراف نفس یا اشراف الی مال المرید کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔

۱۱: شیخ کی عدم موجودگی میں شیخ کے مقرر کردہ خلیفہ کا احترام اسی طرح کرے جس طرح شیخ کا احترام کرتا ہے'اس میں کوتاہی نہ کرے۔ بالخصوص اصحاب مناصب کی عزت اور احترام نہایت ضروری ہے' اور یہ ادب اور احترام حدود شرعی کے اندر ہو۔

۱۲: جس شیخ سے فیض لینا مقصود ہو'اس کے پاس مدعی بن کر نہ جائے۔ اپنے کمالات کا اظہار نہ کرتا رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کیا عمدہ تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ قابل غور ہیں۔

هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا۔

کیا میں آپ کی پیروی اس غرض سے کروں کہ آپ مجھے وہ کچھ سکھائیں جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے۔

اتباع اور اطاعت نہ کرنے سے انسان مرتبہ انسانیت سے گر جاتا ہے۔

فیض الباری ۳: ۲۷۷۔

فالکلب بعد طاعته مالک صارفی حکم المالک ای فی حکم الانسان والمالک بمعصیته مولاء صارا سوء من الکلب.

کتا اپنے مالک کی اطاعت کی وجہ سے انسان کے حکم میں آ گیا اور انسان اپنے رب کی نافرمانی کر کے کتے سے بھی برا بن گیا۔

دیکھئے شکاری کتا سدھانے سے مالک کا پوری طرح مطیع ہو جاتا ہے۔اس لئے جب اسے شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوتا ہے' گویا کتا ذابح انسان کے حکم میں آ گیا۔اور بلعم باعور جیسا انسان اپنے رب کی نافرمانی کر کے جانوروں سے بدتر ہو گیا۔

۱۳: شیخ کی وفات کے بعد بھی شیخ کا ادب اسی طرح کرنا چاہئے جیسے شیخ کی زندگی میں کیا جاتا ہے۔اور شیخ کے رشتہ داروں کا بھی ادب احترام کرنا چاہئے۔

۱۴: شیخ کے سامنے شیخ کے آنے پر کھڑا ہو جانا اظہار ادب کی ایک صورت مروج ہے۔لیکن اس میں اختلاف بھی ہے' اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے جیسا کہ فیض الباری جلد ۴ صفحہ نمبر ۲۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔

واعلم ان القیام للتوقیر رخصته اومستحب اذا کان هذا المعظم یقصده نحوه ویجی الیه واما اذا کان یذهب لحاجته له فلا.

○

۲۲

اَلکَرامات

کرامات اولیاءؒ تواتر سے ثابت ہیں

فرق فاعلی۔ فرق مادی۔ فرق صوری۔

علت غائی۔

کہانت اور جادُو۔

مُعجزہ اور کرامت میں فرق۔

الکرامات

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام افضل ترین اور برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں' وہ خدا کے بندوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے مبعوث ہونے پر یہ دین مکمل ہو گیا اور سلسلہ نبوت ختم ہوا۔ ہر نبی کو اس سلسلے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ پورا معاشرہ اور وقت کی حکومت اور اس کی ہر طاقت انبیاء کے مقابلے میں آواز حق کو دبانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر انبیاء ہمیشہ بے سروسامانی کے ساتھ میدان عمل میں آتے رہے۔ ان کے پاس کوئی مادی طاقت نہیں ہوتی تھی' فوج نہ اسلحہ نہ خزانہ۔ ظاہر ہے کہ طاقت کے مقابلے میں اپنی صداقت اور برتری کا ثبوت مادی طاقت کی برتری کے بغیر کیا ہو سکتا ہے' مگر انبیاء کرام نے اپنی صداقت کی سند کے طور پر ہمیشہ ایسے امور پیش کئے جو خرق عادت سے تعلق رکھتے ہیں انہی کو اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ انبیاء کرام کے معجزات سے تاریخ انسانی بھری پڑی ہے۔ انبیاء کرام کی میراث' ان کی تعلیمات اور انکے معجزات ہوتے ہیں۔ اور اس دنیا سے ان کے رخصت ہو جانے پر ان کی میراث ان کی روحانی اولاد کو منتقل ہوتی ہے' بشرطیکہ وہ روحانی اولاد ان کی کامل متبع ہو' کیونکہ نافرمان اولاد کو تو عاق کر دیا جاتا ہے اور وہ مادی ورثہ سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی کے کامل متبع کو ولی اللہ کہتے ہیں اور اولیاء کرام ہی کو انبیاء علیہ السلام کی روحانی میراث ملتی ہے چنانچہ نبی کا ''معجزہ'' جب ولی کو بطور وراثت پہنچتا ہے' تو اس کا اصطلاحی نام ''کرامت'' ہوتا ہے' جس طرح نبی کا معجزہ اس

کی نبوت کی سند ہوتا ہے اسی طرح ولی کی کرامت اس کی ولایت کی سند ہوتی ہے اور ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا ولی متبع ہوتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین صفحہ ۳۷٦ پر فرمایا:

انما قلنا ان التقی افضل بقله تعالی ان اکرمکم عن الله اتقکم فانبات الکرامة مقرونا بذکر التقوی یدل علی ان الکرامة معللته بالتقوی فحیث کان التقوی اکثر وجب ان تکون الکرامة والفضیلة اکثر

ہم کہتے ہیں کہ تقویٰ افضل ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے کہ تم میں سب سے افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ ولی کی کرامت کا مقرون بالتقویٰ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ بغیر متقی صالح کے کرامات کا صدور محال ہے جہاں تقویٰ زیادہ ہوگا وہاں کرامت وفضیلت بھی زیادہ ہوگی۔

اسی طرح الیواقیت والجواہر ۲:۱۰۳ پر علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لایکون حظ الکرامة لولی الاتبعالمن هو وارثه من الانبیاء ولذالک کان خواص هذه الامة

کرامت صرف اس ولی سے صادر ہوتی ہے جو اپنے نبی کا کامل متبع ہو اسی وجہ سے وہ ولی اس امت کے خواص میں سے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کرامت کا صدور متقی' صالح اور کامل متبع سنت کے بغیر کسی سے نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہی نبی کی صحیح روحانی اولاد ہے۔

اور الیواقیت والجواہر ۱:۱٦۵ پر ہے کہ:

اعطی الله الکرامةللا ولیاء التی هی فرح المعجزات ماکان معجزة لنبی جازان یکون کرامة لولی

اولیاء کرام کو اللہ تعالےٰ نے کرامتیں عطا فرمائی ہیں۔ کرامت فرع ہے معجزہ کی' جو نبی کا معجزہ ہے وہی ولی کی کرامت ہے۔

کرامت گو ولی کی ذات سے صادر ہوتی ہے' مگر حقیقت میں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا وہ ولی کامل متبع ہوتا ہے۔

کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں

اولیائے کرام کا وجود کسی ایک دور یا خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ ہر دور میں اور ہر ملک میں اولیائے کرام پائے جاتے رہے' اس لیئے ان کی کرامات کا وجود بھی ہر دور میں ملتا ہے۔ اسی لئے وہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔

فیض الباری ۴:۱۹۸

فلتواترت الاخبار فیها ای فی الکرامة بحیث لا یسوغ منها الانکار ولکن من یحرم عن الخیر یجعل رزقه انه یکذب بالکرامات والبرکات ویزعمه مستحیلا۔

متواتر اخبار کرامات کے صدور میں اس قدر وارد ہو چکی ہیں کہ ان کا انکار جائز ہی نہیں' ہاں جس کو اللہ تعالےٰ نے اچھائی سے محروم کر دیا ہو اس کا حصہ ہی تکذیب کرامات و برکات اولیاء ہے' اور وہ اسے محال خیال کرتا ہے۔

امام ذہبی جو جماعت صوفیہ کے سخت مخالف ہیں' کرامات اور ان کے انکار کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الله تعالیٰ عزوجل قد اخبرنا وهوا صدق الصادقین والقائلین بان عرش بلقیس عرش عظیم فقال ولها عرش عظیم وماتحیط الان علما بعضا صیلها ای تفصیل عرشها ولا بمقداره ولا بماهیته وقداتی

به بعض رعيته سليمان عليه السلام الى بين يديه قبل ارتداد طرفه كما قال تعالى انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك فسبحان الله العظيم فما ينكر كرامات الاولياء الاجاهل فهل فوق هذه كرامته الى ان قال ولامجال للعقل فى ذلك بل امنا وصدقنا.

(باب العلو والعرش صفحہ ۵۶)

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالے نے ہمیں خبر دی اور اس سے زیادہ سچی خبر دینے والا اور کوئی نہیں کہ بلقیس کا تخت بڑا عظیم تھا۔ اتنا بڑا کہ ہم اس کی تفصیل نہ سمجھ سکتے ہیں' نہ بیان کر سکتے ہیں' نہ اس کی مقدار و ماہیت سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی عظیم تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعیت کا ایک آدمی اٹھا لایا تھا' اور آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اس لئے کرامات اولیاء کا انکار ایک جاہل آدمی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔ بھلا اس عظیم تخت کے آنکھ جھپکنے کی دیر میں لے آنے سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہو سکتی ہے" یہ بات عقل کی دسترس سے باہر ہے' اس لئے ہم اس کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے کہ ہم ایمان لائے اور کرامت اولیاء کی تصدیق کی۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۳ پر امام ذہبی نے کرامات کے تواتر کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔

سمعت الحافظ اباالحسن يقول سمعت الشيخ عزالدين بن عبدالسلام بمصر يقول مانعرف احدا كراماته متواترة كالشيخ عبدالقادر رحمةالله تعالىٰ

میں نے حافظ ابوالحسن سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے مصر میں سنا کہ فرماتے تھے مجھے تواتر کے ساتھ جتنی کرامتیں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی معلوم ہوئی ہیں کسی اور ولی اللہ کی اتنی نہیں پہنچیں۔

امام ذہبی کے بیان سے دو باتیں واضح ہو گئیں کہ:

1: کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں۔

2: کرامات کا انکار صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جو جاہل مطلق ہو۔

ابن الحجر رحمۃ اللہ نے "فتاوی الحدیثیہ" صفحہ نمبر ۱۷۴ پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا:

ان اللہ من علیه من المعارف والخوارق الظاهرية والباطنية ومانباء عنه ماظهر عليه و تواتر من احواله.

اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر جو احسان فرمایا اس کا اظہار ان کے معارف اور ان کی کرامات سے ہوتا ہے اور ان سے جو امور ظاہر ہوئے جو ہم تک پہنچے یہ سب اللہ کا ان پر احسان ہے اور ان کے یہ حالات تواتر کے ساتھ منقول ہوئے ہیں۔

اور امام یافعی نے شیخ کی کرامات کے متعلق "کفایۃ المعتقد صفحہ نمبر ۲۹۵ پر فرمایا:

وقد ذكر بعض اهل العلم ان كراماته قرب من التواتر قلت قرب حصول العلم بوجودها من العلم لاقطعي الحاصل بكثرة الرواة البالغين حدالتواتر المعروف بكثرة المخبرين عنها۔

بعض علماء نے ذکر کیا کہ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات تواتر کے قریب ہیں میں کہتا ہوں کہ ان کی کرامات کے وجود کا علم قطعی طور پر حاصل ہو چکا ہے اور اس کی وجہ ان کرامات کی خبر دینے والے راویوں کی کثرت ہے یہ کثرت حد تواتر تک پہنچتی ہے:

امام ذہبی۔ حافظ ابن حجر اور امام یافعی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی کرامات حد تواتر تک پہنچتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کو علم سے ذرا سا مس بھی ہو وہ متواترات کا انکار نہیں کرسکتا۔

علامہ شعرانی نے اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب صفحہ نمبر ۲۶۱ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ایک قول نقل کیا ہے جو قول فیصل ہے فرمایا:

لا یابی الکرامۃ الا حمار رواہ دیلمی وقال من قول علی رضی اللہ عنہ

کرامت ولی کا انکار صرف ایک گدھا ہی کر سکتا ہے۔

کرامت کے انکار میں معتزلہ سب سے پیش پیش ہیں ان کے علاوہ تاریخ میں دو نام اور ملتے ہیں ابن حزم اور ابو اسحاق اسفرائنی۔ ان کے انکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگر ولی سے کرامت صادر ہو تو نبی کے معجزہ اور ولی کی کرامت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ اس حقیقت کا اظہار ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں صفحہ نمبر ۱۴۵ پر فرمایا ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری میں ۲:۲۱ پر لکھا ہے کہ ابن حزم کرامات کا منکر نہیں تھا' اور کتاب النبوات میں ابن تیمیہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

ثم قال ابن حزم انی قائل باستجابہ الدعاء مع انکارہ الکرامۃ قلت اذا اشتمل الدعاء علی امر خارق للعادۃ فھو الکرامۃ فلم یبق النزاع الا فی التسمیۃ فما الفائدۃ فی انکار الکرامۃ (فیض الباری ۲:۱۱)

ابن حزم نے انکار کرامت کے باوجود یہ کہا کہ میں دعا کی قبولیت کا قائل ہوں' میں کہتا ہوں کہ جب قبولیت دعا خرق عادت کے طور پر ثابت ہوگئی یہی کرامت ہے پھر تنازعہ محض لفظی رہ گیا' پھر ایسے انکار کا کیا فائدہ؟

یعنی حقیقت کرامت کا اقرار ہے اور لفظ کرامت کا انکار۔ حالانکہ کرامت کے لئے یہ شرط تو نہیں دعا کے بغیر ہی ظاہر ہو' بلکہ دعا بھی اکثر بطور کرامت ہوتی ہے۔ صاحب کرامت ولی خدا سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہے' پھر خدا تعالےٰ کی طرف سے اس

چیز کا ظہور ہوتا ہے' جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر نے پہلے خدا سے دعا کی پھر وہ عرش حاضر ہو گیا۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائینی کے رد میں ابن خلدون کہتا ہے:

یہ عقلی احتمال ہے کہ کرامت اور معجزہ میں فرق کیا رہ جائیگا؟ عقلی بحثیں حقائق کو جھٹلا نہیں سکتیں۔ مشاہدات اور واقعات کے سامنے عقلی احتمالات کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ ہزار ہا اولیاء اور صوفیاء سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ ان تمام مشاہدات کو کون غلط ثابت کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی غلطی کرتا ہے تو اس کی وجہ ہٹ دھرمی ضد اور عناد ہے عقلی احتمالات نہیں،

اس موقع پر معجزہ، کرامت، سحر اور کہانت میں فرق واضح کر دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ا: فرق فاعلی

نبی پاکیزہ نفس، پاکیزہ صفات، پاکیزہ اخلاق ہوتا ہے، اس کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ مخلوق کا خیر خواہ' داعی الی اللہ' حق کی طرف رہنمائی کرنے والا صادق القول' پاکیزہ تعلیم دینے والا۔ طالب آخرت۔ تارک الدنیا۔ ذکی الطبع اور عادل ہوتا ہے۔

کاہن وساحر خبیث النفس اور خبیث الصفات ہوتا ہے' اپنے فن سے مخلوق کو نقصان پہنچانے والا بداخلاق' بد اعمال' جھوٹا' دنیا پرست ہوتا ہے۔ وہ حب جاہ' حب مال کا مریض ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

> هل انبئكم علىٰ من تنزل الشيطين تنزل على كل افاك اثيم يلقون السمع واكثرهم كاذبون.

کیا میں بتاؤں کہ شیطان کس پر نازل ہوتے ہیں؟ ہر جھوٹے اور گنہگار پر نازل

ہوتے ہیں وہ ان کی باتوں پر کان لگاتے ہیں۔ اوران میں اکثر جھوٹے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جن کی خبروں کا ماخذ شیاطین ہوں جھوٹ کے بغیر اول بول ہی کیا سکتے ہیں۔ اورشیاطین سے اخذ فیض کرنے والا بدکار کے بغیر کون ہوسکتا ہے؟

۲: فرق مادی

کاہن کے فن کا مدار القائے شیطانی اور امداد ارواح خبیثہ پر ہوتا ہے' جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے۔

نبی کا معجزہ بلاسبب اور بلا کسب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ید بیضا اور عصائے موسیٰ علیہ السلام ان کا سبب رب العلمین کی قدرت اور نبی کی طہارت و پاکیزگی تھی۔

۳: فرق صوری

صورت ہمیشہ اپنے مادہ کے تحت ہوتی ہے۔ مادہ خبیث ہے تو صورت بھی خبیث' کہانت کا مادہ امداد والقائے شیطانی ہے' اس لئے صورت بھی خبیث ہوتی ہے۔

نبی کے معجزہ کا مادہ' رب العالمین کی قدرت ہے تو صورت بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔

۴: علت غائی

علت غائی ہمیشہ ظاہر امر کے تابع ہوتی ہے' جیسے فرعون اور آل فرعون کو غرق کرکے مصر کو کفر وشرک اور ظلم وتعدی سے پاک کرنا مقصود تھا' اور بنی اسرائیل کو اس ظلم سے نجات دلا کر برتری اور فضیلت کے انعام سے نوازنا تھا۔ یہ اس معجزہ کی علت غائی تھی۔

۵: کہانت اور جادو

کہانت اور جادو موقوف ہے کسب اکتساب تعلیم و تعلم اور ذاتی کوشش پر اور نبوت اور معجزہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔

۶: کہانت اور جادو کا تعلق خرق عادت امور سے نہیں۔ ہاں امور عجیبہ وغریبہ سے ہے۔ جس شخص نے یہ علم یا فن نہ سیکھا ہو اس کے لئے تو یہ امور عجیب بھی ہوں گے اور خرق عادت بھی، مگر جس دوسرے شخص یا جن اشخاص نے کہانت یا جادو کا فن سیکھ لیا' اس کے لئے نہ یہ امور عجیبہ ہوں گے' نہ خرق عادت ہوں گے۔

نبی کے معجزہ کے مقابلے میں کوئی انسان یا جن اس پر قادر نہ ہوگا کہ ایسی بات کر سکے۔ کیونکہ معجزہ کا تعلق کسب و اکتساب سے نہیں۔ بلکہ یہ تو وہبی ہوتا ہے۔

۷: جادو کے اثر کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جس پر جادو کیا گیا ہے اگر جادوگر اس سے توجہ ہٹالے تو جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے' معجزہ میں یہ بات نہیں۔

۸: جادوگر جب کسی کامل ہستی کے مقابلے میں آئے' تو اس وقت صرف جادو کا اثر ہی زائل نہیں ہوتا' بلکہ جادو کے تمام آلات بھی نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ساحرین فرعون کے ساتھ ہوا۔ ساحرین کے لیڈر نے اپنے ایمان لانے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہم ہمیشہ جادوگروں سے مقابلہ کرتے آئے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے' یہ منظر کہیں نہیں دیکھا کہ ہماری تمام رسیاں سوٹیاں اور سارے آلات کو لاٹھی والا سانپ نگل گیا۔ اس کے باوجود پھر وہی لاٹھی کی لاٹھی ہی رہی۔

۹: جادوگر کی غفلت سے جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ نبی کے معجزہ کی یہ کیفیت نہیں

ہوتی۔ فیض الباری ۴: ۳۹ پر ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے والد سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے والد نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے ہوں تو ان کا عصا لے لینا' اگر وہ سانپ بن گیا تو معجزہ ہے ورنہ جادو۔

فذهب وجعل يجر عصاه فانقلب ثعبانا وكاد الغلام ان يهلك۔

لڑکا گیا' عصائے موسیٰ لے لیا' وہ سانپ بن گیا۔ قریب تھا کہ لڑکا ہلاک ہو جائے۔

معجزہ' جادو اور کہانت میں جو فرق ہے' ہم نے اجمالی طور پر بیان کر دیا ہے۔

۱۰: معجزہ اور کرامت میں فرق

ولی کی کرامت دراصل اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے' جس کا وہ متبع ہوتا ہے۔ جیسا کہ "الیواقیت والجواہر" کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جب کرامت کے صدور کے لئے نبی کی کامل اتباع شرط ہے تو کرامت ولی' معجزہ نبی کی فرع ٹھہری' اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر عجیب بات جو کسی سے ظاہر ہو' کرامت نہیں ہوا کرتی' بلکہ کرامت کا اطلاق صرف اس خرق عادت امر پر ہوتا ہے جو کسی کامل متبع شریعت سے ظاہر ہو۔ معجزہ کا اظہار نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح کرامت کا صادر ہونا ولی کے اختیار کی چیز نہیں دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے انبیاء اور اولیاء کی برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کر لیتا ہے۔

کرامات کی دو قسمیں ہیں' اول معنوی' جسے اہل دانش و بینش سمجھتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں' اور یہی حقیقی کرامت ہے۔

اعلم ان اعظم الكرامات واجالها التى للاولياء دوام التوفيق

للطاعات و العبادات و الحفظ من المعاصی و المخالفات

خوب سمجھ لو کہ اولیاء کی سب سے بڑی اور عظیم کرامت شریعت کی کامل اتباع اس پر استقامت اور خلاف شرع امور سے بچ کر رہنا ہے۔

ان کی یہ کرامت جب ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے تو اللہ کی مخلوق جو خدا سے دور ہو چکی ہوتی ہے اس کی کشش سے اللہ کی یاد اور اللہ کی عبادت کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ اور ان کے دل میں یقین اور ایمان کی شمعیں روشن ہونے لگتی ہیں۔ اور انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا خیال آنے لگتا ہے۔ رذائل دور ہوتے ہیں۔ اور فضائل کے حصول کا جذبہ اور شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ اولیاء اللہ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ہستی نے بالکل نا مساعد حالات میں دعوت الی اللہ کا کام کر کے ہزاروں بگڑے ہوئے لوگوں کو اللہ کا بندہ بنا دیا۔ عوام تک ہی محدود نہیں' ان بے نوا فقیروں نے بیسیوں شاہان وقت کو راہ ہدایت پر لگا دیا۔

دوسری قسم کرامت حسی ہے۔ یہ عوام کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہے چونکہ ان کی ذہنی سطح پست ہوتی ہے' اس لئے معنوی کرامت کو وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے' اور ان کی نگاہیں حسیات اور مادیات میں ہی اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں دس برس رہا آخر مایوسی کی کیفیت کے ساتھ واپس ہونے لگا' آپ نے وجہ پوچھی' کہنے لگا بڑی شہرت سنی تھی کہ جنید بڑا ولی اللہ ہے مگر دس برس میں ایک کرامت بھی نہیں دیکھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عرصے میں جنید کا کوئی کام ایسا بھی دیکھا جو سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہو؟ کہنے لگا ایسا تو نہیں۔ فرمایا' یہی سب سے بڑی اور حقیقی

کرامت ہے۔

کرامت کے سلسلے میں ایک سوال بعض نابالغ ذہنوں میں ابھرتا ہے اور زبان پر آتا ہے کہ جب ولی کی کرامت اپنے اختیار میں نہیں ہوتی تو کشف قبور بھی اپنے بس کی بات نہیں' کیونکہ کشف بھی تو کرامت ہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں تمام مخلوقات کا مالک اور مختار کل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے انسان کو دیکھنے اسے پیدا کرنا' وجود بخشنا اللہ کے اختیار میں ہے' دیکھنے کے لئے آنکھیں ایک آلہ ہے' آنکھیں دینا اور ان میں بینائی پیدا کرنا صرف اسی کے اختیار میں ہے' پھر دیکھنے کی قدرت دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے آنکھ کو دیکھنے کے لئے استعمال کرنا انسان کا کام ہے جب آنکھیں کھلی ہیں ان میں بینائی بھی ہے تو ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو نظر بھی آئے گی۔ ہاں' اس چیز اور آنکھ کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو جائے تو اور بات ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آنکھ کھلی بھی ہو اس میں بینائی بھی ہو اور دیکھے نہیں اسی طرح جب دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے۔ اور حجاب اٹھ جاتا ہے تو لطیف چیزیں ملائکہ' جن' عذاب وثواب قبر جنت دوزخ اجمالی طور پر نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جو اصول بصارت کے لئے مقرر فرمایا ہے' وہی اصول بصیرت کے دائرے میں بھی کار فرما ہے' جس طرح سر کی آنکھ جو بصارت دیکھنے کے لئے آزاد ہے' جب تک عارضی طور پر کسی حکمت کے تحت کسی چیز کے دیکھنے سے روک نہ دیا جائے اسی طرح دل کی آنکھ جس میں بصیرت ہے' وہ لطیف اشیاء کو دیکھنے کے لئے آزاد ہے جب تک عارضی طور کسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کوئی پردہ حائل نہ کر دے۔ کسی کامل شیخ کی رہنمائی میں اللہ کے ذکر کی کثرت سے جب دل کی آنکھ وا

ہو جاتی ہے تو کشف یا الہام وجدان جیسی نعمتیں مل جایا کرتی ہیں۔

کشف یا الہام تک حواس عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی' اس لئے ان کا انکار بھی کر دیا جاتا ہے' ابن خلدون نے اس سلسلے میں پتے کی بات کی ہے فرماتے ہیں۔

''کشف وعلم مغیبات کا مسئلہ آیات متشابہات کے مانند ہے کہ مطلب نہیں کھلتا اور صوفیاء کے ذوق و وجدان پر اس کی بناء ہے' جس کو ان صوفیاء جیسا ذوق نہیں وہ ان کے کلمات کو کیا حل کر سکتا ہے' واضع لغت نے ان کشفیات اور وجدانیات صوفیہ کے لئے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے کہ ان سے ان کے کلام کی عقدہ کشائی کی جائے۔ چونکہ اہل لغت وغیرہ ان معانی کے لئے الفاظ وضع کرتے ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ صوفیہ کے امور باطنی کیلئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے۔ اب جو شخص ان کے رنگ میں رنگین ہو کر ان کے کلام کو شریعت کی روشنی میں حل کرے تو اس شخص کی خوش بختی ہے اور سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ صوفیاء کے اس کلام کی گتھی سلجھانے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔ جو علمائے ظواہر کے فہم سے بالاتر ہے۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک فرمایا کہ جس نعمت سے انسان محروم ہوتا ہے' اس کا انکار ہی کر دیتا ہے۔ اب ہم چند اولیاء اللہ کی کرامت کا ذکر کرتے ہیں' صحابہؓ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ صحابیت وہ شرف ہے کہ اس کے مقابلے میں ولایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

1: المرشدی: اصل نام محمد بن عبداللہ بن ابی المجد ابراہیم ہے' المرشدی کے نام سے مشہور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد یمن کے علاقہ میں مرشدی نام کی ایک بستی میں مقیم ہو گئے۔ یہ بستی ریگستانی علاقے میں ایسے موقع پر آباد تھی جو حاجیوں اور قافلوں کی گزرگاہ تھی۔

علامہ ابن حجر محدث کبیر حافظ العصر نے ''دررکامنہ'' ۴:۲۶۴ میں لکھا ہے کہ:

قرية صغيرة في طريق الرمل

ریگستانی راستہ پر چھوٹی سی بستی ہے۔

انہی کی زبانی ان کے گھر کی حالت بھی سن لیجئے۔ دررکامنہ ۴:۲۶۴

ليس له خادم ولا عرف له طباخته ولا قدر ولا مغرفة ولا موقدنار

ان کا نہ کوئی خادم تھا' نہ کھانا پکانے والی کوئی عورت تھی' نہ ہانڈی تھی' نہ چمچہ' نہ کوئی آگ جلانے والا تھا' اس سے زیادہ بے سروسامانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اب **ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب** کے چند مناظر ملاحظہ ہوں۔

(1) دررکامنہ ۲۶۴

كانت له احوال وهمة في خدمة الناس وضيافتهم بحيث يطعم كلا من صغير وكبير وقليل وكثير.

لوگوں کی خدمت اور ان کی مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ جو وہاں سے گزرتا' چھوٹا ہو یا بڑا' کم آدمی ہوں یا زیادہ سب کو کھانا کھلاتے تھے

(۲) امام یافعیؒ نے اپنے چشم دید حالات بیان کیے ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا' جب

کوئی مسافر آتا آپ اکیلے اس کمرے میں جاتے اور چند منٹوں کے بعد اس کے مزاج اور خواہش کے مطابق کھانا لاکر حاضر کردیتے۔ "مرأة لجنان" ۴: ۲۹۶

یاتیه الامراء والوزراء وغیر هم من اهل الدنیا لو اجتمع عنده اکثر عسکر فی الوادی لعجل الیهم فی الحال ما احب من القری

ان کے پاس دنیا دار امراء وزراء تک آتے' اگر ان کے پاس مخلوق کے لشکر ہی آجاتے تو فوراً ان کا من بھاتا کھانا حاضر کر دیتے تھے۔

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "درر کامنہ" ۱: ۴۸۶ پر بیان کیا ہے کہ مصر میں بکتمر السباقی کے نام سے ایک بہت بڑا امیر تھا' جس کے پاس ایک لاکھ غلام تھے' اس کے گھوڑوں کا اصطبل 95 لاکھ اشرفیوں سے تیار ہوا تھا اور گھوڑوں کی خدمت کے لئے ایک سو سائیں مقرر تھے۔ یہ امیر اپنے خادموں اور غلاموں کے ہمراہ شیخ المرشدی کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور شیخ ان سب کو کھانا کھلاتے تھے' اور کھانا بھی معمولی نہیں ہوتا تھا' بلکہ حافظ نے لکھا ہے:

کان یخرج للحاضرین الاطعمة الفاخرة لایوجد الافی القاهره و دمشق (۴: ۲۲۳)

حاضرین کے لئے اس اعلیٰ قسم کا کھانا پیش کرتے تھے جو قاہرہ یا دمشق جیسے بڑے شہروں کے بغیر کہیں نہیں مل سکتا تھا۔

اس پر طرہ یہ کہ

یقدم لکل احد ما یقع فی خاطره.

ہر شخص کو اس کی ذاتی پسند کے مطابق کھانا ملتا تھا۔

اس سلسلے میں امام یافعی نے "مراۃ الجنان" ۲۹۳ پر اپنا واقعہ بیان کیا ہے

کان فی نفسی شهوة طعام مخصوص ما کنت ذقته فی جمیع عمری

احضرہ فی ذلک السماط۔

مدت سے میرے دل میں ایک خاص قسم کے کھانے کی خواہش تھی اور عمر بھر وہ مجھے میسر نہ آیا تھا۔ المرشدی نے وہ کھانا اپنے دسترخوان پر مجھے پیش کیا۔

(۴) ایک دفعہ المرشدی حج کے لئے تشریف لے گئے شیخ نے اعلان کیا کہ پورے قافلے کے آنے جانے کا خرچ میرے ذمے ہوگا' اس کا نقشہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مراۃ الجنان'' میں یوں پیش کیا۔

ینفق کل لیلۃ علیھم تارۃ الفاوتارۃ اکثر وانفق فی ثلاث لیالی ماقیمنۃ الف دینار وفی خمس لیالی اخرلی ماقیمنۃ نحوخمسۃ وعشرین الفا۔

ایک رات کبھی ایک ہزار اور کبھی اس سے زائد خرچ اٹھتا تھا' تین رات کا خرچ ایک ہزار اشرفی اور بعد کی پانچ راتوں میں پچیس ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں' اول یہ کہ کھانا پکانے کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ نہ کوئی خادم' نہ بیوی' نہ ہانڈی' نہ چمچہ' بلکہ آگ تک نہیں جلائی جاتی تھی۔ دوسری یہ کہ کوئی بڑا خزانہ پاس ہو' جس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ لوگ نذرانہ پیش کرتے ہوں۔ ان دونوں باتوں کے متعلق دو بیان ملاحظہ ہوں۔

۱: لم تکن یقبل لا حدشیاء

۲: وکان یخدم الوارین بنفسہ ولا ید خلھا احد غیرہ وغاب ھنینۃ واضر لکل واحد منھم ما اقترح

کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔ مسافروں کی خدمت خود ہی کرتے تھے' اس کمرے میں ان کے سوا کوئی داخل نہ ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اندر جاتے اور ہر

آدمی کی خواہش کے مطابق کھانا حاضر کر دیتے تھے۔

ان دو مادی اسباب کے بغیر کوئی تیسری صورت باقی نہیں رہ جاتی' مگر علامہ ابن تیمیہ نے ایک اور احتمال پیش کیا ہے' شیخ المرشدی علامہ موصوف کے ہم عصر تھے جب شیخ کے حالات سنے تو کہنے لگے کہ جنات یہ کھانے لاتے ہوں گے۔ خدا جانے علامہ موصوف کو یہ کیوں نہ سوجھی کی اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس نے اعلان کیا ہے۔ کہ **ویرزقہ من حیث لا یحتسب** اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے روٹیاں آسمان سے نازل کر دی تھیں اور حضرت مریم کو بے موسم کے پھل بغیر کسی ظاہری واسطے کے پہنچاتا تھا۔ علامہ کے اس عقلی احتمال کی خود انہی کا ایک قول' تردید کر رہا ہے۔ کتاب النبوۃ صفحہ نمبر ۲۶۵ پر لکھتے ہیں۔

من یکون اخبراہ عن شیاطین تخبرہ لا یکاسف اھل الایمان والتوحید واھل القلوب المنورۃ بنور اللہ بل یھرب منھم یعترف انہ لایکاشف ھولاء وامثالھم فاھل الایمان والاخلاص لا سلطان لہ علیھم ولھذا یھربون۔

جن لوگوں کو شیاطین الجن خبریں پہنچایا کرتے ہیں ان کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ ارباب ایمان' اصحاب توحید اور روشن ضمیر لوگ جن کے دل انوار خداوندی سے منور ہوں شیاطین الجن ان سے دور بھاگتے ہیں۔ ان کے دل کی باتوں سے شیاطین واقف نہیں ہو سکتے' اہل ایمان اور مخلص لوگوں پر شیاطین غالب نہیں آسکتے بلکہ ان سے بھاگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اولیاء اللہ سے شیاطین الجن دور بھاگتے ہیں۔ اور ان کے دل کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتے تو ان کی خدمت کیونکر کر سکتے ہیں' اب دیکھنا یہ ہے کہ

کیا شیخ موصوف میں ان اوصاف کا پایا جانا ثابت ہے۔

امام یافعیؒ "مراۃ الجنان" ۴: ۲۹۱ پر لکھتے ہیں:

الشیخ الکبیر الولی لشهیر ذوالعجائب العظیمه والکرامات الکریمة والهمم العالیة والشمائل المرضیة والمکاشفات الجلیة والایات الباهرة والانوار الظاهرة۔

شیخ کبیر مشہور ولی اللہ عظیم عجائبات کے مالک بڑی بڑی کرامات والے عالی ہمت اعلیٰ اوصاف کے مالک بڑے بڑے مکاشفات اور واضح انوار اور بڑی کرامات کے مالک تھے۔

امام ذہبی کی زبانی المرشدی کے حالات سنیے۔ حالانکہ امام ذہبی صوفیاء کے سخت مخالف تھے۔ علامہ ابن حجر نے "درر کامنہ" میں امام ذہبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:۔

کان یتکلم علی الخواطر وکان قلیل الدعوی وعدیم الشطع حسن المعتقد۔

لوگوں کے دلوں کا حال بتایا کرتے تھے۔ بڑائی کا دعویٰ نہ تھا اور اچھے عقیدے کے مالک تھے۔

معلوم ہوا کہ شیخ المرشدی ان اوصاف کے مالک تھے جن کے پاس شیاطین الجن بار نہیں پاسکتے تھے چنانچہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کے جواب میں لکھا ہے۔

فان الجان لیس لهم اطلاع علیٰ خواطر الناس وعلیٰ بواطن العباد وما خطر فی بواطنهم نعوذ بالله من سوء الاعتقاد۔

جنوں کو لوگوں کے دلوں کے حال معلوم نہیں ہوسکتے نہ ان کے باطن سے وہ واقف ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بد اعتقادی سے پناہ میں رکھے۔

لہٰذا علامہ ابن تیمیہ کا احتمال عقلی ان کے اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق غلط ثابت

ہوا۔ جہاں تک دل کے منور ہونے کا تعلق ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کے لطائف منور ہو کر راسخ ہو جائیں۔ پھر مراقبات ثلاثہ راسخ ہو جائیں تو جنات اس پر قابو نہیں پا سکتے اور شیاطین اس سے بھاگتے ہیں' اس وقت عارف کا سینہ آسمان کی مانند ہو جاتا ہے اور لطائف کے انوار ستاروں کی مانند ہو جاتے ہیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو رجوما للشیاطین بنایا ہے' اسی طرح اللہ کے ذکر سے جب سینہ عارف منور ہو جاتا ہے تو شیاطین اور جن اس سے بھاگتے ہیں۔ پھر المرشدی جیسے عارف کامل کے پاس جن آئیں' اور لوگوں کی دلی خواہش کے مطابق کھانے لائیں۔ بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ جنوں کی کاروائی نہیں بلکہ شیخ کی کرامت ہے۔

آخر میں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ المرشدی کے پاس مصر کا بادشاہ الناصر آیا کرتا تھا' علامہ عبدالرؤف مناوی اور ابن بطوطہ نے اسے چشم دید واقعہ کے طور پر لکھا ہے۔

۲: محمد بن حمزہ۔ اصلی نام شمس الدین تھا۔ آپ روحانی طبیب ہونے کے علاوہ طب جسمانی میں بھی ماہر تھے فن طب میں ان کی تصانیف بھی ملتی ہیں۔ طب میں ان کی ریسرچ بھی از قبیل کرامت ہے۔ جامع کرامات اولیاء اللہ ۱: ۲۷۴

(1) ان الا عشاب کانت تنادیه وتقول انا شفاء من مرض الفلانی.

جڑی بوٹیاں ان کو پکار کر کہتی تھیں کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں۔

(II) سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ پر حملہ کرنا چاہا تو شیخ کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ شیخ نے سلطان کے قاصد احمد پاشا سے کہا کہ فلاں دن' فلاں تاریخ دن کے گیارہ بجے قلعہ فتح ہو جائے گا۔

فقال الشیخ سید خل امسلمون القلعقلی موقع الفلان فی الیوم
الفلان فی وقت ضحوۃ الکبریٰ۔

شیخ نے فرمایا کہ فلاں جگہ فلاں روز دن کے گیارہ بجے کے قریب مسلمان قلعہ میں
داخل ہو جائیں گے۔

اتفاق دیکھئے کہ وقت آ گیا مگر قلعہ کے فتح ہونے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ شیخ کی اولاد میں سے ایک آدمی کو فکر لاحق ہوئی کہ شیخ کی بات پوری نہ ہوئی تو ممکن ہے بادشاہ شیخ پر تشدد کرے وہ دوڑتا ہوا شیخ کے خیمہ کی طرف گیا۔ اندر جھانکا تو دیکھا کہ شیخ ننگے سر ہیں۔ سجدے سے سر اٹھایا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں۔

الحمد للہ الذی فتحنا اللہ فتح القلعۃ۔

قال فنظرت الی جانب القلعۃ فاذا العسکر قد دخلوا باجمعھم

ففتح اللہ تعالیٰ ببرکۃ دعائہ وکانت دعوۃ تخترق الطباق۔

اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قلعہ کی فتح نصیب فرمائی۔

قاصد کہتا ہے کہ میں نے مڑ کے قلعہ کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ فوج قلعہ میں
داخل ہو چکی ہے۔ شیخ کی دعا کی برکت سے قلعہ (کی دیوار پھٹ کر گر پڑی) فتح ہو
گیا شیخ کی دعا آسمانوں کو چیر کر اوپر جا رہی تھی کہ قلعہ فتح ہو گیا۔

اس فتح کے بعد شیخ سے درخواست کی گئی کہ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کا مدفن تلاش کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ انوار نظر آتے ہیں۔ پھر مراقبہ کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ ہے اور حضرت کی روح سے کلام ہوئی آپ نے پہلے تو فتح کی مبارک باد دی۔ پھر فرمایا کہ شکر ہے کفار کے قبضہ سے مجھے چھڑایا ہے۔ جب سلطان محمد فاتح کو اس کا علم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی بات پر یقین ہے مگر اطمینان کے لئے کوئی نشانی بتا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ قبر کے سر کی جگہ ہے دو ہاتھ زمین کھودو ایک سفید پتھر نکلے

گا اس پر عبرانی یا سریانی زبان میں کچھ عبارت کندہ ہے۔

فلما حفروا مقدار فراعین ظهر رخام علیه خطه فقرء من يعرفه وفسره فاذا هو ماقرره الشیک فتحیر السلطان وگلب علیه الحال حتی کا دیسقط لو لا اخذوه۔

جب انہوں نے دو ہاتھ کے مقدار زمین کھودی ایک پتھر نکلا۔ جو شخص وہ زبان جانتا تھا اس نے پڑھ کے مطلب بتلایا وہی بات تھی جو شیخ نے بتائی تھی بادشاہ ششدر رہ گیا۔ اس پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ گرنے لگا مگر لوگوں نے اسے سنبھال لیا۔

بادشاہ نے اس جگہ مسجد بنوائی اور شیخ کے قیام کے لئے حجرے بنوائے اور درخواست کی کہ شیخ یہیں قیام کریں۔ مگر شیخ نے انکار کر دیا کہ میں اپنے شہر میں قیام کروں گا۔

۳: عمر بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ: ولی اللہ، صالح، متقی خوش الحان واعظ تھے۔

"کفایۃ المعتقد" صفحہ نمبر ۱۴۳ پر ان کے متعلق ایک واقعہ درج ہے۔

ایک دفعہ حج پر گئے۔ روضہ اطہر پر حاضر ہو کر حضور ﷺ کی نعت میں ایک قصیدہ پڑھا پھر شیخینؓ کی مدح میں قصیدے پڑھے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک آدمی آیا، عرض کی میرے گھر چلئے۔ آپ کی دعوت کرتا ہوں، آپ چلے گئے، جب کمرے کے اندر بیٹھے تو اس نے تلوار اٹھائی اور کہا:

فقال الرافضی اختر اماقطع راسک اولسانک الذی مدحت به الفاعلین الصانعين وشتم وسب فقطع لسانه فاخذه وجاء به الی القبر الشریف وتضرع ونام فراء المصطفےٰ علیه السلام فی النوم فلما عاده فانتبه فوجده کما کان۔

رافضی نے کہا چاہو تو تمہارا سر کاٹ دوں، چاہو تو زبان، جس سے تم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی

مدح کی ہے۔ پھر انہیں گالیاں دیں اور ان کی زبان کاٹ کر ان کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ روضہ شریف پر حاضر ہوئے روئے' نیند آ گئی دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے کٹے ہوئے ٹکڑے کو اصل جگہ پر جوڑ دیا جاگے تو زبان بالکل درست تھی۔

دوسرے سال پھر تشریف لائے۔ اور اسی طرح قصیدے پڑھے' ایک آدمی آیا' دعوت دی اور گھر لے گیا' پہچان گئے کہ گھر تو وہی گزشتہ برس والا ہے' خیر کھانا کھایا' پھر وہ شخص انہیں ایک کمرے میں لے گیا' دیکھا کہ ایک بندر ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ یہ میرا والد ہے جس نے آپ کی زبان کاٹی تھی۔ اسی رات اس کی شکل مسخ ہو گئی' اور ہم نے اسے اس ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اور میں مذہب شیعہ سے تائب ہو گیا۔ آپ للہ اس کے لئے دعا کریں کہ اس کی شکل پھر سے انسانی صورت میں بدل جائے۔ آپ خاموش ہو گئے اور وہاں سے چلے آئے۔

دونوں واقعات خرق عادت ہیں اور ولی اللہ کی کرامتیں ہیں۔

۴: محمد بن یوسف بولاقی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کی خدمت میں ایک عورت آئی کہ حبشیوں کی ایک جماعت نے میرا بچہ چھین لیا ہے اور جہاز پر لاد کر وہ سمندر میں جا رہے ہیں۔ آپ نے جہاز والوں کو آواز دی کہ بچہ اس کی ماں کو واپس دے دو' مگر کون سنے۔

ثم قال یا سفینة قفی فوقفت ثم مشیٰ علی الماء واخذ الصبی من السفینة واحضرة الی امه

پھر آپ نے فرمایا' اے جہاز رک جا' جہاز رک گیا آپ سمندر میں داخل ہو کر جہاز کی طرف چلے' جیسے کوئی خشک زمین پر چلتا ہے۔ جہاز میں پہنچ کر بچہ کو پکڑا اسے لے کر واپس کنارے پر آئے اور اس کی ماں کے حوالے کیا۔

۵: ابوالغیث بن جمیل رحمۃ اللہ علیہ: آپ ایک مرتبہ اپنے شیخ کا گدھا لے کر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گئے جنگل میں شیر آیا اور گدھے کو پھاڑ کھایا۔ آپ نے شیر کو کان سے پکڑا' لکڑیاں اس پر لادیں اور کہا:

احمل حطبی علی ظهرک فحمله حتی بلغ المدینه فانزله وقال اخرج وایاک ان تضرا حدا حتی ترجع موضعک.

میں تمہاری پیٹھ پر لکڑیاں لادونگا' چنانچہ لاد کر چل دیئے جب شہر میں پہنچے تو لکڑیاں اتاریں اور فرمایا جا نکل جا۔ اپنی جگہ پر پہنچنے تک کسی چیز کو نقصان نہ پہنچانا۔

٦: عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ: ایک قافلہ کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جنگل سے گزر ہوا ایک شیر آیا اور قافلے کا رستہ روک لیا۔ اتنے میں عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا۔

فقال مالکم؟قالو الاسد فمر الیه ووضع یده علی فمه فمرت القافله.

پوچھا کیوں رکے کھڑے ہو؟ اہل قافلہ نے کہا کہ شیر نے روک رکھا ہے۔ آپ شیر کے پاس گئے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور قافلہ خیریت سے گزر را۔

۷: شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ: ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج کو گئے راستے میں ایک شیر سامنے آ گیا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے شیبان! شیر تو قریب آ گیا ہے۔ فرمایا کیا ہوا وہ بھی ایک کتا ہے۔

فلما سمع الاسد کلام شیبان فبصبص وحرک ذنبه مثل الکلب فالتفت الیه شیبان وعرک اذنه فقلت له ما هذه الشهرة فقال وای شهرة هذه یا ثوری لو لا کراهیة الشهرة ماحملت زادی الی مکته

الا علی ظهرة .(جامع کرامات ۱:۱۲۷)

جب شیر نے شیبان رحمۃ اللہ علیہ کی بات سنی سر جھکا دیا اور کتے کی طرح دم ہلانے لگا۔ شیبان رحمۃ اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیر کو کان سے پکڑ لیا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شیبان رحمۃ اللہ علیہ! یہ کیا شہرت ہے؟ فرمایا۔ کونسی شہرت ثوری! اگر مجھے شہرت ناپسند نہ ہوتی تو میں اپنا زادسفر اس کی پیٹھ پر لاد کر مکہ تک لے جاتا۔

۸: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(فتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۷۴ اور ''فیض الباری'' (۲:۱۶۔ اور قلائد الجواہر ۳:۲۷)

مما علمنا بالسند الصحیح المتصل ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی اکل دجاجته ثم لما لم یبق غیر العظم توجه الی الله فی احیائها فاحیاها الله الیه وقامت تجری بین یدیه کما کانت قبل زبحها وطبخها(فتاوی الحدیثیه)

ہمیں سند صحیح متصل کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ شیخ نے مرغی کا گوشت کھایا۔ پھر تمام ہڈیوں کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ زندہ ہو جائے چنانچہ وہ زندہ ہو گئی اور چلنا پھرنا شروع کر دیا جیسے وہ ذبح ہونے اور پکنے سے پہلے تھی۔

اور جامع کرامات (۲:۲۰۳) میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ:

فوضع یده علی العظام وقال قومی باذن الله فقامت'

آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھا اور کہا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

شیخ کی ایک مجلس وعظ کا واقعہ۔

(فیض الباری'' ۲:۲۶۱ اور ''خزینۃ الاسرار صفحہ ۲۵)

انه كان يذكر الناس اذجائت حديا تصيح حتى شوشت علي الشيخ كلامه فدعا عليه وقال قطع الله عنقك فسقطت على الارض ميته" من ساعتها ثم اذا فرغ من الوعظ قام وارها مينة في فناء المسجد فقال قم باذن الله فطارت ۔

آپ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چیل شور کرتی آئی اور آپ کے کلام میں مخل ہوئی ۔ آپ کے منہ سے نکلا خدا تیری گردن کاٹے فوراً زمین پر گری اور مرگئی جب آپ فارغ ہوئے تو مسجد کے صحن میں اسے مردہ پایا۔ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو چنانچہ وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے زمانے کے ایک ولی اللہ کا واقعہ لکھا جس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی ۔

هكذا جاء رجل في بجنور فقطع عنق طائر حتي فصلها بين اعين الناس ثم ضمها فكانت كما كانت قبله واحي الطائر وذارني هذا الرجل

ایک آدمی بجنور میں آیا اور لوگوں کے سامنے اس نے پرندے کا سر کاٹا اور پھر اسے جوڑ دیا پرندہ زندہ ہو گیا اور اڑ گیا۔ اس شخص سے میں نے ملاقات کی ۔

9: ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ۔

''حلیۃ الاولیاء'' میں تاج المحدثین ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:

خرجت الي شط نيل مصر افرائيت امرأة تبكي وتصرخ فادر كها ذو النون فقال لها مالك تبكين فقالت كان ابني وقرة عيني على صدري فخرج تمساه فاستلب مني ولدي قال فاقبل ذو النون على الصلوة فصلىٰ ركعتين فدعا بدعوات فاذاتمساح خرج من النيل

والولد معه ودفعه الى امه. (۹:۳٦٦)

میں نیل کے کنارے گیا۔ دیکھا ایک عورت چلا چلا کر رو رہی ہے۔ ذوالنون اس کے پاس گئے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے سینے سے چمٹا ہوا تھا' مگر مچھ آیا اور چھین کر لے گیا۔ ذوالنون نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور خدا سے دعا مانگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مگر مچھ دریا سے نکلا اور بچے کو صحیح وسلامت باہر رکھ دیا۔ ذوالنون نے بچہ ماں کے حوالے کر دیا۔

ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی وجہ تسمیہ بھی ایک کرامت ہے۔

آپ ایک کشتی میں سوار دریا عبور کر رہے تھے کسی کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ حقیقتاً وہ دریا میں گر گیا تھا' اس نے ذوالنون کو چور قرار دیا۔ انہوں نے قسم کھائی' مگر مالک نے اعتبار نہ کیا۔

فلما اضطر توجه ساعته فاتى حوت من البحر بذلك الجوهر

جب آپ پریشان ہوئے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی بے بسی پیش کی اتنے میں دریا سے ایک مچھلی وہی موتی لے کر باہر آ گئی۔

اس وجہ سے ان کا نام ہی ذوالنون یعنی مچھلی والا پڑ گیا۔

۱۰: غوث یوسف ہمدانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ: ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور کتاب ''المشروع الدوی'' میں بھی موجود ہے۔

اور جامع کرامات اولیاء اللہ: ۵۲۹ پر یوں بیان ہوا ہے۔

امام ابو سعید عبداللہ بن عصرون بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور عبدالقادر جیلانی اور علامہ ابن سقا، یوسف ہمدانی کی ملاقات کے لئے گھر سے نکلے۔ راستے میں ہم نے ابن سقا سے پوچھا۔ تم کس غرض سے جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں غوث سے ایسا سوال

کروں گا جس کا جواب وہ نہیں دے سکیں گے پھر ہم تینوں نے اپنا اپنا عندیہ بیان کیا۔

فقال ابن السقاء لاسائله مسئله لا ببری جوابها .

فقال عبدالقادر معاذ الله ان اسئله شیئا و انا بین یلیه یلیه انتظر

برکته

وقال ابن عصرون انا اسائله مسائلته وانظر ماذایقول

ابن سقا نے کہا میں شیخ سے ایسا سوال کروں گا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے۔

شیخ عبدالقادر نے کہا ایسا سوال پوچھنے سے خدا کی پناہ! میں ان کے پاس بیٹھ کر فیض

و برکت کا انتظار کروں گا۔

ابن عصرون نے کہا کہ میں ایک درخواست کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا فرماتے

ہیں؟ (وہ درخواست تھی کہ غربت دور ہو جائے)

ابن السقاء کو شیخ نے فرمایا:

انی لاری نارالکفرتتلهب فیک

میں دیکھتا ہوں کہ تیرے اندر آگ شعلہ مار رہی ہے۔

بعد کے واقعات سے یہ بات درست ثابت ہوئی۔ ابن السقاء شاہ روم کے بلانے پر مناظرہ کے لئے گیا، بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا۔ شاہ کی لڑکی پر فریفتہ ہو گیا۔ شادی کی درخواست کی، بادشاہ نے کہا عیسائی ہو جا۔ عیسائی ہو گیا۔ مگر بیمار پڑ گیا۔ عیسائیوں نے بازار میں پھینک دیا۔ روٹی مانگتا رہتا تھا۔ آخر موت قریب آ گئی۔ اتفاقاً ایک واقف آدمی کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے پہچان لیا۔ دیکھا کے مر رہا ہے اس کا منہ قبلہ کی طرف کیا۔ مگر دیکھا کہ فوراً رخ پلٹا اور پشت قبلہ کی طرف ہو گئی۔ پھر اس نے پوچھا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا بس اتنا یاد ہے کہ یو دالذین کفر والو کانو مسلمین اس

حال میں مر گیا اور جہنم میں داخل ہے۔ اولیاء اللہ کی توہین کا یہی انجام ہوتا ہے۔

شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں غوث نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم جامع بغداد میں منبر پر کھڑے ہو کر کہو گے یہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور آپ نے برسر منبر کہا۔ **قلهي هذه على رقبته كل ولى الله**

ابن عصرون اپنے متعلق بیان کرتے ہیں۔

فاحضرني السلطان نور الدين شهيد و اكرمني على ولايته الاوقاف فوليتها و اقلبت الدنيا اقبا لا كثيرا فصدق الغوث فينا كلنا

میں دمشق میں سلطان نور الدین شہید کے پاس آیا۔ اس نے مجھے وزارت اوقاف سونپی اور میرے ہاں دولت کی ریل پیل ہونے لگی۔

غوث نے ہم تینوں کے متعلق جو فرمایا تھا صحیح ثابت ہوا۔

المشر وع الدوی میں ہے کہ یہ قصہ متواترات سے ہے خبر واحد نہیں کہ انکار ہو سکے۔

۱۱: حضرت ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ قطب تھے ان کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی کہ میرے بچے کو ایک مگرمچھ کھا گیا ہے' آپ دریا کے کنارے آئے آواز دی

يا معشر التماسيح من ابتلع الصبى فليطلع به فتطلع وحشى الى الشيخ فامره ان يلفظ فلفظه حيا.

اے مگرمچھو! جس نے بچہ نگلا ہے ظاہر کر دے ایک مگرمچھ نکلا اور شیخ کی طرف آیا۔ شیخ نے اسے حکم دیا کہ بچہ اگل دے جانور نے زندہ بچہ اگل دیا۔

۱۲:اولیاء کی کرامات میں ایک بڑی کرامت کلام بالموتیٰ یا کلام بالارواح ہے۔

اس کے متعلق جامع کرامات اولیاء۲:۴۰۹ پر درج ہے۔

ان الاجتماع مع النبی ﷺ کرامة من اعظم الکرامات ومن اعلیٰ المقامات ومن نعم اللہ تعالیٰ.

سب سے بڑی کرامت نبی کریم ﷺ کے دربار میں حاضری اور آپ کی معیت ہے۔اور یہ سلوک کے اعلےٰ مقامات میں سے ہے اور اللہ کی نعمت ہے۔

یہ نعمت تمام کبار اولیاء کو عطا ہوتی رہی ہے۔بفضل اللہ تعالےٰ ہمارے سلسلے کے اکثر رفقاء کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ارواح سے کلام کرنے والے ہمارے رفقاء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

الحمد للہ علی نعمائہ

O

۲۳

سِلسلہ اَویسیہ

سلسلہ اویسیہ

اس وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ولقد کرمنا بنی ادم کا شرف عطا فرما کر اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور اسے خلافت ارضی کا منصب جلیلہ سونپا۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں لیکن انسان کو جس خصوصی نعمت سے نوازا گیا' وہ انبیاء کرام علیہ السلام کے ذریعے اس کی ہدایت کا سامان ہے حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہاں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کا اعلان فرمایا وہاں اہل ایمان کو اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا منھم اور اس احسان کی تفصیل میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس آخری رسول ﷺ کے ذریعے اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہونے کی ایک صورت یہ مقرر کی کہ یہ رسولؐ ان کا تزکیہ باطن اور ان کی روحانی تربیت کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ اپنے جلیل القدر شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کی اس طرح تربیت کی اور تزکیہ باطن کے وہ نمونے پیدا کئے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جس طرح تعلیم کتاب اور تدوین شریعت کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سے آگے منتقل ہوتا چلا آیا۔ اسی طرح تزکیہ باطن اور تربیت روحانی کا طریقہ بھی صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سیکھ کر آئندہ نسلوں کو پہنچایا اور مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق تدوین حدیث وفقہ کی طرح تزکیہ وتربیت کے پہلو کی تدوین منظم صورت میں عمل میں آئی۔ اول اول تو یہ صورت تھی کہ جو صحابیؓ یا تابعی رحمتہ اللہ علیہ جہاں پہنچا،

معاشرے کی تربیت شروع کردی بعد میں دین کا یہ پہلو جب منظم ہوا تو تربیت و تزکیہ کے چار بڑے سلسلے ہمارے ہاں رائج اور مقبول ہو گئے۔ جنہیں سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ، کہتے ہیں۔ ان سلسلوں میں تربیت کا بنیادی اصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ذکر الٰہی کی کثرت، البتہ ذکر الٰہی کے طریقوں میں ہر صاحب سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا، اس طرح طریقہ کار میں جزوی اختلاف کی وجہ سے چار بڑے طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے۔ ممکن ہے طریق تربیت میں اختلاف آب و ہوا مزاج اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے انتخاب کیا گیا ہو جیسے ایک ماہر طبیب ایک ہی دوا مختلف مزاج والے مریضوں کو مختلف صورتوں میں دیا کرتا ہے۔

ان چاروں سلسلوں میں دو پہلو ہمیشہ جاذب توجہ رہتے ہیں۔ اول یہ کہ اس سلسلے میں طریقہ تربیت باطنی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ کسی سلسلے کے شیخ کو یہ فن حضورﷺ سے کن واسطوں سے پہنچا۔ اسی پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات لازماً سامنے آجاتی ہے کہ ہر شیخ نے یہ فن اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر اس سے سیکھا ہوگا اور اس کے شیخ نے اسے ایک خاص درجے تک تربیت کرنے کے بعد دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت دی ہوگی۔ اس اجازت نامے کو صوفیاء کی اصطلاح میں خرقہ کہتے۔ خواہ اس کی صورت کوئی بھی ہو۔ اگر کسی شیخ کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی کامل سے اس کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل نہیں کیا اور اجازت نامہ نہیں لیا تو اس کا سلسلہ منقطع شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں اتصال اور تسلسل نہیں پایا جاتا۔

بظاہر یہ بات قاعدہ کلیہ کی صورت میں سامنے آتی ہے، حقیقت میں یہ قاعدہ اکثریہ ہوسکتا ہے مگر قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اول تو روحانی تربیت روح کا معاملہ ہے اور روح

سے فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں، اس کی مثالیں صوفیائے کرام میں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ علیہ سے روحانی فیض بھی ملا، اجازت تربیت بھی ملی۔ اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے، حالانکہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ان سے قریباً ایک سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا نہ تو زمانہ پایا نہ ان کی صحبت میں رہے نہ ان سے تربیت و اجازت ملی تو پھر اس کی صورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی روح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا۔

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں اویسی طریقہ کہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ سلسلہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے بلکہ اویسیہ سے مراد مطلق روح سے فیض حاصل کرنا ہے۔ چونکہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض دونوں صورتیں ہوتی ہے۔ اس لئے سلسلہ اویسیہ کی یہی دونوں خصوصیات ہیں۔ اس اصطلاح کو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اس بناء پر کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ حضور ﷺ کی روح پر فتوح سے اخذ فیض کیا تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے اویسی تھے۔

ہمارے سلسلے کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں۔ اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرم رحمۃ اللہ علیہ

کے درمیان کوئی 400 سال کا فاصلہ ہے میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا خلافت بھی ملی۔ اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمعات صفحہ ۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے:

''ایں فقیر را آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے بر زمین میرود و مسافتے دیگر در زمین مستتری گردد و در مسام زمین نفوذ میکند۔ بعد ازاں بوضع چشمہ باز ظاہری شود و مسافتے بر روئے زمین می رود و ثم ہکذا۔

و تسلسل خرقہ دریں طریقہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست یک بار سلسلہ ظاہر میشود بعد ازاں مفقود میگردد باز بطریق اویسیہ از باطن کے ظہور می نماید ایں طریقہ بحقیقت ہمہ اویسیہ است و متوسلان ایں طریق در روحانیاں علو مہابتے دارند۔

واما القادریۃ فقریبۃ من الاویسیۃ الروحانیۃ

ا: خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے۔ اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے سلسلہ اویسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت میں وہ متصل ہوتا ہے جو لوگ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ اور الاخذتہ العزۃ کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے''

۲: حضرت امام الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوا ہے سب سے زیادہ زود اثر سلسلہ اویسیہ ہے کیونکہ روحانی سلسلہ ہے۔ پھر قادریہ ہے۔

۳: یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلہ اویسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔ ھمعات میں صفحہ ۶۳ پر اسی وجہ سے فرمایا کہ

بسا است کہ اویسی عالم ارواح است اجمالاً یعنی سلسلہ اویسیہ عالم اروح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمعات صفحہ 21 پر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام آں این است کہ یک خانوادہ میان مشائخ عظام اویسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودند و سردار سلسلہ ایشاں خواجہ اویس قرنی است کہ بسبب باطنی از سرور عالم ﷺ تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم بیر اویسی است کہ در باطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر ﷺ یافتہ است و از کبار مشائخ ہندوستان است۔

مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اویس قرنی ہیں ان کو حضور اکرم ﷺ سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا۔ اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضور سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے کبار مشائخ سے ہوئے۔

معلوم ہوا کہ:

☆ اویسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو۔

☆ بڑے بڑے اولیاء اللہ اس سلسلہ اویسیہ کے طریقہ سے فیض لیتے رہے ہیں۔

☆ اس سلسلہ والے حضور اکرم ﷺ کی روح پرفتوح سے بھی فیض لیتے ہیں۔

بحمد اللہ کہ اس فقیر کو اب بھی حضور اکرم ﷺ کی روح پرفتوح سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔

اس سلسلے کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے وہ یہ کہ کیا روح

سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں' یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو' یا اس بحر میں خود اتر کر دیکھو۔ دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو' البتہ پہلی صورت کے سلسلے میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1: فتاویٰ عزیزیہ 1:93 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

سوال:۔ کسے صاحب باطن یا صاحب کشف بر قبور ایشاں مراقب شدہ چیزے از باطن اخذ می تواند یا نہ؟

کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر مراقبہ کرے تو اس سے روحانی فیض لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ می تواند نمود۔

ہاں لے سکتا ہے۔

فتویٰ کی زبان میں اختصار ملحوظ ہوتا ہے اس لئے حضرت نے مختصر جواب دیا۔ اس کی تفصیل ''شفاء العلیل'' صفحہ 178 پر دی ہے۔

''مولانا نے فرمایا کہ میں نے حضرت ولی نعمت یعنی مصنف سے پوچھا کہ شیخ ابو علی فارمدی کو کہ ابو الحسن خرقانی کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں' ان کا اس رسالہ میں کیونکر ذکر نہ کیا' فرمایا کہ یہ نسبت اویسیہ کی ہے یعنی روحی فیض ہے۔ اس رسالہ میں غرض یہ ہے کہ نسبت صحبت کی من وعن عالم شہادت میں جو ثابت ہے مذکور ہو' لیکن اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے۔

۲: شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کو ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحی فیض

ہوا ہے' ان کو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے اور ان کو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے تربیت ہے' چنانچہ رسالہ قدسیہ میں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ سے نسبت حاصل ہوئی ہے۔ ان کو حضرت سلمان فارسیؓ سے' ان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے اور ان کو حضور اکرم ﷺ سے۔ خواجہ ابو علی فارمدہ رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت اویسیت حاصل ہے ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ' اور ان کو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے روحی فیض پہنچا۔ اور ان کی تربیت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے ہوئی۔ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ کے ساتھ انتساب حاصل ہے اور ان کی حضرت سلمان فارسیؓ اور آپ کو خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبر ابو بکر ابی قحافہؓ کے ساتھ' اور حضرت صدیقؓ نے جو کچھ حاصل کیا' سرور عالم محمد مصطفےٰ ﷺ سے حاصل کیا۔ اس نسبت اویسیت کو صدیقیہ نقشبندیہ نظامیہ قدوسیہ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ 108)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا تربیت باطنی و فیوضات روحانی میں قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی ذات بابرکات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنا نسبت اویسیہ و فیضان روحانیہ کے علاوہ اس لئے بھی ہے کہ سلاسل اربعہ مشہورہ میں حضرت شیخ کا واسطہ غالباً قائم ہے۔ (ایضاً صفحہ 109)

۳: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند 1:140 پر شفاء العلیل کی یہ عبارت نقل کر کے لکھا ہے۔

"اس عبارت سے واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کے معنی روحی فیض کے ہیں' اور

یہ نسبت قوی اور صحیح ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ نسبت اویسیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خواجہ اویس قرنی سے کوئی مرید ہوا ہو۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کا انکار غلط ہے' چونکہ اویس قرنی کو آنحضرت ﷺ سے روحی فیض حاصل ہوا اور صحبت آنحضرت ﷺ کی ان کو حاصل نہیں ہوئی۔۔۔ اس لئے جس کو روحی فیض کسی بزرگ سے حاصل ہوگا اس کو نسبت اویسیہ سے تعبیر کریں گے۔"

۴: عقائد علمائے دیوبند مرکزی رسالہ ہے' جس پر مسلک دیوبندی کا مدار ہے اس میں سوال نمبر **12** روح سے فیض باطنی کے متعلق ہوا ہے اور علمائے دیوبند نے مفصل جواب دیا کہ وہ روح سے باطنی فیض کے قائل ہیں اور صرف قائل نہیں بلکہ:

واما الاستفادة من روحانیه المشائخ الاجلته ووصول الفیض الباطنیة من صدورھم اوقبورھم صحیح علی الطریقة المعروفة فی اھلھا و خواصھا لا بما شائع فی العوام۔

بہر حال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی کا پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کو قبروں سے صحیح ہے' اس مشہور معروف طریقے سے جو ان اولیاء وصوفیہ میں مروج ہے خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروج ہے۔

یہ تو روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض کے علمی جوابات ہیں' رہی دوسری صورت تو وہ ذوقی چیز ہے "لطف ایں مے نشاسی بخدا تانہ چشی" اگر کوئی اللہ کا بندہ یہ ذوقی جواب بھی چاہتا ہے تو صلائے عام ہے۔ طلب اور خلوص لے کر آجائے اور ممکن اور محال میں تمیز کرلے۔ ورنہ صرف باتیں بنانے سے وہ حاصل نہیں ہوسکتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے:

لباس فہم برلائے او تنگ　　سمند وہم درصحرائے اولنگ

نہ چندی گنجد آنجاونہ چونی　　فرو بند لب از کم وز فزونی؟

مشائخ اور علمائے حق کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ اور امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوگیا کہ سلسلہ اویسیہ میں روح سے اخذ فیض ہوتا ہے اور اس کے لئے اتصال ظاہری شرط نہیں ہاں اتصال نسبت ضرور ہوتا ہے۔ یہی نسبت اویسیہ ہوتی ہے۔

ملتان کے ایک مشہور پیر صاحب نے ہمارے حلقہ کے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ کا سلسلہ متصل نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت! جس سلسلہ میں شیخ اپنے شاگرد کی روحانی تربیت اس طرح کرے کہ اس کے لئے زمان و مکان کی قید اٹھ جائے اور اسے عالم برزخ میں پہنچا کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کردے۔ اور حضور ﷺ کے دست مبارک میں اپنے شاگرد کا ہاتھ دے کر یہ منظر دکھا دے کہ: ''ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ''

وہ سلسلہ تو ٹھیرا منقطع اور جس سلسلے کے شیخ کے پاس مرید مدتوں رہے اور ساری عمر اس کے پاس آنے جانے میں کھپا دے اور شیخ سے اتنا بھی نہ ہو سکے کہ مرید کے لطیفہ قلب کو ہی منور کر سکے، وہ سلسلہ ٹھہرا متصل اور جو اللہ کا بندہ ایک دو نہیں سینکڑوں شاگردوں کو دربار نبوی ﷺ میں پہنچا کر حضوری عطا کردے اس کا سلسلہ منقطع۔ فیا للعجب!

ع　بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

O

تصوّف اَور اصحاب تصوّف وسلوک پر اعتراضات اَور اُنکے جوابات

پہلا اعتراض: تصوف ایک بدعت ہے۔

دوسرا اعتراض: اظہار کشف جائز نہیں، تحدیث نعمت

اور اظہارِ دین، عدم اظہار مشروط بہ شرط ہے۔

تیسرا اعتراض: بعد موتِ جسمانی رُوح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے

رُوح سنتی بھی ہے،

سوال و جواب منکرین کے وقت عودِ رُوح الی البدن،

قبر میں انبیاءؑ کی رُوح کا تعلق جسم سے،

عذابِ قبر جسم اور رُوح دونوں کو ہوتا ہے۔

سماعِ موتی پر اجماعِ اُمت ہے۔

چوتھا اعتراض: رُوح سے اکتساب فیض ممکن نہیں۔

حضور ﷺ کی ارواحِ انبیاءؑ سے مُلاقات،

رُوح سے کسب فیض رُوح سے اجرائے فیض۔

پانچواں اعتراض: صحابیؓ ہونے کی شرط حدیث کی حقیقت

چھٹا اعتراض: قصدِ رسول اللہ ﷺ اور کشفِ قبورؒ
مدرسہ محمدیہؐ 'دورِ صحابہؓ کے بعد
کشف والہام میں اضافہ کیوں ہوگیا؟

ساتواں اعتراض: قرات سلسلہ مشائخ کی کوئی سند نہیں

آٹھواں اعتراض: اسماالرجال سے شواہدٗ دلائلِ نقلی

نواں اعتراض: مشائخ کی قبروں پر حاضری کے وقت
ان کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونا
یا بیٹھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔

تصوّف اور اصحابِ تصوّف وسلوک پر

چند اعتراضات

اور اُن کے جوابات

تصوف ایک بدعت ہے!

انسان بھی عجیب مجموعہ اضداد ہے۔ اس نے زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل کے لئے ایک الگ اصول قائم کر رکھا ہے۔ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے اصول مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد بھی ہیں۔ مثلاً جسمانی صحت ایک شعبہ ہے جس کے لئے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ صحت بگڑ جائے تو اس کے علاج کے لئے کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے۔ کسی عطائی سے مشورہ لینے میں نقصان کا خطرہ ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق بھی خود علاج شروع نہ کیا جائے کیونکہ جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح ایک شعبہ قانونی معاملات ہیں اس سلسلے میں حرف آخر کسی ماہر قانون کی رائے کو سمجھتے ہیں۔ یہ اصول بالکل درست ہیں لیکن جہاں دین و ایمان کا معاملہ آیا ہر شخص ایک مجتہد کی طرح نہایت اعتماد سے جو چاہے گا کہہ دے گا۔ اور لطف یہ کہ ہر بے تکی بات کو سند اور حرف آخر ہی سمجھے گا۔ دین کے معاملے میں اس اصول کی کارفرمائی سے عجیب مشکل پیش آتی ہے تصوف کو بدعت کہنے کا معاملہ بھی کچھ

اسی قسم کے نام نہاد "مجتہدین" کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔

اس کتاب میں ایک باب "تصوف کا ثبوت" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس سوال کا تفصیلی جواب اور علمی تحقیق کا ذخیرہ اس باب میں ملے گا۔ اور اگر کسی کو اس سے زیادہ تفصیل درکار ہے اور علمی تسکین چاہتا ہے تو فتح الباری' اقتضائے صراط مستقیم' الاعتصام اور فتح الملہم کے متعلقہ حصوں کو ایک نظر دیکھ لے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کو بدعت کہنا دین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر آدمی برخود غلط بھی ہو تو اس سے بھی بڑی بڑی ٹھوکریں کھا سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی دستور کی عبارت میں تمام جزئیات کا بیان نہیں ہوتا بلکہ صرف اصول وکلیات بیان ہوتے ہیں۔ اسلام کا دستور قرآن ہے۔ اس میں دین کے تمام اصول وکلیات موجود ہیں۔ ان اصول وکلیات کی عملی تعبیرات اسوہ نبوی ﷺ میں موجود ہیں اور ان اصول وکلیات سے جزئیات کا استخراج کا طریقہ بھی حضور علیہ ﷺ نے سکھا دیا۔ علماء حق جو ورثۃ الانبیاء ہیں اس طریق استخراج کے مطابق وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جزئیات کا استخراج کرتے رہے ہیں۔

اصول اور کلیات مقاصد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ذرائع و وسائل کو ڈھونڈ نکالنا جو مقاصد کے حصول میں ممد ثابت ہوں اور انہیں ذرائع سمجھ کر ہی اختیار کیا جائے دین کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ وسائل اس صورت میں بدعت ہوں گے جب انہیں جزو دین یا اصل دین سمجھا جائے۔ ورنہ یہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہوں گے۔ کیونکہ ذرائع اور وسائل مقصد کا موقوف علیہ ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں حکم ہوا

یا ایھاالرسول بلغ ماانزل الیک یا حضور ﷺ نے فرمایا بلغو اعنی ولو ایه

یہ حکم دیا گیا کہ تبلیغ کرو۔ پس تبلیغ کرنا مقصد ٹھہرا ذریعہ کی تعین نہیں کی۔ زبان سے ہو تحریر سے ہو عمل سے ہو منبر پر چڑھ کر ہو کرسی پر بیٹھ کر ہو سجدہ میں ہو میدان میں ہو گاڑی میں بیٹھ کر ہو موٹر میں ہو تقریر میں لاؤڈ سپیکر استعمال کیا جائے وغیرہ۔ یہ تمام ذرائع ہیں اور چونکہ یہ ذرائع اشاعت دین کے لئے ہیں لہذا یہ مقدمہ دین ہیں۔

یا اللہ تعالے نے حکم دیا "فاذکروا اللہ ذکرا کثیرا"

اب یہ کہ تنہا ذکر کریں حلقہ میں بیٹھ کر کریں۔ زبان سے کریں قلب وروح سے کریں چلتے پھرتے کریں بیٹھ کر کریں یا لیٹے ہوئے کریں انگلیوں پر گن کر کریں یا تسبیح کے ذریعے کریں۔ تمام وسائل وذرائع ہیں اور ذکر الٰہی مقصد ہے۔ ان ذرائع کو بدعت کہنا حصول مقصد میں رکاوٹ پیدا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

"میں مسلک کے لحاظ سے دیو بندی ہوں۔ شرک و بدعت کا دشمن ہوں۔ انسان پرستی اور قبر پرستی کا دشمن ہوں نذر نیاز کھانا مقررہ اوقات پر عرس کرنا غیروں کے مال پر نظر رکھنا میرے مسلک کے خلاف ہے میرا مسلک یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ ﷺ اور سامنے سلف صالحین کی اختیار کردہ صراط مستقیم اور بس۔ امور کشفیہ کا اعتبار ہوگا جب کتاب وسنت سے متصادم نہ ہوں ورنہ القائے شیطانی ہوگا۔ میرا سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے جس میں روح سے بھی فیض لیا جاتا ہے۔ مگر روح سے فیض لینے سے مراد وہ نہیں جو جہلاء سمجھتے ہیں بلکہ روح سے کسب فیض کی حقیقت گذشتہ کسی باب میں بیان ہو چکی ہے ہاں مبتدی کے لئے روح سے فیض حاصل کرنا محال ہے۔

میں ''تصور شیخ'' کا حامی نہیں اور ہمارے سلسلہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔
وظائف لسانی میں ہمارے ہاں سب سے بڑا وظیفہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ پھر استغفار اور درود شریف حلقہ ذکر میں صرف اللہ ھو کا ذکر کرایا جاتا ہے یا ہر مقام پر آیات قرآنی کا وظیفہ بتایا جاتا ہے۔ سیر کعبہ میں لبیک کا وظیفہ اور فنافی الرسول ﷺ میں درود شریف۔ باقی تمام منازل سلوک میں سوائے اسم اللہ کے کوئی دوسرا ذکر نہیں بتایا جاتا۔
رفقاء کو جمع کر کے توجہ کرنا' سانس کے ذریعے ذکر کرنا وغیرہ مقصود نہیں سمجھتا بلکہ وسیلہ اور مقدمہ مقصود کا سمجھتا ہوں۔ نہ خود حلقہ بنانا دین ہے نہ توجہ کرنا ہی دین ہے۔ نہ صرف ناک سے سانس لینا ہی دین ہے ہاں یہ مقدمات دین ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں ان ادوار و وظائف کی قطعی کوئی گنجائش نہیں جو سنت سے ثابت نہ ہوں۔ ہمارے اختیار کردہ وظائف و معمولات میں سے اگر کسی چیز پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ کتاب و سنت کی واضح تعلیمات ہمارے سامنے ہیں ان ہی کو مشعل راہ مصدر ہدایت اور معیار ہدایت سمجھتے ہیں اور بس۔

اظہار کشف والہام جائز نہیں

یہ بات یونہی مشہور ہو چکی ہے کہ امور کشفیہ کو ظاہر نہ کیا جائے۔ عوام تو کیا خواص تک اس اظہار کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر تنکیر کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اول اظہار علم سلوک ضروری ہے بطور اظہار نعمت کے۔ دوم یہ کہ سلوک دین کا شعبہ ہے اور اظہار دین ضروری ہے۔ سوم یہ کہ اظہار کی ضرورت انکار کے مقابلے میں ہوتی ہے اور انکار حد سے گذر چکا ہے اور یہ شعبہ دین کا انکار ہے اس لئے اظہار ضروری ہے۔

تحدیث نعمت اور اظہار دین:

تحدث نعمت از روئے حکم باری تعالیٰ ضروری ہے۔صاحب تفسیر مظہری نے واما بنعمة ربک فحدث میں فرمایا کہ صوفیہ کرام کے اس اظہار پر تنکیر نہ کی جائے اور ارشاد الطالبین میں مذکور ہے کہ:

فمن انکر علی هئولاء الرجال فی مثل هذه المقال فکانه انکر هذه الاية.

''جس نے اس قسم کی باتوں میں صوفیہ کا انکار کیا گویا اس آیت قرآنی کا انکار کیا۔''

اور مشکوۃ باب اللباس فصل دوم میں حضرت عمر بن شعیبؓ سے روایت ہے کہ:

قال قال رسول الله ﷺ ان الله یحب ان یری اثر نعمته علی عبده.

''اللہ تعالےٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اظہار کیا جائے جو بندہ پر ہوئی۔''

اور اللمعات شرح مشکوۃ میں ہے کہ:

ازیں جامعلوم شود که پوشیده کر دن نرمت ولتمان ان والیست و گویا موجب کفران نعمت است وبم چنیں هر نعمتے که وے تعالی بریںده داد مثل وفضل 'باید که ظهر کند تامردم بشاسند واستفاده نما نینده و دت مصناق مما ینفقون داخل شود ۱۲۲

اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا چھپانا جائز نہیں گویا یہ نعمت کی ناشکری ہے۔اسی طرح وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر فرمائی مثلاً علم اور فضیلت (خواہ علم ظاہری ہو یا باطنی) اس کا اظہار ضروری ہے تا کہ لوگ واقف ہو جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت ''جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں'' کے مصداق میں داخل ہو جائے''

فائدہ: اظہار کمالات باطنیہ برائے فائدہ خلق جائز اور چھپانا ناجائز اور چھپانے والا ماخوذ ہوگا۔ ہاں مدارنیت پر ہے اور تفسیر جمل میں اسی آیت کے ضمن میں مذکور ہے۔

والذالک جوزو اللجامل ان یبین نفسه حتی یعرف فیقتبس منه لم یکن من باب التزکیه ۱۴۷

''اسی وجہ سے گمنام آدمی کے لئے جائز ہے کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے کہ لوگ اس کو پہچان کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو اس کا اپنے اوصاف بیان کرنا فخر میں داخل نہ ہوگا۔''

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ:

قال اجعلنی علی خزائن...مدح نفسه ویجوز للرجل ذلک اذا جال امره للحاجة ۴۸

مجھے خزانوں پر مامور کر دے (حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا) اپنی مدح کا بیان ہے اور آدمی کے لئے ایسا اظہار اور مدح جائز ہے جب لوگوں کو ضرورت ہو اور اس کا کمال پوشیدہ ہو۔''

اور اسی آیت کے تحت تفسیر جمل میں ہے کہ:

اما اذا قصد تزکیة النفس ومدحها لا یصال الخیر والنفع الی الغیر فلا یکره ذلک ولا یحرم بل یجب علیه ذلک مثاله ان یکون بعض الناس عنده علم نافع ولا یعرف به فانه یجب علیه ان یقول انا عالم

''اگر کوئی شخص اپنی تعریف محض لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کرتا ہے تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ بلکہ اس کا اظہار واجب ہے مثلاً ایک آدمی کے پاس علم ہے۔ اور نافع علم اور لوگوں کو اس کی واقفیت نہیں تو اس پر واجب ہے کہ یہ اعلان کرے کہ میں اس علم کا عالم ہوں۔''

عدم اظہار مشروط بہ شرط ہے:

جو شخص اظہار میں فخر سمجھتا ہو یا اس اظہار سے ایسا فائدہ اٹھانا چاہتا ہو جو شرعاً حلال نہیں تو اس کا اظہار ریا، خود نمائی اور فخر میں داخل ہوگا اور یہ ناجائز ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک قانون کی نشاندہی کی ہے۔

ومن هذا يوخذ الا مر يكتمان النعمه متي يوجد ويظهر كما ورد في حديث اعلى قضاء الحوائج بكتما نها فان كل ذي نعمه محسود ١٢٩

''اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا اس وقت تک کتمان ضروری ہے جب تک وہ ظاہر ہو کر وجود میں نہ آ جائے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اپنی حاجتوں کی امداد انہیں (پورا ہونے تک) پوشیدہ رکھ کر کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت محسود ہوتا ہے۔

فائدۃ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر انعام کرنا چاہتا ہے اور اس بندہ کو بذریعہ کشف والہام مطلع فرما دیتا ہے تو جب تک وہ انعام حاصل نہ ہو جائے اظہار نہ کرے شاید وہ نعمت روک لی جائے۔

۲: جس پر انعام زیادہ ہوگا اس کے حاسد بھی اسی نسبت سے بہت ہوں گے۔

۳: وہ اسرار و رموز جو اللہ تعالیٰ اور ولی اللہ کے درمیان خاص ہیں اور ان کے اظہار سے مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اظہار فتنہ مخلوق کا سبب بنے تو ان کا اظہار صحیح نہیں۔ ان امور کو ظاہر نہ کرے تا کہ صاحب اسرار بن جائے۔

حقیقت یہ ہیکہ کمال خواہ کسی قسم اور کسی درجے کا ہو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے:

نیکو روی تاب مستوری ندارد — چو بندی در ز روزن سر بر آرد

اگر اظہار نہ ہو تو حق و باطل میں تمیز کیسے ہو۔ حقیقی صوفیہ اور بے معنی مدعیان تصوف میں

فرق کیونکر ظاہر ہو لوگوں کو کیسے معلوم ہو کہ صحیح اسلامی تصوف کیا ہے؟ عوام کی تو یہ حالت ہے کہ ہر دیوانے کو مجذوب سمجھنے کے لئے تیار ہیں اور مدعیان تصوف میں سے جسے چاہیں قطب زماں سمجھتے ہیں۔

جب سماع موتی ممکن ہی نہیں تو ان سے رابطہ کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو معارف یا کمالات علمی روح اس دنیا میں رہ کر حاصل کرتی ہے وہ بعد از مفارقت بدن اس سے سلب نہیں کیے جاتے بلکہ ان مکسوبہ علوم و معارف میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور روح کے ادراکات وسیع ہو جاتے ہیں۔ ہاں روح سے وہ افعال و اعمال سلب ہو جاتے ہیں جو بدن کے وسیلہ سے کرتی تھی۔ دنیا میں روح مادی کانوں' آنکھوں اور زبان کی محتاج تھی کیونکہ مادیات کو سنانا اور دکھانا وغیرہ مقصود تھا۔ جب مادہ سے مفارقت ہوئی تو مادی آلات سلب ہو گئے۔ مگر روح میں بولنے' سننے اور دیکھنے کی قوت باقی رہی۔ یہ روح کی ذاتی صفات ہیں۔ پس روح زندہ ہے' کلام کرتی ہے دیکھتی ہے' سنتی ہے کلام کا جواب دیتی ہے۔

یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء میں مفصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

فقلب المئومن لا یموت وعلمه عندالموت لا یمحی وصفاء و لا یکدر ۱۳۰

''مومن کا قلب نہیں مرتا۔ اس کا علم اس سے سلب نہیں کیا جاتا۔ اس کی صفائی کو مکدر نہیں کیا جاتا۔''

دوسرے یہ بات کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں گفتگو کا حق بھی اصحاب کشف کو ہے جیسا کہ صاحب کشف الاستار نے وضاحت فرمائی ہے:

واعلم ان اعلی الکلام واقصی المرام ان ھذہ المسئلہ لیست مما یبحث فیہ اللفاظون وینقل انقل النقالون بل ھو من النکشاف الصفاتی الذی یکشفہ اللہ تعالیٰ علی بعض اولیاء ۱۳۱

''خوب سمجھ لو کہ بہترین بات اور منتہائے مقصود یہ ہے کہ (سماع موتیٰ) کا مسئلہ اس قبیل سے نہیں کہ لفظوں سے کھیلنے والے اس بحث میں پڑیں یا محض نقل کرنے والے اسے نقل کر دیں بلکہ یہ تو انکشاف صفاتی سے ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء پر منکشف فرماتے ہیں۔''

فائدہ: اس سے یہ مراد نہیں کہ کشف کوئی مستقل دلیل شرعی ہے۔ مگر جب دلیل قطعی کے مطابق ہو تو صاحب کشف کے لئے یقینی حجت ہے۔

بعد موت جسمانی روح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے

قال تعالیٰ ۔قیل ادخل الجنہ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین.(یٰسین)

''ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو۔ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔''

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قوم نے جو سلوک اس مرد مومن کے ساتھ کیا تھا وہ اسے یاد تھا۔ اس نے یہ بات بھی اظہار افسوس کے طور پر کی۔

روح سنتی بھی ہے:

قال تعالیٰ ۔ واذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ...قال

فخذ اربعة من الطير فصر هن اليک ثم اجعل علی کل جبل منهن جزائم ادعهن یاتینک سعیا.

''اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے۔ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ ارشاد ہوا۔ اچھا تو تم چار پرندے لو۔ پھر انہیں پال کر اپنے لیے ہلالو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ پھر ان سب کو بلاؤ دیکھو تمہارے پاس سب دوڑتے چلے آئیں گے۔''

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کا رد ان الفاظ سے فرمایا:

ومما دلت الایۃ علیٰ حصول فھم النداء و القدرۃ علی اسعی لتلک الجزاء حال تفرقھا. کان دلیلا قاطعا علی ان البنیہ لیست شرطا للحیاۃ (تفسیر کبیر)

''آیت اس حقیقت پر دال ہے کہ پرندوں کے اجزا نے آواز کو سنا سمجھا اور چلنے پر قادر ہونے باوجود اس بات کے کہ متفرق اجزاء تھے۔ پس یہ آیت اس امر پر دلیل قاطع ہوئی کہ حیات کے لیے وجود صحیح کا ہونا شرط نہیں۔

آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے واضح ہے۔ روح کے سماع میں تو اختلاف ہے ہی نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ بدن سنتا ہے یا نہیں۔ نکیرین کے سوال و جواب کے وقت اعادہ روح کا کیا جاتا ہے جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے پس اختلاف اس میں ہے کہ نکیرین کے سوال و جواب کے بعد بدن سنتا ہے یا نہیں

سوال و جواب نکیرین کے وقت عود روح الی البدن:

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال و سوال البدن بلاروح قول قالہ طائفۃ من الناس وانکرہ الجمھور ۱۳۲

"شیخ الاسلام نے فرمایا کہ صحیح اور متواتر احادیث نکیرین کے سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں مگر ایک جماعت متواتر احادیث کی مخالفت کرتی ہے۔
اور جمہور علماء نے اس جماعت کی مخالفت کی ہے۔"

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قال ابن تیمیه الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السوال سوال البدن بلا روح قول طه منیه ابن الزاغونی وحکی ابن جریر وانکره الجمهور ۳۳

قال السلفی عود الروح الی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح لجمیع الموتی وانما الخلاف فی استمرارها فی البدن ۱۳۴

وسئل عن المیت اذا سئل هل یقعد ام سئل وهو راقد فاجاب یقعد وسئل عن الروح هل تلبس الجثه کما کانت قال نعم لکن ظاهر الخبر انها تحل فی نصفه الاعلیٰ ۱۳۵

"امام ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال نکیرین کے وقت عود روح الی البدن کی احادیث صحیح اور متواتر ہیں۔ ایک گروہ سوال بلا روح کا قائل ہے جیسا ابن الزغونی ابن جریر (اور کرامیہ) اور جمہور علماء ان کے مخالف ہیں"

علامہ سلفی نے کہا کہ قبر میں عود روح الی البدن ثابت ہے اور تمام موتے کے لئے ہے اور یہی صحیح مذہب ہے اختلاف صرف روح کے بدن میں ہمیشہ رہنے میں ہے۔"

"شیخ الاسلام علامہ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ وقت سوال و جواب میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ یا حالت فراش میں ہی سوال ہوتا ہے تو جواب دیا بٹھایا جاتا ہے۔
پھر سوال ہوا روح بدن اوڑھ لیتی ہے۔ جواب دیا ہاں مگر احادیث میں آتا ہے کہ روح کا تعلق بدن کے حصے سے ہوتا ہے۔"

پھر چند سطور کے بعد فرمایا:

وهي لا تزال متعلقة به وان بلي وتمزق وتقسم وتفرق.

''اور یہ تعلق روح کا بدن سے ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ جسم ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جائے۔''

فائدہ: قبر میں میت سے سوال و جواب کے وقت روح کا تعلق بدن سے پیدا ہو جاتا ہے۔ روح کا تعلق جسم کے بالائی حصہ سے ہوتا ہے کیونکہ قلب بالائی حصہ میں ہے اور سمجھنے کا آلہ ہے۔

قبر میں انبیاء علیہ السلام کے جسم کا تعلق روح سے دائمی ہوتا ہے

فجاء ابو بکرؓ فکشف عن رسول اللہ ﷺ فقبله فقال بابی انت وامی طبت حيا وميتا . والله الذی نفسي بيده لا يذيقك الله لموتتين

اس کی شرح میں ابن حجر نے فرمایا۔

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم . ١٣٦

''پھر حضرت ابوبکرؓ آئے۔ حضور اکرم ﷺ (کے چہرہ انور) سے کپڑا اٹھایا۔ بوسہ لیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ حیات میں اور بعد حیات پاکیزہ ہی رہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ کو اللہ تعالیٰ دوبارہ موت نہ دے گا۔

صاحب فتح الباری نے فرمایا کہ اس سے احسن جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ قبر مبارک میں حضور ﷺ کی زندگی ایسی دائمی ہے جس کے بعد موت نہیں اور انبیاء قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔''

فائدہ: قبر میں سوال کے وقت روح کا جو تعلق بدن سے پیدا ہوتا ہے وہ انبیاء کے اجساد

کے ساتھ دائمی رہتا ہے اس تعلق کو توڑا نہیں جاتا۔ اسی تعلق کی وجہ سے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

عذاب قبر جسم روح دونوں پر ہوتا ہے

وانعقد الاجماع علیٰ عذاب القبر علی الروح والجسد جمیعاً۔

''اس پر اجماع امت ہے کہ ثواب وعذاب قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔''

وقد علت الاحادیث مالا یحصی علیٰ عذاب القبر وانعقد علیہ اجماع السلف ۱۳۸

''اور بے شمار احادیث عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اور اس پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔''

الاول ان المیت حیی فی قبرہ فیعذب وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ۱۳۹

''اول یہ کہ میت قبر میں زندہ ہوتا ہے اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔''

احیاء الموتی فی قبور ھم ومسالہ منکر ونکیر لھم وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عندنا واتفق علیہ اسلف الامہ ۱۴۰

''قبروں میں مردوں کا زندہ ہونا۔ منکر نکیر کا سوال ہونا۔ عذاب قبر کافر اور فاسق کے لئے ہونا سب حق ہے اس پر سلف صالحین کا اتفاق ہے۔''

فائدہ: ثواب وعذاب قبر چاہتے ہیں حیات کو۔ حیات چاہتی ہے تعلق روح کا بدن سے۔ اور یہ چاہتا ہے عود روح الی الجسد کو اور عود روح متواترات سے ہے اور عذاب و ثواب روح وبدن دونوں پر اجماع امت ہے۔ اور یہی مذہب اہل السنت والجماعت کا ہے۔

سماع موتی پر اجماع امت ہے

حضور اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبرستان سے گزریں تو کہیں السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔

وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل ولولا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة خطاب المعدوم والجماد والسلف مجموعون على هذا وتواترت الآثار منهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له ويستبشر ثم قال والخطاب والنداء لموجود يسمع ويخاطب ويعقل ويرد وان لم يسمع المسلم الرد ۱۴۱

"یہ خطاب (سلام کہنا) اس شخص کے لئے ہے جو سنتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بمنزلہ خطاب معدوم اور پتھر کے تھا۔ (اور یہ محال ہے) سماع موتی پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔ اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ میت اس زندہ کو پہچانتا ہے جو اس کی زیارت کو جاتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے پھر ابن کثیر نے فرمایا۔ یہ خطاب ایسے آدمی کے لئے ہوتا ہے۔ جو سنتا ہے، سمجھتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے خواہ سلام کہنے والا جواب سنے یا نہ سنے۔"

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے اسی میں عذاب ہوتا ہے بدن اسی گڑھے میں ہے۔ ہاں یہ برزخ کا حصہ ہے۔ جیسے انسان دنیا میں آباد ہے مگر زمین کے کسی حصہ میں آباد ہوتا ہے اسی طرح میت برزخ میں ہے مگر کسی حصے میں ہے اور وہ حصہ قبر ہے جس میں مدفون ہے۔

سوال: اگر قبر سے عالم برزخ مراد نہ لیا جائے بلکہ یہ گڑھا مراد ہو تو کئی حدیثوں کی تکذیب لازم آئے گی۔

مثلاً جس میت کو درندے کھا گئے۔ پانی میں ڈوب گیا۔ آگ میں جل گیا تو اس کی قبر کہاں۔ پس قبر کے ایسے معنی عام لیے جائیں جس مین تمام افراد شامل ہوں نیز رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں کسی کو خونی نہر میں معذب پایا کسی کو تنور میں وغیرہ۔ حالانکہ وہ قبر میں نہ تھے۔

انما اضيف العذاب الى القبر لكون معظمه يقع فيه ولكون الغالب على الموتى ان يقبروا.

"عذاب کی نسبت قبر کی طرف بوجہ اکثریت کے کی گئی ہے کہ اکثر قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے۔ اور غالب حکم یہی ہے کہ میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔"

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن کرنا ایک قانون ہے۔ اس کے خلاف واقعہ شاذ ہوگا جو قانون کو توڑ نہیں سکتا۔

پانی میں ڈوب جانے کے متعلق قرآن مجید نے بتادیا کہا اغرقو افادخلو نارا فرعونی غرق کیے گئے اور فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ یعنی جہاں بدن کے ذرات ہوں گے ان سے روح کا تعلق عذاب وثواب کے لیے لازمی ہوگا۔

آگ میں جل جانے کے متعلق بخاری میں صاحب وصیت کا واقعہ موجود ہے جس نے وصیت کی تھی کہ میرے جسم کو جلا دیا جائے۔ راکھ کو پانی میں پھینک دیا جائے کچھ ہوا میں اڑا دی جائے وغیرہ اللہ تعالےٰ نے اجزا کو جمع کر کے زندہ کیا اور سوال کیا۔۔۔۔ الخ۔۔۔۔ زندہ کرنا بتاتا ہے کہ سوال وجواب کے وقت بدن مین روح آ جاتی ہے۔ صاحب وصیت کی روح تو زندہ تھی۔ پھر ذرات کا جمع کرنا اور زندہ کرنا بتاتا ہے کہ روح کا تعلق بدن سے قائم کیا گیا ہے۔ رہا یہ امر کہ شب معراج میں حضور ﷺ نے روح کو معذب پایا نہ کہ جسم کو تو ثابت کیا جا چکا ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب

ہوتا ہے۔ اور روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن سے رہتا ہے۔ شب معراج میں برزخ میں روح کو معذب دیکھنے سے جسم کے عذاب کی نفی کیسے لازم آئی۔ خوب سمجھ لو کہ اگر بدن کو عذاب نہ ہوتا تو اعادہ روح کی حاجت نہ تھی۔ روح جہاں ہوتی عذاب ہو جاتا۔ اور یہ کہ قبر سے گڑھا مراد ہے ورنہ تعاد الروح الی جسدہ بے فائدہ ہے یعنی روح تو پہلے برزخ میں تھی۔ پھر اعادہ برزخ سے برزخ کی طرف کیونکر ہوا۔

سوال: انک لاتسمع الموتیٰ اور ومآانت بمسمع من فی القبور میں کفار کو حقیقی موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو حقیقی معنوں میں موتی ہیں۔ ان سے تو نفی سماع یقیناً ثابت ہوتی ہے۔

الجواب۔ اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ میت پر حقیقی معنی موت کا اطلاق ہو جائے اور ہونا بھی چاہیے۔ رہا لاتسمع کا معاملہ تو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہ ہوگا بلکہ مجاز مراد لیا جائے گا۔ قاعدہ ہے کہ مشبہ کو مشبہ بہ سے ایک وصف مشہورہ میں، جو مشبہ بہ کو لازم ہے تشبیہ دی جاتی ہے تشبیہ کی حقیقت یہ ہے کہ افتراک الشیئن فی وصف ھو لازم لا حدھما اومشھور بہ جیسے زید اسد۔ یہاں کفار کو وصف موت میں تو تشبیہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ وصف دونوں میں مشترک نہیں کیفار تو حیات میں ہیں بلکہ سماع میں تشبیہ دی گئی ہے سماع میں یہ دونوں شریک ہیں۔ لیکن سماع سے مطلق سماع مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وصف میں دونوں مشترک نہیں۔ کفار کان رکھتے تھے۔ خوب سنتے تھے پھر مطلق سماع کی نفی کیسے مراد ہو سکتی ہے۔ لہذا یہاں ''اطلاق مطلق علی المقید'' ہے یعنی سماع نافع جو نفع مقید ہے مطلق سماع مراد نہیں پس آیت متذکرہ بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح انبیاء کی تبلیغ کا مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح ان کی تبلیغ کفار کو

بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ موتی القلوب ہیں۔ ثابت ہوا کہ یہاں مطلق کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو انسان کے لیے مفید ثابت ہو اور یہی وصف ان میں مشترک ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں ''اسماع'' کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ اس بنیاد پر بعض جدید مفسرین قرآن جو فی الحقیقت محرفین قرآن ہیں اور جو فن تحریف کتاب الٰہی میں اہل کتاب اور دیگر محرفین حضرات سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ ''سماع مطاوعہ ہے اسماع کا اور مطاوعہ تابع ہوتا ہے اپنے مطاوعہ کا جو اصل ہے اور فرع اپنے اصل کے مخالف نہیں ہوتا'' اس کا جواب یہ ہے کہ سماع کو اسماع کا مطاوعہ بنانا ہی غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ از قبیل ترتب احد الفعلین علی الاخرمن غیر تاثیر ہے جیسے اسمعتہ فلم یسمع یاھدہ فلم یھتد یہ افعال ترتب اھدالفطین علی الاخرمن غیر تاثیر ہیں۔

جواب ثانی: افعال انسانی دو قسم ہیں۔ (1) عادیہ طبیعہ یعنی بطور عادت اور (2) خرق عادت قسم ثانی کے افعال کا صدور انسان سے خواہ اپنے اختیار سے ہی ہو جائے ان کی نسبت انسان کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ باری تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ آیت بالا میں اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ تم نہیں سنا سکتے میں سنا سکتا ہوں۔ ولکن اللہ یسمع من یشاء اور ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی اور فلم تقتلو ھم ولکن اللہ قتلھم وغیرہ۔ اسی طرح اولیاء اللہ جو برزخ والوں سے کلام کرتے ہیں وہ بھی خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے مامور عادیہ سے نہیں ہوتی۔

سوال: کسی نے حلف اٹھایا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا یا کپڑا نہیں پہناؤں گا یا

اسے نہیں پیٹوں گا۔ اگر اس سے یہ افعال زید کی موت کے بعد صادر ہوئے تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ میت میں حس نہیں۔ نہ سنتا ہے نہ مارنے سے متالم ہوتا ہے۔

الجواب: ایمان کی بنیاد عرف پر ہے عرف میں کلام کرنا' مارنا وغیرہ افعال حیات حالی سے مقید ہے مثلاً زید مر گیا' اس کی میراث تقسیم ہوگئی۔ بیوی دوسری جگہ نکاح کر گئی۔ پھر کسی نبی کے معجزہ یا ولی کی کرامت سے زندہ ہوا تو اسے نہ عورت ملے گی نہ میراث۔ کیونکہ ان کا تعلق سابقہ حیات سے تھا۔ یا مثلاً ایک کافر مر گیا' کسی نبی کے معجزہ سے زندہ ہوا' اب اگر ایمان لائے تو قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر و ایمان کا تعلق حیات سابقہ سے تھا۔ اسی طرح اس حلف کا تعلق بھی حیات معروف سے ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا کہ میت سنتا نہیں یا متالم نہیں ہوتا حماقت ہے۔ پھر اس استدلال کو ائمہ کرام سے منسوب کرنا ان پر بہتان ہے۔

واما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذاه الامور وانما حكموا في الحلف بالضرب والكلام والدخول عليه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هذه الاشياء بالميت لكون الايمان مبنيه على العرف والعرف قاض ان بهذه المورير اديها ارتباطها مادام الحياة لا بعد الموت في الكلام بالميت وان كان كلاما حقيقه ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف بحكم بان المراد بقوله لا اكلمك هو الكلام حالة حياته وكذا الا يلام وان كان يتحقق في الميت لكن العرف قاض على ان المراد في قوله لا ضربك هو ضربه حيا لا ميتا ۱۴۲

"جہاں تک ہمارے آئمہ کرام کا تعلق ہے وہ ان امور کے انکار سے بری ہیں۔ انہوں نے میت کو مارنے' اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ

ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ ایمان کی بنا عرف پر ہے۔ اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی زندگی میں لی جاتی ہے۔ نہ کہ بعد موت۔ اور میت سے جو کلام کی جائے اگر چہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں اسماع وافہام پایا جاتا ہے لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام کے بارے میں ہے خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہیکہ اس قول سے مراد کہ میں اسے نہ ماروں گا حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے۔"

سوال: حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عائشہؓ سماع موتی کا انکار فرماتے ہیں آخر کیوں؟

الجواب: فاروق اعظمؓ کے مبینہ انکار کی بنیاد جس روایت پر رکھی گئی ہے۔ اس کی حقیقت ملاحظہ ہو:

وکان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصه ثلث ليال فلما كان ببدر اليوم الثالث امر براحلته فشد عليها رحلها ثم مشی واتبعه اصحابه حتی قام علی شفه الركی فجعل ينا ديهم بنهم... فقال عمر يا رسول الله ماتكلم من اجساد لا ارواح لها قال النبی و والذی نفس محمد بيده ماانتم باسمع لما اقول منهم ۱۳۴

"حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو تین دن رات وہاں قیام فرماتے۔ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو سواری کا حکم دیا۔ اس پر پالان رکھا گیا۔ پھر آپ ﷺ بدر کے گڑھے کی طرف چلے گئے اور اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہوئے جس میں صنادید قریش کی لاشیں پڑی تھیں پھر ان کا نام لے لے کر پکارنے لگے۔۔۔ پس حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ

ان اجساد سے کیسے کلام فرما رہے ہیں جن میں ارواح نہیں تو حضور ﷺ نے جواب دیا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔" الخ

فائدہ: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا سوال انکار پر مبنی نہیں تھا بلکہ دریافت مسئلہ کے لیے تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ کا جواب سنا کہ "تم ان سے زیادہ نہیں سنتے" تو کیا عمر فاروق ؓ جیسے شخص کے انکار کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد انکار تو کیا حضرت عمرؓ کے تعجب ہی کی کوئی دلیل پیش کیجیے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعجب اس بات پر تھا کہ ان کو مرے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں۔ نکیرین کے سوال و جواب کا وقت تو گزر چکا تو کیا اب بھی یہ لوگ سنتے ہیں؟ اس امر کی شہادت دوسری روایات سے ملتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان امرہ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ ﷺ فسأل عنھا بعد ایام فقیل لہ انھا ماتت ۱۴۴

"ابو ہریرہؓ سے روایت کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ حضورؐ نے ایک روز اسے نہ پایا چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ مر چکی ہے۔

دوسری روایت عبداللہ بن مرزوق سے ہے:

فمر علیٰ قبرھا فقال ماھذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالو انعم وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل قالوا یا رسول اللہ اتسمع؟فقال ماانتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ تقم المسجد ۱۴۵

"ابن مرزوق کی روایت ہے کہ حضور ﷺ اس کی قبر کے پاس سے گزرے پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ عرض کیا ام محجن کی۔ فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ عرض کیا جی

ہاں پھر صف باندھی گئی۔ نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ام محجن سے سوال کیا تم نے کونسا عمل افضل پایا۔ صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آپ کی آواز سن رہی ہے؟ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ پھر عورت نے جواب دیا مسجد میں جھاڑو دینے کے عمل کو افضل پایا۔"

فائدہ: ان احادیث سے دوام سماع کا ثبوت ملتا ہے (اگر اللہ تعالےٰ چاہے) ام محجن سے حضور اکرم ﷺ نے کئی دنوں کے بعد پوچھا کہ تو نے کس عمل کو افضل پایا تو اس نے جواب دیا۔ معلوم ہوا کہ میت سے سوال و جواب کیلیے وقت کی قید جو منکرین سماع موتی پیش کرتے ہیں غلط ہے۔ مشکوۃ اور الترغیب کی روایات ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ سماع موتی کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے ایک صورت میں تین دن بعد اور دوسری صورت میں کئی دن بعد ثابت ہے۔ یہ ہے حضرت عمرؓ کے مبینہ انکار سماع موتی کی حقیقت اور بس۔

رہا حضرت عائشہؓ کے انکار کا سوال تو ان کی زبانی ایک روایت ملاحظہ ہو:

قالت قال رسول الله ﷺ مامن رجل يزور قبر اخيه ويجلس عنده الا اسنس به ورد عليه ١٤٦

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور قبر کے پاس بیٹھے تو وہ میت اس سے مانوس ہوتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔"

یہ حدیث سماع موتی کے حق میں واضح ہے مگر منکرین اس پر جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے لیکن جب اس کی شواہد مرفوع حدیثیں موجود ہیں تو یہ قوی ہوگئی جیسا:

عن ابن عباس مرفوعا مامن احد يمر بقبر اخيه المسلم كان يعرفه

فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علی روحه حتی یرد علیه السلام رواه ابن عبدالبر مصححا له عن ابن عباس وعن ابی حریرة قال اذا مرالرجل بقبر یعرفه مسلم علیه رد علیه السلام ۱۴۷

ثم قال هذا باب فیه اثار کثیرة من الصحابه ۱۴۸

''ابن عباسؓ سے صحت کے ساتھ مرفوعا مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص جو اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہے تو اللہ تعالیٰ میت کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرے جسے وہ پہچانتا ہو اور وہ سلام کہے تو میت اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

پھر ابن کثیر نے فرمایا کہ سماع میت کے بارے میں صحابہؓ کے بہت سے آثار منقول ہیں۔''

کتب فقہ میں عدم سماع کا ذکر باب یمین میں ہے۔ اور یہ مشائخ کا اپنا استخراج ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت عدم سماع کی نہیں۔ شرح وقایہ کے حاشیہ پر ترجمان حنفیت مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں۔

وبالجملة لم یدل دلیل قوی علیٰ نفی سماع المیت وادراکه و فهمه وقائمه لا من الکتاب ولامن السنه بل السنة الصحیحه الصریحة دالة علی ثبوتها له والحق فی اهذا لامقام ان هذا کله من تقریرات المشائخ وتوجیهاتهم وتکلفاتهم ولا عبرة بها حین مخالفتها للاحادیث الصحیحه واثار الصحابة الصریحة.''۱۴۹

"حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دلیل قوی نفی سماع میت پر یا نفی ادراک میت یا نفی فہم میت پر یا میت کے متالم نہ ہونے پر نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث نبوی ﷺ سے بلکہ احادیث صحیحہ تو سماع موتی کے ثبوت پر دال ہیں اور حق یہ ہے عدم سماع کی تمام تقریریں مشائخ کی ہیں انہی کی توجیہات اور انہی کے تکلفات باردہ ہیں۔ ان تقریرات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جب وہ احادیث صحیحہ اور صریح آثار صحابہؓ کے خلاف ہیں۔

فوائد: ۱: قرآن مجید میں کوئی آیت موجود نہیں جس کا مدلول عدم سماع میت ہو۔

۲: جو آیات قرآنی عدم سماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وہ تاویلات باطلہ کے ارتکاب کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حضور اکرم ﷺ کا عقیدہ اور صحابہ کرامؓ کا عقیدہ خلاف قرآن تھا۔ العیاذ باللہ

۳: حضرت عزیر علیہ السلام اور اصحاب کہف کے واقعہ سے عدم سماع ثابت کرنا اسی قسم کی غلطی ہے۔ حالانکہ ان میں علم کی نفی مقصود ہے سماع کی نفی مراد نہیں عدم علم عدم سماع کو مستلزم نہیں۔ باقی جس قدر آیات قرآنی اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں ان کا مدلول عدم سماع نہیں بلکہ عدم مختاریت اور عدم الوہیت ہے۔ کفار چونکہ آلہہ باطلہ کو مختار کل اور مختار بالذات سمجھتے تھے اس لئے مختاریت کی نفی کی گئی ہے۔

۴: ان احادیث اور آثار صحابہؓ سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا عقیدہ سماع موتی کے حق میں تھا۔ جمہور علماء کا بھی یہی عقیدہ تھا جیسا کہ فتح الباری کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے فقہ کے ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی رائے اس سلسلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تنبیہ: یہ امر خصوصیت سے پیش نظر رہے کہ سماع موتی سے مراد اہل قبور اور اولیاء اللہ کو

حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا نہیں بلکہ اس سے مراد وہی ہے جو احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ ورنہ نداء غائبانہ تو شرک ہے اور قبور کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ فاعل مختار صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء علیھم السلام اور اولیاء سب اس کے محتاج ہیں۔

روح سے اکتساب فیض ممکن نہیں

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جو معارف اور کمالات علمی انسان نے دنیا میں حاصل کیے۔ وہ بدن کی مفارقت کے بعد روح سے سلب نہیں کیے جاتے۔ بلکہ برزخ میں جا کر دنیا کے مقابلے میں زیادہ واضح اور وسیع ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دنیا کا کوئی انسان برزخ میں ارواح سے ملاقات کرسکتا ہے اور ان سے اخذ فیض کرسکتا ہے یا نہیں

حضور اکرم ﷺ کی ارواح انبیاء علیہ السلام سے ملاقات

واقعہ معراج کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ثم لقی ارواح الانبیاء فاثنوا علی ربھم ۵۰ ا

پھر حضور اکرم ﷺ نے انبیاء کے ارواح سے ملاقات کی اور ان ارواح نے اللہ تعالےٰ کی صفت وثناء کی۔"

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

قال لقیت لیلہ اسری بی ابراھیم و موسی علیھم السلام فتذاکرونی امر الساعہ فردوا امر ھم الی ابراھم فقال ال علم لی بھا ثم الی موسی فقال لا علم لی بھا ثم الی عیسی الخ ۱۵۱

حضور ﷺ نے فرمایا میں معراج کی رات حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملا آپس میں قیامت کے متعلق گفتگو ہوئی۔ سب نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ مگر سب حضرات نے فرمایا ہمیں قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں۔"

روح سے کسب فیض

فمررت علیٰ موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلوۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوۃ کل یوم وانی واللہ قد جربت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجہ فارجع الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک ۱۵۲

حضور ﷺ نے فرمایا میرا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ انہوں نے پوچھا آپ کو کس چیز کا حکم ہوا۔ میں نے کہا دن رات میں پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے فرمایا آپ کی امت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی میں نے آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا بڑا تجربہ کیا اور بنی اسرائیل کی اصلاح میں۔۔۔ نہایت درجے کی کوشش کی۔ پس آپ ﷺ اپنے رب کی پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔"

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے حضور ﷺ بار بار لوٹ کر جاتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔

لقیت ابراھیم لیلۃ اسری بھی فقال یا محمد اقرء امتک منی السلام واخبر ھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ وعذبۃ الماء وانھا قیعان وان غراسھا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الھی الا اللہ واللہ اکبر ۱۵۳

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا اپنی امت کو میرا سلام پہنچائیں۔ اور انہیں بتائیں

کہ جنت پاک صاف مٹی ہے۔ پانی میٹھا ہے صاف میدان ہے۔ اس میں باغ
لگانے والے یہ کلمات ہیں۔ سبحان اللہ الخ ''

فائدہ: ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے ارواح انبیاءؑ سے ملاقات کی ۔ان کے پیغامات سنے اور ان کے مشورہ پر عمل کر کے امت کے حق میں تخفیف کرائی۔

یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو کام حضور اکرم ﷺ نے کیا یا فرمایا یا انکار نہیں کیا۔ یا جو کام کسی نے آپؐ کے سامنے کیا اور آپؐ نے پسند فرمایا۔ یا آپؐ نے کسی کام کا اشارہ فرمایا' یا سوچا' یا قصد فعل کیا' یہ سب اقسام حدیث ہیں اور امت رسول کریمؐ کے ساتھ ہر فعل میں شریک ہے۔ جب تک تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔ حضور اکرمؐ کے ایک فعل کی تفصیل تو ہم نے بیان کر دی اب امت میں اس کی مثالیں دیکھئے۔

روح سے اجرائے فیض

حرہ کی جنگ کے سلسلے میں سعید بن عبدالعزیز کی زبانی حضرت سعید بن المسیبؒ کا واقعہ سنیئے۔

قال لما كان ايام الحرة لم يوذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثا ولم يقم. ولم يبرح سعيد بن المسب المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمهمه يسمعها من قبر النبي ﷺ ١٥٤

''فرمایا۔ ایام حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی ﷺ میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت۔ اور سعید بن المسیب برابر مسجد نبوی ہی میں رہے۔ اور انہیں نماز کے وقت کا علم صرف اس آواز سے ہوتا تھا جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے سنائی دیتی تھی۔

روح سے اخذ فیض کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال لا يدخل في هذا الباب ما يروى من ان قوما سمعوا رد السلام

من قبر النبي ﷺ اوقبور غين وان سعيد بن المسيب كان يسمع الاذان من القبر ليالي الحرة ونحو ذلك وهذا كله حق ليس مما نحن فيه والامر اجل من ذالك واعظم وكذالك ايضا مايرى ان رجلاً جاء الى قبر النبي ﷺ وسلم فشكا اليه الجدب عام الرمادة فراه وهو يامره ان ياتي عمر فيامره ان يخرج ليستسقي بالناس فان هذا ليس من هذا الباب ومثل هذا يقع كثيرا لمن هودون النبي ﷺ اولغيره من امته ۱۵۵

''فرمایا شرک و بدعت میں یہ چیز داخل نہیں جو روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی قبر سے سلام کا جواب سنا۔ اور باقی اولیاء اللہ کی قبروں سے بھی سنا اور یہ کہ سعیدؓ بن المسیب نے ایام حرہ میں حضور اکرم ﷺ کی قبر سے تین دن آذان کی آواز سنی۔ اس قسم کے تمام واقعات حق ہیں۔ مگر میری بحث ان واقعات سے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑے بڑے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ جیسے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آیا اور عام رمادہ کی قحط سالی کی شکایت کی۔ اس نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ اسے حکم دے رہے ہیں کہ عمرؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ''نماز استسقاء پڑھائیں'' یہ واقعات شرک و بدعت کے باب سے نہیں ہیں۔ اس قسم کے کثیر واقعات نبی اکرم ﷺ کے علاوہ آپؐ کی امت کے بزرگان دین سے بھی ثابت ہیں۔''

یہ قحط سالی کا واقعہ فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کی روایت سے باسناد صحیح مرقوم ہے ۱۵۶

فائدہ: ان احادیث سے روح کا نظر آنا' کلام کرنا' روح کو علم ہونا' حالات یاد ہونا' زندہ کو سلام بھیجنا روح سے استفادہ ثابت ہوا نبی کریم ﷺ نے ارواح انبیاء سے استفادہ کیا۔ قحط کی شکایت کرنے والے نے بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی

زیارت کی۔کلام سنی۔حضرت عمرؓ کو پیغام دیا۔

سعید بن المسیب نے بیداری میں آذان کی آواز سنی۔

یہ ہیں روح سے کسب فیض کے سمعی دلائل۔یہ ہے سنت رسول اللہ ﷺ جسے مسلمان بھول چکے ہیں۔آج اس مردہ سنت کو جو شخص زندہ کرے گا وہ سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرے گا۔افسوس ہے ان علماء سوء پر جو تصوف وسلوک کو بدعت کہتے ہیں۔سلوک اور باطنی فیض حاصل کیے بغیر یہ سنت زندہ نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک ذوقی دلائل کا تعلق ہے صوفیہ کافتہً اور محققین علمائے ظواہر اس پر متفق ہیں کہ خواص امت کو روح سے فیض ملتا ہے۔رہا یہ سوال کہ کیسے ملتا ہے تو اس حقیقت کا سمجھ میں آنا عارفین کاملین کا دامن پکڑے بغیر محال ہے۔اس کا تعلق ظاہری علم سے نہیں کہ کتابوں سے پڑھ کر آدمی روح سے اخذ فیض کا طریقہ سیکھ لے۔اس شعبہ میں آ کر ایک عام جاہل آدمی اور عالم ظاہر بیں میں کوئی فرق نہیں۔فرشتے بڑی مقدس ہستیاں ہیں۔مگر شادی کی کیفیت اور شہد کی لذت سمجھنے سے قاصر ہیں۔اس لیے من ذاق ذاق ومن وجد وجد سو روح سے اکتساب فیض کا طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کی شاگردی اختیار کرو۔رضائے الٰہی مقصد رکھو۔ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔یہ نشانات راہ نظر آ جائیں گے۔

پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آدمی رضائے الٰہی کو مقصد بنا کر اور طلب صادق لے کر ہمارے سلسلہ میں آ جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ چھ ماہ کے عرصہ میں روح سے کلام بھی کر لے گا۔روح کو دیکھ بھی لے گا۔روح علیین میں ہو اور بدن صحیح ہو تو روح کا تعلق بدن سے کس طرح ہوتا ہے۔اگر بدن صحیح نہ ہو تو ذرات جسم کے ساتھ روح کا تعلق کیسے ہوتا

ہے اور یہ بھی دیکھ لے گا کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کا تعلق آپ ﷺ کے جسم اقدس سے جس صورت میں ہے اُس کی کیفیت کیا ہے اور آپ ﷺ قبر مبارک میں کس کیفیت سے زندہ ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھ لے گا کہ حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے انوار کی بارش کس طرح ہوتی ہے اور ان انوار کی تاریں کس طرح مسلمانوں کے قلوب تک پہنچتی ہیں۔ اور یہ فیض کی تاریں کس طرح مومنوں کے ایمان کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میری ان باتوں سے بعض لوگوں کو سخت تکلیف ہوگی۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ہم عصر ایک دوسرے کے کمالات کو کب تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ بعید نہیں کہ پیشہ ور فتوی باز حرکت میں آجائیں۔ کیونکہ ہر زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ مگر میری غرض اظہار حق ہے۔ اور تصوف وسلوک اسلامی کو حقیقی رنگ میں پیش کرنا ہے جسے دنیا پرست دکان داروں نے ایسا مسخ کر دیا ہے کہ اس کا پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ آنے والی نسلیں انشاء اللہ تعالےٰ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گی۔

۵: اگر صوفیہ عارفین رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تو صحابی ہوئے۔ اور حضور اکرم ﷺ سے کلام کرتے ہیں تو حضور ﷺ سے جو کلام سنتے ہیں وہ حدیث ہوئی۔ پھر صحابہؓ اور ان صوفیاء میں کیا فرق ہوا۔ اور حدیث نبوی ﷺ میں اور ان سے کلام کے سلسلے میں حضور ﷺ کے فرمان میں کیا فرق ہوا؟

الجواب: صحابی ہونے کی شرط

صحابی ہونے کے لئے دوشرطیں ہیں اول حیات جسمانی اور مکلف ہونا یعنی نماز، روزہ ، حج، زکوۃ وغیرہ فرائض ادا کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا دوم اسی عالم آب وگل میں صحبت کا شرف حاصل ہونا۔

ولا یلزم من ذلک ان الرائی صحابی لان الشرط الرویۃ فی عالم الملک لا فی عالم الملکوت ۱۵۷

''اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا صحابی بن جائے کیونکہ رویت کی شرط اسی عالم آب وگل کے ساتھ مختص ہے عالم ملکوت سے نہیں۔''

صوفیہ کرام کی رویت میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں انہیں یہ شرف صحبت عالم برزخ میں روحانی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ جہاں روح کا تعلق بدن سے تو ہے مگر تدبیر و تصرف کا تعلق نہیں پس صحابی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث کی حقیقت

جو کلام رسول اکرم ﷺ نے تلقی روحانی سے اخذ کیا ہو اور جسم مادی کی زبان سے بیان فرمایا ہو وہ حدیث ہے۔ پس صوفیہ کے روحانی کلام پر حدیث کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ البتہ حضور اکرم ﷺ سے صحیح حدیث کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔ اور اس کی مثال موجود ہے۔ مشکوۃ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ۔

ابی عیاشؓ صحابی نے لاالہ الا اللہ واللہ اکبر کے فضائل بیان کیے تو رات کو ایک صحابی نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس کی تصدیق کرائی۔

فرای رجل رسول اللہ ﷺ فیما یری النائم فقال یا رسول اللہ ان

اباعیاش یحدث عنک کذاو کذا قال صدق ابو عیاش ۸ ۵ ۱

"ایک شخص نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا حضور ﷺ!
ابو عیاش کلمہ لا الہ الا اللہ الخ کا ثواب اس طرح بیان کرتا ہے حضور ﷺ نے
فرمایا اس نے سچ کہا۔"

فائدہ: خواب میں تصدیق شدہ حدیث کو کتب حدیث میں داخل کیا گیا ہے۔ مگر یہ تصدیق اس حدیث کی تھی جو آپ دنیا میں بیان فرما آئے تھے۔ اس تصدیق سے مزید تاکید اور تائید ہوگئی۔ برزخی حدیث سے کوئی نیا حکم ثابت نہ ہوگا۔ سابقہ احکام کی تائید و تصدیق ہو سکتی ہے اور صوفیہ بھی یہی کرتے ہیں اور بیداری کے عالم میں تصدیق کرا لیتے ہیں۔

صوفیہ کرام میں جو اصحاب کشف ہوتے ہیں وہ صحیح حدیث کی پہچان ایک اور طریقہ سے بھی کر لیتے ہیں۔ وہ یوں کہ صحیح حدیث جب پڑھی جائے تو اس کے ساتھ انوار ہوتے ہیں اور موضوع حدیث کے ساتھ ظلمت نکلتی ہے۔ اور اہل کشف کو وہ انوار اور ظلمت نظر آتے ہیں۔ اس طرح صوفیہ کرام کسی حدیث کی صحت و عدم صحت میں تمیز کر سکتے ہیں۔

۶: خلافت راشدہ کے دور میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف ہوتا رہا۔ پھر جنگ جمل اور صفین میں فتنوں کے دروازے کھلے تو صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح سے دریافت کر کے یہ مسائل کیوں نہ حل کر لیے۔ نیز صحابہؓ سے اس قسم کے واقعات منقول نہیں جو چیز صحابہؓ کو حاصل نہیں تھی وہ صوفیہ کو کیونکر حاصل ہوگئی ہے۔

الجواب: اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ پہلے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صحابہؓ نے یہ مسائل کیوں نہ حل کر لیے۔

قرآن کریم نے مسئلہ خلافت بیان فرمایا۔ خلفاء کے اوصاف بھی بیان فرمائے مگر خلیفہ کی تعیین نہیں فرمائی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے خلافت کے متعلق کئی باتیں بطور پیشین گوئی بیان فرمائیں۔ خلفاء کے اوصاف بیان فرمائے مگر خلفاء کے نام نہیں گنوائے۔ اسی طرح آنے والے فتنوں کے متعلق حضور ﷺ نے بیان فرمایا۔ دجالوں، کذابوں اور مدعیان نبوت کا ذکر فرمایا مگر کسی کا نام نہیں لیا۔ یعنی حضور ﷺ نے اپنی اس دنیا کی زندگی میں خلافت کا مسئلہ نہ حل فرمایا نہ صحابہؓ نے اس کا حل دریافت کیا نہ آنے والے فتنوں کا حل صاف صاف آپ ﷺ نے فرمایا نہ صحابہؓ نے دریافت کیا۔ اب فرمائیے کہ جو مسئلہ اس کی اہمیت کے باوجود حیات نبوی ﷺ میں صحابہؓ نے حل نہ کرایا بعد وفات اس کے متعلق استفسار کیا معنی رکھتا ہے؟

اب اس کی حقیقت سمجھیں۔ عین حیات میں ان مسائل کے حل نہ بتانے کی وجہ یہ ہے کہ واقعات قبل از وقوع حل نہیں کیے جاتے۔ خلیفہ کا مقرر کرنا امت کا اپنا فرض ہے۔ تقاضائے وقت کے مطابق فتنوں کا بند کرنا بھی ان کا اپنا فرض ہے ہاں حل کے طریقے خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول کریم ﷺ نے بتا دیئے۔ مسلمان اس امر کے مکلف ہیں کہ اپنے اختیار اور صلاحیتوں کو ان طریقوں کے مطابق کام میں لائیں جو خدا اور رسول ﷺ نے بتا دیے ہیں۔ اس اعتراض کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ صحابہؓ سے اس قسم کے کشف کے واقعات منقول نہیں تو اس کا جواب سنیئے۔

ا: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیق اکبرؓ کے دفن کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو صحابہؓ نے چارپائی اٹھائی اور اس حجرہ کے دروازہ پر رکھ دی جس میں نبی کریم ﷺ مدفون تھے۔

لما حمل جنازته الی باب قبر النبی ﷺ ونودی السلام علیک یا رسول الله هذا ابو بکر بالباب. فاذالباب قدانفتح واذا بها تف یهتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب ۱۵۹

''جب حضرت ابوبکرؓ کا جنازہ اٹھا کر قبر النبی ﷺ کے دروازے کے سامنے رکھا گیا اور آواز دی گئی۔ السلام علیک یا رسول اللہ یہ ابوبکر دروازہ پر ہے۔ اچانک دروازہ کھل گیا اور قبر کے اندر سے آواز آئی۔ حبیب کو حبیب کے پاس لاؤ۔''

فائدہ: جوار رسول ﷺ'' کے موضوع پر شیعہ کے جواب میں مکمل بحث'' رسالہ الفاروق'' میں آ چکی ہے۔ ایک درجن کتابوں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صدیق اکبرؓ روضہ رسول ﷺ میں حضور ﷺ کی اجازت سے دفن کیے گئے۔ اس وقت ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے جنہوں نے یہ آواز سنی۔

۲: فاروق اعظمؓ کے متعلق ابن کثیر اور ابن حجر نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک جوان مسجد نبویؐ میں رہتا تھا وہ فوت ہو گیا۔ چند روز کے بعد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا۔ آپ نے اس کے باپ سے تعزیت کی اور اس کی قبر پر گئے۔

فذهب فصلی علی قبره بمن معه ثم ناداه عمرؓ فقال یا فتی لمن خاف مقام ربه جنتان. فاجابه الفتی من داخل القبر یا عمرؓ اعطانیها ربی عزوجل فی الجنة مرتین ۱۶۰

''پس فاروق اعظمؓ اس کی قبر پر گئے۔ ساتھیوں کے ہمراہ جنازہ پڑھا۔ پھر اس جوان کو مخاطب کر کے آیت ولمن خاف الخ پڑھی تو جوان نے قبر کے اندر سے

جواب دیا۔اے عمرؓ! میرے رب نے مجھے جنت میں وہ نعمت دوبارعطا فرمائی۔"

۳: حضرت سعید ابن المسیبؓ کا واقعہ ہو چکا ہے۔آپ نے تین دن تک مسلسل مسجد نبویؐ میں قیام رکھا۔اور حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز کا وقت پہچانتے اور نماز ادا کرتے رہے۔

۴: ایک ایسے شخص کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آیا قحط سالی کی شکایت کی۔حضور ﷺ کا جواب سنا۔حضرت عمرؓ کو پیغام پہنچایا۔

۵: **عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباء علی قبر وھو لا یحسب انه قبر فاذافیه انسان یقراء سورۃ تبارک الذی ۱۲۱**

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے کسی صحابیؓ نے قبر پر خیمہ لگایا۔اسے قبر کا کوئی خیال نہ تھا۔اچانک کیا دیکھتا ہے کہ انسان قبر میں سورۃ تبارک الذی پڑھ رہا ہے۔"

ان پانچ روایت کو غور سے پڑھیں۔صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ سعید ابن المسیبؓ ، ایک مرد اور "کسی صحابیؓ" کے کلام بالارواح کے نمونے پیش کیے ہیں۔صدیق اکبرؓ کے واقعہ میں تو سننے والے ہزاروں صحابیؓ تھے جنہوں نے روح کی کلام "ادخلو الحبیب الی الحبیب" سنی۔اور فاروق اعظمؓ کے ساتھ ایک جماعت تھی جنہوں نے اس جوان کا جواب سنا جس نے قبر کے اندر سے حضرت عمرؓ کا نام لے کر خطاب کیا اور جواب دیا۔کیا اب بھی شبہ ہے کہ صحابہؓ کو کلام بلا رواح نہیں ہوتی تھی؟

قصد رسول ﷺ اور کشف قبور

حضرت عائشہؓ نے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان شئت اسمعتک تضا غیھم فی النار ۱۶۲۔

اگر تو چاہتی ہے تو میں ان کی آوازیں دوزخ سے تمہیں سنا دیتا ہوں۔"

نیز مشکوٰۃ میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت موجود ہے کہ

فلولا ان تدافنو الدعوت اللہ تعالیٰ ان تسمعکم ن عذاب القبر الذی اسمع منہ۔

اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سنتا ہوں۔"

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اگر حضرت عائشہؓ چاہتیں تو دعائے نبویؐ سے بلا کسب کشف ہو جاتا اور اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ صحابہؓ دفن کرنا چھوڑ دیں گے تو دعائے نبویؐ سے ہر صحابی کو کسب کے بغیر کشف ہو جاتا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قصد رسولؐ بھی سنت ہے یہاں سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے قصد تو فرمایا۔ پس اس سنت رسول ﷺ کو زندہ کرنا عین اتباع سنت ہے۔

مدرسہ محمدیہ ﷺ

حضور اکرم ﷺ کی ذات جامع علوم اور جامع کمالات تھی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے مختلف طبائع، مختلف ذہنی صلاحیتوں اور مختلف عملی قوتوں کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی صحبت میں معاش و معاد کے ہر شعبہ کے متعلق

معلومات اور حقائق ملتے تھے۔ لیکن کسی فرد واحد میں نہ تو اتنی صلاحیت اور اہلیت کا ہونا ممکن تھا اور نہ ہی حکمت ومشیت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ تمام علوم اور وہ سارے کمالات جو نبی کریمﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے وہ کسی ایک فرد واحد کی ذات میں جمع ہو جائیں۔ اس لیے ہوا یہ کہ ہر شخص کی فطری صلاحیتوں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اسے حصہ ملا۔ کسی کو ایک علم سے طبعی مناسبت تھی۔ اسے اسی علم میں مہارت حاصل ہوئی۔ دوسرے کو کسی دوسرے شعبہ علم میں کمال حاصل ہوا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسی کو کم ملا کسی کو زیادہ۔ کوئی مبلغ کوئی مدرس' کوئی مفسر ہوا تو کوئی محدث' کوئی فقیہ بنا تو کوئی قاضی۔ کوئی اصولی تو کوئی متکلم کوئی محقق ومدقق ہوا تو کوئی صاحب کشف والہام' صوفی وعارف کوئی سپاہی کوئی جرنل' کوئی وزیر سلطنت' کوئی صدر ریاست' غرض نہ تو تمام صحابہ مفسر وفقیہ تھے۔ نہ سارے کے سارے اصولی جرنل یا صدر ریاست۔ نہ تمام صحابہ نے کشف والہام اور سلوک وتصوف میں یکساں مہارت حاصل کی۔ پھر حیرت ہے کہ لوگ یہ تو نہیں کہتے کہ تمام صحابہ مفسر اور محدث اور فقیہ کیوں نہیں تھے مگر یہ بات بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ سارے صحابہؓ صاحب کشف والہام اور صوفی کیوں نہیں تھے۔

ع ''بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست۔''

دوسری اصولی بات ذہن میں رکھیں کہ ہر شعبہ علم کے متعلق نبی کریمﷺ جو تعلیم دیتے تھے وہ بنیادی اور اصولی تعلیم ہوتی تھی ان اصول وکلیات سے جزئیات اور فرعیات کا استخراج علمائے حق اور مجتہدین امت کے ذمے رہنے دیا۔ اور سنت اللہ یہی ہے کہ انبیاءؑ کلیات ہی بیان فرماتے ہیں اور ان اصول وکلیات سے علمی وعملی مسائل اور ا نئے

حل تلاش کرنے کے ذرائع اور وسائل ڈھونڈ نکالنا بھی انہی لوگوں کے ذمے تھا۔ جو ان کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

تیسری بات جو ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں تمام علوم وفنون اصولی اور اجمالی شکل میں تھے ان کی تفصیل نہیں تھی۔ کسی فن کی مستقل طور پر تدوین بھی نہیں ہوئی تھی فن تفسیر' حدیث' فقہ' اصول' صرف ونحو' معانی' وغیرہ کوئی فن بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ جس طرح حالات کے تقاضوں کے مطابق دوسرے علوم وفنون اپنی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ مدون ہوتے رہے اسی طرح تصوف سلوک کی تدوین بھی رفتہ رفتہ عمل میں لائی گئی۔ اس مقام پر پھر وہی حیرت ہوتی ہے کہ لوگ یہ اعتراض تو نہیں کرتے کہ صحابہؓ کے زمانے میں تفسیر' فقہ' صرف ونحو' اسماء الرجال جب مستقل فن کی حیثیت سے مدون نہیں تھے تو اب کیوں ہوئے لیکن یہ اعتراض کرنے میں نہایت بےباک واقع ہوئے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں علم تصوف وسلوک کا وجود نہیں تھا تو اب یہ ایک مستقل شعبہ علم کی صورت میں کیوں عالم وجود میں آ گیا۔ بات یہ ہے کہ دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی طرح صوفیہ کرام نے شعبہ سلوک واحسان کے اصولوں کو بکھرا ہوا پایا تو ان کو سمیٹا ان اصولوں سے جزوی مسائل کا استخراج کیا۔ پھر اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل تلاش کیے۔ اس طرح یہ فن بھی مدون ہو گیا۔ یاں ان وسائل کو کوئی محقق صوفی اصل مقصد ہرگز نہیں سمجھتا۔ جس طرح عوام میں سے چوٹی کے عالم و فاضل گنے چنے چند افراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان علماء میں سے مختلف خاص علوم میں خصوصی مہارت رکھنے والے افراد کی تعداد اور بھی کم ہوتی ہے۔ اور یہ

اصول ہر زمانے میں کارفرما رہا ہے۔ حضور اکرمؐ کے زمانے میں بھی ہر صحابی کو اس کے مزاج اور استعداد کے مطابق حصہ ملتا تھا چنانچہ۔

ومن ثم كان حذيفةؓ صاحب السر الذى لا يعلمه غيره حتى خص بمعرفة اسماء المنافقين وبكثير من الامور الاتية ۱۴۳

اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ صاحب اسرار تھے۔ جن اسرار کو ان کے بغیر کوئی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ منافقین کے ناموں کا علم رکھنے اور اکثر آنے والے واقعات کا علم رکھنے میں وہ مخصوص تھے۔ دوسرے صحابہؓ کو اس کا علم نہ تھا۔

دیکھا! حضرت حذیفہؓ کو کشف والہام اور علم اسرار سے وہ حصہ وافر ملا جو اور کسی صحابیؓ کو نہیں ملا تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابیوں کو صاحب السر کیوں نہیں بنایا گیا تو یہ براہ راست حکمت ومشیت الٰہی پر اعتراض ہے۔

چوتھی اصولی بات یہ ہے کہ تصوف واحسان دین کا اہم شعبہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ

اذا ثبت الشيئ ثبت بلوازمه

اور الہام وکشف کا ہونا تصوف کے لوازمات سے ہے ۱۴۴

اس لیے دین کو تسلیم کرنے کے ساتھ دین کے اہم جزو تصوف واحسان کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اسے تسلیم کیا تو کشف والہام کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ لازم وملزوم ہیں بشرطیکہ شیخ کامل ہو اور طلب صادق ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کمالات وہبی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہم نشینوں کو ان کی صحبت کے فیض سے وہبی طور پر بلا کسب حاصل ہو جاتے ہیں اور وہاں بھی خلوص نیت شرط ہے ورنہ انسان عبداللہ بن ابی ہی رہتا ہے۔ اور اولیاء کے کمالات کسبی ہوتے ہیں اس لیے ان کے ہم نشینوں کو ان کی صحبت کے فیض سے محنت ومجاہدہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ صوفیہ کرام مسئلہ کلام بالا رواح میں سنت نبویؑ اور سنت صحابہؓ کے صحیح متبع ہیں صوفیہ نے اس کے حصول کے لیے جو وسائل اور ذرائع اختیار کیے ہیں وہ نئے سہی لیکن ہیں وسائل۔ اور چونکہ ان کا مقصد محمود تھا لہذا ذرائع بھی محمود ہوئے کیونکہ ذرائع حکم مقاصد میں ہوتے ہیں اور اولیاء کرام کا تمام تر سرمایہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہے۔ اور زیارت رسول ﷺ دراصل محبت رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔ تو ان محبان رسول ﷺ کو زیارت رسول ﷺ نہ ہو تو اور کسے ہو۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ:

لكن اكثر منهم اذا ذكر النبي ﷺ اشتاق النبي رويته بحيث يوثر ها على اهله وولده وماله و والده ويبذل نفسه في الامور الخطيرة ويجد مخبر ذلك من نفسه وجدا لا تردد فيه وقد شوهد من هذا الجنس من يو ثر زيادة ورنوية مواضع اثره على جميع ماذكرنا لما وقر في قلوبهم من محبة غير ان ذلك سريعهاالشوال بتوالى الغفلة ۱۶۵

''ان میں ایسے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ان کے سامنے کیا جائے تو زیارت رسول ﷺ کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال ماں باپ اور مال واسباب کو چھوڑ کر زیارت رسول ﷺ کے لئے چل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو سخت خطرے کے مقام میں ڈال دیتے ہیں کہ کسی طرح زیارت ہو جائے اور اس کا خبر دینے والا اس کی ذات سے وجدان صحیح ہے اور مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس قسم کے آدمی زیارت رسول ﷺ قبر رسول ﷺ اور ان نشانات کی زیارت جہاں حضور ﷺ بیٹھے یا کھڑے ہوئے اپنے جان مال اور اہل وعیال سے مقدم سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دل کی گہرائیوں میں محبت رسول ﷺ پیوست ہو.

چکی ہے۔ ہاں غفلت کے طاری ہونے سے یہ حالت جلد زائل ہو جاتی ہے۔"

فائدہ: زیارت قبر رسول ﷺ محبت رسول ﷺ میں داخل ہے۔ ان مقاموں کا دیکھنا جہاں حضور اکرم ﷺ نے قدم مبارک رکھے محبت رسول ﷺ میں داخل ہے جب قبر رسول ﷺ کی مٹی کی زیارت محبت میں داخل ہے تو عین رسول ﷺ اور حضور اقدس کی روح مبارک کی زیارت کرنے کی شان کیا ہوگی۔ مگر یہ دولت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اتباع سنت رسول ﷺ کا جذبہ درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ محبت رسول ﷺ کی انتہا اتباع سنت رسول ﷺ ہے۔ من احب سنتی فقد احبنی۔ جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ ہاں یہ محبت اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب قلب پر غفلت کے پردے پڑ جائیں۔ صوفیہ نے اس غفلت کو دور کرنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ وسائل اور ذرائع بتائے جنہیں اختیار کر کے حاضری زیارت اور کلام کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا فضل شامل حال ہو تو اس مقام پر پہنچ کر یہ محبت کا رشتہ دائمی ہو جاتا ہے۔ ہمارے سلسلہ میں یہی طریقہ چلا آتا ہے۔ ہمارا کہنا تو یہی ہے کہ اگر زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونا دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہونا اور حضور اکرم ﷺ سے کلام کرنا معاذ اللہ گناہ ہے تو اس کے حصول کے لیے صوفیہ نے جو ذریعہ کو اختیار کیا وہ بھی گناہ ہوگا۔ اور اگر یہ گناہ نہیں بلکہ ایمان اور کمال ایمان ہے تو اس ذریعہ کو اختیار کرنا بھی دلیل ایمان ہے۔

دور صحابہؓ کے بعد کشف والہام میں اضافہ کیوں ہو گیا

اس موقع پر یہ ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے کہ کرامات وانکشافات کا اظہار ان اولیاء کرام سے زیادہ ہوا جو صحابہؓ

کا دور ختم ہونے کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا تعلق عوام کے قوت وضعف ایمانی کے ساتھ ہے۔ ایمان قوی ہو تو کشف کرامات کے صدور اور اظہار کی چنداں ضرورت نہیں۔ ایمان میں ضعف آ گیا تو ایسے امور کی ضرورت زیادہ پیش آئی جو خرق عادت کی قبیل سے ہوں۔ دور صحابہؓ میں ان حضرات کے ایمان حضور اکرم ﷺ کے فیض صحبت کی وجہ سے نہایت قوی تھے۔ انہیں ان چیزوں کی ضرورت نہ تھی بعد میں ایمان کمزور ہو گئے تو اولیاء کرام سے ان اسناد کا مطالبہ ہونے لگا۔ یہ خیال رہے کہ خرق عادت امور نہ شرط ولایت ہیں نہ جزو ولایت ہاں دلائل وعلامات ولایت کی حیثیت سے بطور سند عطا کیے جاتے ہیں۔

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ کشف والہام نائب وحی اور خلفاء ہیں۔ دور صحابہؓ میں جب خود وحی موجود تھی حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات آفتاب عالمتاب کی طرح برابر ضیاء پاشی کر رہی تھی تو نائب وحی کی ضرورت کیا تھی اور سورج کے مقابلے میں ان چاند ستاروں اور چراغوں' قندیلوں کی کیا ضرورت تھی۔ قاعدہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد روشنی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر فوری طور پر تاریکی نہیں چھا جاتی بلکہ آہستہ آہستہ روشنی کم ہوتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ تاریکی بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے۔ یہی صورت صحابہؓ تابعین' تبع تابعین اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے معاملہ میں پیش آئی۔ صوفیہ کرام نے بعد کی تاریکیوں میں روشنی پھیلانے کا اہتمام جاری رکھا ان کے فیض سے کہیں کوئی چراغ روشن ہوا کہیں شمع' کہیں کوئی ستارہ ابھرا' کہیں کوئی چاند نکلا' بہرحال ان کے دم قدم سے روشنی خواہ کسی

درجے کی کمی موجود رہی۔ بہر حال ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ کشف والہام کی کمی بیشی قوت ضعف ایمان کے تناسب سے ہوتی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ دور صحابہؓ کے بعد ہی کشف وکرامات کا اظہار اصولاً زیادہ ہونا چاہیے تھا اور ایسا ہی ہوا۔

اس موضوع پر اگر تفصیلی معلومات درکار ہوں تو ہم مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی شواہد النبوۃ صفحہ ۱۴۷ اور فتاوی الحدیثیہ صفحہ ۲۶۱ کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

قرأت سلسلہ مشائخ کی کوئی سند نہیں بلکہ یہ شرک ہے

الجواب: قال تعالی۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (آل عمران)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔ تو میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔"

فقال النبی ﷺ واسئلک حبک وحب من یحبک وقد وردفی اسنة ذکر للاسباب التی یتسبب بها العباد الی محبه الله تعالیٰ سبحانه وساله حب من یحبه فانه لا یحب الله عزوج الا المخلص من عباده فحبهم طاعه من الطاعات وقربه من القربات لا ن من احب الشئی اکثر ذکره وداوم علیه ۱۲۶

حضور اکرم ﷺ نے دعا کی الٰہی میں تجھ سے تیری محبت کی درخواست کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کی درخواست کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر آیا جن کو اختیار کر کے انسان محبت الٰہی تک پہنچتا ہے اور حضور ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کی محبت کی درخواست کی جن سے اللہ تعالیٰ کو پیار ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے تو وہی ہیں جو مخلص ہوں۔ پس ان کی محبت اطاعت الٰہی بھی ہے اور قرب الٰہی بھی۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کو محبوب

جانتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے۔"

فائدہ: قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا اور حدیث نبوی ﷺ سے تین امور ثابت ہوئے۔

☆ ذکر الٰہی کے لیے اسباب کا اختیار کرنا اور ان اسباب کا ذکر الٰہی میں داخل ہونا۔

☆ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کا ذکر طاعت الٰہی اور قرب الٰہی میں داخل ہے۔

☆ جس چیز کو انسان محبوب سمجھتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔

پس سلاسل اولیاء اللہ کی مشروعیت بھی ثابت ہو گئی۔

علم حدیث کی تعلیم میں متن حدیث سے پہلے جو سند پڑھی جاتی ہے اس کا پڑھنا ثواب ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کو نبی کریم ﷺ تک پہنچانے کا واحد سبب یہی سند ہے۔ اگر سند نہ ہو تو متن حدیث بے کار ہو جائے۔ کیونکہ سچ جھوٹ کی تمیز ناممکن ہو جائے۔ جو عظمت و اہمیت فن حدیث میں سند حدیث کی ہے وہی حیثیت تصوف وسلوک میں سلاسل اور شجرہ مشائخ کے پڑھنے کی ہے۔ تصوف جسے حدیث جبریلؑ میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو خلاصہ دین اور ثمرہ عبادت ہے۔ وہ بذریعہ سلاسل ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جب سلسلہ کو اپنے شیخ سے رسول کریم ﷺ تک پہنچا دیا تو اس کے صدق و کذب کا فیصلہ کیا جا سکے گا جس طرح محدثین کرام حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے سلسلہ رواۃ کی خوب جانچ پڑتال کر لیتے ہیں۔

تاریخ حدیث میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ جب نیشاپور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک حدیث اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے سے رسول کریم تک پڑھیں۔ آپ نے پڑھی اور بیس ہزار کے قریب حاضرین نے اسے قلمبند کیا۔

اس کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ولوقری الا سناد علی مجنون لا فلق من جنونه

یعنی اگر یہ سند مسلسل کسی پاگل پر پڑھی جائے تو اس کا جنون جاتا رہے گا۔۱۶۷

تنبیہہ: سلسلہ مشائخ میں اولیاء اللہ کے نام اس نیت سے پڑھنا کہ ان کے ذریعہ ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوا اور یہ لوگ محبت الٰہی پیدا کرنے اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع کرنے میں سبب اور وسیلہ ہیں۔ کار ثواب ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان حضرات کو موثر، مختار، متصرف، حاضر ناظر سمجھ کر شجرہ پڑھے تو اس نے اپنا دین برباد کیا اور عاقبت خراب کی۔

۸: کہا جاتا ہے کہ تصوف تواتر سے ثابت ہے۔ جب امام حسن بصریؒ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہی نہیں تو تواتر کیسے ثابت ہوا؟

الجواب: صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ تو سب کے سب لقاء پر متفق ہیں۔ سید احمد قشاشی رحمۃ اللہ علیہ نے العقد الفرید فی سلاسل اهل التوحید میں طویل بحث کر کے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ثابت کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لقاء پر صوفیہ کا اجماع بتایا ہے۔

والحسن البصری ینسب الی سیدنا علیؓ عند اهل السلوک قاطبة وان کان اهل الحدیث لا یثبتون ذالک ۱۶۸

''اہل سلوک کے نزدیک امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مکمل طور پر حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔ اگرچہ اہل حدیث ثابت نہیں کرتے۔''

فائدہ: اہل سلوک اور اہل حدیث کے فیصلوں میں فرق اتنا ہے کہ اہل سلوک کے ہاں تو

لقاء کا ثبوت قاطبہ ہے مگر اہل حدیث کے ہاں عدم ثبوت قاطبۃً نہیں۔ کیونکہ ثبوت بھی موجود ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہے ہاں صحبت طویلہ کی بالاتفاق نفی ہے اگر فیض کے لیے صحبت طویلہ کو شرط قرار دیا جائے تو پھر بھی فیض باطنی بالواسطہ کی نفی کہاں لازم آئی۔

اسی طرح سماع حدیث اور روایت حدیث میں بھی اختلاف ہے مگر راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر کسب فیض بالواسطہ کا اصول تسلیم کرلیا جائے تو وہ واسطہ کونسا ہے؟

جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ملنے والے ہزاروں صحابی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تھے۔ کسی سے فیض حاصل کرلیا ہو' یہ کوئی ظاہری چیز تو ہے نہیں کہ ظاہری چیز کی نفی سے باطنی فیض کی نفی ہو جائے۔ کیونکہ عدم علم اور عدم وجدان سے عدم معلوم اور عدم موجود لازم نہیں آتا۔ جب روایت اور ملاقات بالاتفاق محدثین سے بھی ثابت ہے اور سماع حدیث بھی راجح ہے تو اس امر میں کونسی چیز مانع ہے کہ کسب فیض کی ابتدا حضرت علیؓ سے کی ہو پھر بالواسطہ ترقی کرتے چلے گئے ہوں۔

اسماء الرجال سے شواہد

ا: ملاقات اور سماع۔

قال ابن سعد. ولد سنتين بقايا من خلافته عمرؓ ونشاء بوادی القری وکان فصیحا ورای علیا ۱۶۹

خلافت فاروقیؓ کے دو سال باقی تھے کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ وادی القریٰ میں پرورش پائی۔ بڑے فصیح تھے حضرت علیؓ سے ملاقات کی۔"

۲: روایت حدیث:

روی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادة وعمر بن الخطابؓ. ولم یدرکهم عون ثوبان وعمارین یاسر وابی هریقو عثمان بن ابی العاص ومعقل بن یسار ولم یسمع منهم وعن عثمان وعلي۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعبؓ سعد بن عبادہؓ عمر بن الخطابؓ سے روایت کی مگر ملاقات نہیں ہوئی اور ثوبانؓ عمار بن یاسرؓ اور عثمان بن ابی العاصؓ اور معقل بن یسارؓ سے روایت کی مگر حدیث نہیں سنی اور عثمانؓ اور علیؓ سے روایت کی۔

۳: سئل ابوزرعه هل سمع الحسن احدا من البدریین قال راهم رویه رای عثمان وعلیا. وقیل سمع منهما حدیثا قال لا رای بالمدینة وخرج علی الی الکوفه والبصرة ولم یلقه الحسن بعد ذالک. وقال الحسن رایت الزبیر یبایع علیا وقال علی بن المدینی لم یر علیا الا اذا کان بالمدینه۔

"امام ابوزرعہ سے پوچھا گیا کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بدری سے کوئی حدیث سنی تھی۔ کہا اصحاب بدر کو دیکھا تو تھا مگر ان سے حدیث نہیں سنی تھی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو دیکھا ہے مگر ان سے حدیث نہیں سنی اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔ پھر حضرت علیؓ کوفہ اور بصرہ چلے گئے اور امام حسنؒ کی ملاقات ان سے نہ ہوئی۔ امام حسنؒ نے کہا کہ میں نے حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ سے بیعت کرتے دیکھا تھا اور علی المدینی نے کہا کہ امام نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔"

فائدہ:۱۔ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہوئی۔

۲:سماع میں اختلاف ہے۔

۳:راجح سماع' مرجوع عدم سماع۔ کیونکہ ملاقات ہوئی تو سماع یقیناً ہوگا۔کوئی بات تو سنی ہوگی۔

۴:تہذیب الکمال کے حاشے پر یہ روایت موجود ہے:۔

عن یونس بن عبید سالت الحسن قلت ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ ﷺ وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سالتنی من شیئی ماسالنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک. انی فی زمان کماتری وکان فی زمن الحجاج. کل شیئی سمعتنی اقول قال رسول اللہ ﷺ فھو عن علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔

یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں "رسول کریم ﷺ نے فرمایا" حالانکہ آپ نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا۔ امام نے کہا میرے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسی بات پوچھی جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی۔ اگر میرے دل میں تیری عزت نہ ہوتی تو میں تمہیں ہرگز نہ بتاتا۔سنو! میں ایسے دور میں ہوں (آپ حجاج کے عہد میں تھے۔) کہ تو دیکھ رہا ہے اس لیے جو حدیث تو مجھ سے اس طرح بیان کرتے ہوئے سنے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تو وہ حدیث علیؓ ابن ابی طالب کی روایت ہوگی۔بات صرف اتنی ہے کہ میں ایسے دور میں ہوں کہ برملا حضرت علیؓ کا نام لینے کی ہمت نہیں پاتا۔"

فائدہ: یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ دلیل مثبت' دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے لہذا یہاں سماع اور رویت کی روایات عدم سماع اور عدم رویت کی روایات پر مقدم ہوں گی۔

۴: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دو سال خلافت فاروقی میں پھر 12 سال خلافت عثمانی میں پھر ابتدائے خلافت علوی تک مدینہ میں رہے۔ اس لیے کسی صحابی یا بدری صحابی یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث نہ سننا خلاف قیاس و عقل ہے۔ لہذا ملاقات سے سماع اور روایت بھی یقینی ہے۔ گو دوسرا احتمال بھی ہے مگر خلاف عقل ہے اس لیے مرجوح ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انکر جماعه من الحفاظ سماع حسن البصری عن علیؓ الوجه الاول ان العلماء ذکروا فی اصول وجوه الترجیح ان المثبت مقدم علی النافی لان معه زیادة علم. الثانی ان الحسن ولد للسنتین یبقین من خلافه عمر باتفاق وکانت امه خیرة مولاة ام سلمة فکانت ام سلمه تخرجه الی الصحابة یبارکون علیه واخرجة الی عمرؓ قد عاله اللهم فقهه فی الدین وحببه الی الناس. قال الحافظ مجال الدین المزی فی التهذیب انه ای الحسن حضر یوم الدار وله اربعه عشرة سنه ومن المعلوم انه من حین بلغ سبع سنین امر بالصلوة فکان یحضر الجماعه ویصلی خلف عثمانؓ الی ان قتل عثمانؓ وعلیؓ اذا ذاک بالمدینه فانه لم یخرج منها الی الکوفه الابعد قتل عثمانؓ فکیف یستنکر سماعه منه وهو کل یوم جیتمع به فی المسجد خمس مرات من حین الی ان بلغ اربع عشرة وزیادة علی ذالک ان علیا کان یزور امهات المومنین ومنهن ام سلمةؓ والحسنؓ فی بیتها هو وامه ۱۷۰

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سماع کا انکار کیا ہے اور بعض متاخرین نے اسی انکار سے استدلال کیا ہے اور

دوسری جماعت نے سماع کا اثبات کیا ہے اور میرے نزدیک یہی راجح مذہب ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی وجہ اول: علمائے اصول نے وجوہ ترجیح کے بارے میں فرمایا ہے کہ دلیل مثبت' دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ اس کے پاس زیادہ علم ہوتا ہے۔ وجہ ثانی: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پیدا ہوئے جب خلافت فاروقی کے دو سال باقی تھے۔ اور یہ مسلم ہے کہ جب وہ سات سال کے ہوئے تو انہیں نماز کا حکم دیا گیا اور امام حسن جماعت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔ اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھتے رہے جب تک وہ مدینہ میں رہے اور شہادت عثمانؓ کے بعد ہی حضرت علیؓ کوفہ گئے پھر حضرت علیؓ سے امام کے سماع کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے حالانکہ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ حضرت علیؓ کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھتے تھے۔ یہ معمول سن تمیز یعنی چودہ سال کی عمر تک رہا۔ مزید یہ کہ حضرت علیؓ امہات المومنین کی زیارت کے لیے جاتے تھے اور ان میں ایک ام سلمہؓ تھیں اور حضرت ام سلمہؓ کے ہاں امام حسن رحمۃ اللہ علیہ معہ والدہ کے رہتے تھے۔"

دلائل نقلی

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چند احادیث نقل کی ہیں جو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں۔

۱: حدثنا یونس عن الحسن عن علی قال سمعت رسول اللہ ﷺ رفع القلم عن ثلاثۃ۔

۲: عن قتادۃ عن الحسن عن لعلی ان النبی ﷺ قال افطر الحاجم والمحجوم

۳: حدثنا العوف عن الحسن عن علی ان النبی ﷺ قال نعلی یا علی قد جعلنا الیک هذه السبعه بین للناس.... دار قطنی....

۴: عن الحسن عن علی قال الخلیه و البریه و البته 'و البائن و الحرام ثلاث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره...... دار قطنی

....

۵: عن الحسن قال قال علیؓ ان وسع الله علیکم فاجعلوه صاعامن بروغیره یعنی زکوۃ الفطر .... دار قطنی....

۶: عن الحسن عن علیس فی مس الذکر وضوء.....

رواه الطحاوی....

۷: عن الحسن عن علی قال طوبی لکل عبدشومه عرف الناس ولم یعرفه الناس ... الحلیه....

۸: عن الحسن عن علی قال کفنت النبی ﷺ فی قمیص ابیض وثوبیه حبرة

۹: قال الحافظ ابن حجر ووقع فی مسند ابی یعلی یقول ای الحسن سمعت علیا یقول قال رسول الله ﷺ مثل امتی مثل المطر.

۱۰: عن الحسن قال شهدت علیا بالمدینه وسمع صوتا'فقال ماهذا قالوا قتل عثمانؓ قال اللهم اشهدانی لم ارض

ان دس حدیثوں سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت ہوئی۔

تلک عشرة کامله

وقال ابوزرعه کان الحسن البصری یوم بویع لعلیؓ ابن اربع عشرة

سـنـه وراى علياً بالـمدينه قلت وفى هذا لقدر كفايه ويحمل قول
انافى على مابعد خروج علیؓ من المدينه

''امام ابوزرعہ نے کہا جس روز حضرت علیؓ کی بیعت خلافت ہوئی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ چودہ سال کی عمر کے تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حضرت علیؓ سے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع روایت حدیث اور ملاقات کی شہادت کے لیے یہ دس حدیثیں کافی ہیں۔ اور وہ قول جو عدم لقا اور عدم روایت پر دلالت کرتا ہے اس کا اطلاق اس دور پر ہوگا جب حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔''

(9)" بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشائخ کی قبروں پر یا دوسری قبروں پر جا کر ان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا یا بیٹھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع ہے۔

الجواب: اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس جا کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع ہے دوسرا یہ کہ قبر کی طرف منہ کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے۔
سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ دعا کرنے کے خاص آداب ہیں اور ان آداب کا لحاظ رکھنا اتباع سنت میں داخل ہے۔

قـال الـنـووى قـال الـعلماء السنه فى كل دعاء الدفع البلاء ان يرفع يديه جاعلا ظهور كفيه الى السماء واذا دعا بسوال شئى وتحصيله ان يجعل كفيه الى السماء .(فتح البارى ۲:۲۵۴)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علماء نے کہا ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ دعا جو دفع بلا کے لیے ہو اس میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہو اور وہ دعا جو کسی چیز کی طلب وحصول کے لیے ہو اس میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔''

اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وبسط یدیه ورفعهما حذو منکبیه .اوقل یدل علی ذلک ماوقع منه ﷺ من رفع یدیه فی نحو ثلاثین موضعا فی ادعیة متنوعة۔

''ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کے پھیلانا۔ میں کہتا ہوں کہ اس امر پر نبی کریم ﷺ کی وہ تمیں حدیثیں دال ہیں جو مختلف قسم کی دعا کرنے کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔

عن سلمان رحمة الله علیه قال قال رسول الله ﷺ ان الله حیی کریم یستحیی اذارفع الرجل الیه یدیه ان یردهما صفراً خائبتین رواه الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین

سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بڑا حیادار اور سخی ہے۔ جب بندہ ہاتھ اٹھا کر اس سے سوال کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دینے میں اللہ کو حیا آتی ہے۔

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ ان الله رحیم کریم یستحیی من عبده ان یرفع الیه یدیه ثم لا یصنع فیهما خیرا ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ اسے حیا آتی ہے کہ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے تو وہ ان میں کوئی چیز نہ ڈالے۔

عن مالک ابن بشار قال قال رسول الله ﷺ اذ سئالتم الله فاسئلو ه ببطون اکفکم ولا تسئلو ه بظهورها.

مالک بن بشارؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ سے کچھ مانگو تو ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف نہ ہو۔ (تحفۃ الذاکرین ۴۴)

فوائد: ان روایت سے ثابت ہوا کہ:

1: دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔

۲: دفع بلاء کے لیے دعا کرتے وقت ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہونا اور طلب و حصول شئی کے لیے دعا کرتے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرنا باتفاق علماء مسنون ہے۔

رہا یہ سوال کی دعا کے وقت ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں تو اس کا جواب متکلمین کی زبانی سنیے:

فان قیل فما بال الایدی ترفع الی السماء وھی جھه العلو. اجیب بان السماء قبله الدعاء تستقبل بالایدی کما ان البیت قبله الصلوة تستقبل بالصدر والوجه. (مسامره صفحه ۳۰)

''اگر کہا جائے کہ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ جہت بلندی کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ثابت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ اس قبلہ کی طرف ہاتھوں کا رخ کیا جاتا ہے۔ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اس لیے نماز میں چہرہ اور سینہ کا رخ اس طرف ہوتا ہے۔''

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فکذالک السماء قبلة الدعاء کما ان لابیت قبله الصلوة والمعبود بالصلوة والمقصﷺد بالدعاء منزه عن الحلول فی البیت والسماء. (الاقتصاد فی الاعتقاد صفحه ۲۳)

''اسی طرح آسمان قبلہ ہے دعاء کا جیسے کعبہ قبلہ ہے نماز کا۔ اور نماز میں جو معبود ہے اور دعا میں جو مقصود ہے وہ اس بات سے پاک ہے کہ کعبہ یا آسمان میں حلول کرے۔''

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس طرح کعبہ کی طرف رخ کیے بغیر نماز ادا کی جائے تو نماز ادا نہیں ہوتی اور نہ ہی قبول ہوتی ہے اسی طرح جسے مانگتے وقت گدایانہ صورت بنانا پسند نہ ہو وہ لینے کے لئے کیوں لپکے؟

۲: یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کی جائے تو مقبول نہیں۔ اگر دعا مقبول نہیں تو میت کو ثواب کس چیز کا پہنچے گا۔ گویا قبر کے پاس جا کر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا ایک بے کار فعل ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ اس میں قبر اور غیر قبر کی قید نہیں قبر کے پاس جا کر دعا کرنے کے سلسلے میں حضور ﷺ کی سنت فعلی ملاحظہ ہو۔

عن عائشہ ... ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام. فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرة ت ثم انحرف. قال النووى فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس في القبور. (مسلم ۱: ۳۱۴)

(''حضور رات کو جنت البقیع میں گئے) تو میں بھی ان کے پیچھے چلی گئی۔ حتیٰ کہ آپ جنت البقیع میں پہنچے۔ دیر تک کھڑے رہے پھر ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا مانگی پھر واپس چلے آئے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ استحباب دعائے طویل، تکرار دعا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی دلیل ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ قبر کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرنا بیٹھ کر دعا کرنے کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔''

منکرین دعا علی القبر نے دعا کرتے وقت قبر کی طرف پشت کرنے کا نظریہ جو پیش کیا ہے اسے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے اپنے

دعویٰ کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

یہ درست ہے کہ علامہ کرمانی اور ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے لیکن یہ کہاں اکا انصاف ہے کہ ان دونوں کی رائے کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا جائے جبکہ امام صاحب کا اپنا قول اس کے برعکس موجود ہے ۔ وہوا ھذا:

عن ابی حنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال من السنة ان تاتئی قبر النبی ﷺ من قبل القبله وتجعل ظهرک الی القبله وتستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ﷺ ورحمة الله علیه و برکاته (مسند امام اعظم رحمةالله علیه صفحه ۴۷)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ پشت قبلہ کی طرف اور منہ مزار کی طرف ہو پھر کہو السلام علیک۔۔۔الخ

وقال بعضهم رایت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتتح الصلوٰة

''بعض صحابہؓ نے کہا کہ انسؓ بن مالک حضور ﷺ کے مزار پر جاتے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ نے نماز شروع کر دی ہے۔''

قال مالک فی روایه ابن وهب اذا سلم علی النبی ﷺ و دعایقف وجهه الی القبر لاالی القبلة (شفاء فی حقوق المصطفی صفحه ۲۳۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن وہب سے بیان کیا ہے کہ ابن وہب جب حضورؐ کی خدمت میں سلام پیش کرتے تو منہ قبر مبارک کی طرف ہوتا اور پشت قبلہ کی

طرف کر کے دعا مانگتے تھے۔"

فائدہ: ان روایت سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل یہی ہے کہ قبر کے پاس جاؤ تو منہ قبر کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف ہو اور دعا مانگو۔

آخر میں علامہ شوکانی" کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

وجوب استجابہ الدعاء عند قبور الصالحین بشروط معروفۃ ۱۷۱

"تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جا کر شرائط معروفہ کے ساتھ دعا کی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔"

غرض قبر کی طرف منہ کر کے کھڑے یا بیٹھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ یہ خیال رہے کہ دعا اللہ تعالےٰ سے مانگی ہے قبر سے نہیں۔

O

حرفِ آخر

حرفِ آخر

الطاعات عندنا محصورة فی نوعین التعظیم لا مر الله والشفقة علیٰ خلق الله کما قال تعالیٰ :

"ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون "وافضل الاعمال فی الخیرات امران المواظبة علی الاعمال المشعرة بتعظیم المعبود والسعی فی ایصال انفع الی الخلق. التعلق القلبی بشیئی مما سوی اللہ تعالیٰ فی طریق العبودیة یقرب من ان یکون تعلقا بالوثن فلذالک قال اهل السلوک هو شرک خفی وللسالکین امران البدایة والنهایة اما البدایة فالاشتغال بالعبودیة واما النهایة فقطع النظر عن الاسباب وتفویض الامر کلها الی مسبب الاسباب وذالک هو المسمی بالتوکل علی الله .وهذین المقامین ذکر فی قوله تعالیٰ"فاعبده وتوکل علیه "وفی هذه الایة تنبیه علی ان ایمان العبد لا یکمل الاعند الاعراض عن الاسباب والاقبال بالکلیة علی مسبب السباب لان حب الدنیا لا یجتمع سعادة الاخره فبقدر مایزداد احدهما ینقص الاخرواذلک لان الدنیا لا تحصل الا باشتغال القلب بطلب الدنیا وسعادة الاخرة لا تحصل الابفراغ القلب من کل ماسوی الله تعالیٰ وامتلائه من حب الله تعالیٰ .وهذان الامران لا یجتمعان والتمرغ فی وصول الدنیا من اخلاق الهالکین. والاخبار وفی ذالک کثیر. لان الانسان دخل فی الدنیا کالتاجر الذی یشتری بطاعته سعادة لاخرة الان قصد الاقصیٰ من الخلق

العبادة كما قال تعالیٰ " وما خلقت الجن والانس الالیعبدون". والمقصد الاعلیٰ فی العبادة حصول محبةالله تعالیٰ کما ورد فی الحدیث "لا یزال عبدی یقرب الی بالنوافل حتی احبه" وکل من کان قلبه اشد امتلاء من محبة الله تعالیٰ فهو اعظم درجة عندالله لکن للقلب ترجمان وهو لسان. وللسان مصدقات وهی الاعضاء ولهذا المصدقات مزکیات. فاذ قال الانسان امنت باللسان فقد ادعیٰ محبة الله تعالیٰ فی الجنان . فلا بد من شهود. فاذا استعمل الارکان فی الاتیان بما علیه بنیان الایمان حصل له علیٰ دعواه شهود و مصدقات فهی الاعضاء فاذا بذل فی سبیل الله نفسه وما وزکی بترک ماسواء اعماله زکیٰ شهودالذین صدقوه فیما قاله فیحرر فی جرائد المحبین اسمه ویقرزفی اقسام المقربین قسمه والیه اشار بقوله تعالیٰ: "احسب الناس ان یترکوا ان یقولو امنا وهم لایفتنون۔"

ہمارے نزدیک طاعات کا انحصار دو باتوں پر ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو احسان کرنے والے ہیں" اور نیک کاموں میں بہترین عمل دو ہیں۔ اول ان اعمال پر مداومت جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہو۔ دوم مخلوق کو نفع رسانی میں جدو جہد عبودیت کی راہ میں غیر اللہ سے تعلق رکھنا درحقیقت بت پرستی کے زیادہ قریب ہے اس لئے اہل سلوک نے اسے شرک خفی قرار دیا ہے اور سالکین کے لئے دو حالتیں ہیں۔ ابتداء اور انتہا۔ ابتداء عبودیت میں مشغول ہونا ہے اور انتہا اسباب سے نگاہ ہٹا لینا اور تمام امور کو مسبب الاسباب کے سپرد کر دینا ہے اسی کا نام توکل علی اللہ ہے انہی دو

مقامات کا بیان کتاب اللہ میں ان الفاظ میں ہوا ہے کہ ''اس کی عبادت کر اور اس پر توکل کر اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اس کے بغیر انسان کا ایمان کامل ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اسباب سے قطع نظر کر لے اور اس کی نگاہ مکمل طور پر مسبب پر جمی رہے۔
کیونکہ حب دنیا اور سعادت اخروی کا جمع ہونا ممکن نہیں جس قدر ایک میں اضافہ ہوگا دوسری میں کمی واقع ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ حصول دنیا کے لئے ضروری ہے کہ دل کو طلب دنیا میں مشغول رکھا جائے اور سعادت اخروی کا حصول اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ غیر اللہ سے دل کو بالکل خالی رکھا جائے اور اس میں اللہ کی محبت کے بغیر کچھ بھی نہ رہنے پائے اور یہ دونوں باتیں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں اور حصول دنیا میں ہمہ تن محو ہو جانا ہلاک ہونے والوں کے اوصاف میں سے ہے اس ضمن میں احادیث و اخبار کثرت سے ملتی ہیں کیونکہ انسان اس دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے جسے طاعات کے بدلے سعادت اُخروی حاصل کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق کا منتہائے مقصود عبادت ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ ''اور ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا'' اور عبادت سے محبت الٰہی کا حصول ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ ''جب میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب ڈھونڈتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں'' اور جس دل میں اللہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی وہی اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قدر ہوگا۔

لیکن قلب کا ایک ترجمان ہے۔ اور وہ زبان ہے اور زبان کی تصدیق کرنے والے اعضاء ہیں اور ان مصدقات کے جزئیات بھی ہیں جب انسان زبان سے کہتا ہے ''میں ایمان لایا'' تو گویا اس نے اپنے دل میں اللہ کی محبت کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی شہادت پیش کرنا لازمی ہے جب انسان اپنے اعضاء و جوارح سے ان اصولوں پر عمل کرتا ہے جو ایمان کی بنیاد ہیں تو اس نے اپنے دعوے کی شہادت پیش کر دی۔ جب اس نے اللہ کی راہ میں جان مال خرچ کیا اور ماسویٰ کی

محبت سے اپنے اعمال کو پاک کر لیا تو اس نے اپنے شاہدوں کی صداقت کا ثبوت پیش کر دیا۔ اس وقت اس کا نام محبانِ الٰہی کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور مقربین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ

''کیا لوگوں نے خیال کر لیا ہے کہ انہیں صرف اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔''

O

مکتوبِ گرامی حضرت شیخ المکرّمؒ

بجوابِ استفسار

ایک عالم دین از افغانستان

پہلے سوال کا جواب۔

دُوسرے سوال کا جواب۔

تیسرے سوال کا جواب۔

چوتھے سوال کا جواب۔

پانچویں، چھٹے، ساتویں سوال کا جواب۔

آٹھویں سوال کا جواب۔

کابل (افغانستان) سے ایک عالمِ دین کا خط

بگرامی خدمت شیخ المکرم حضرت مولانا کاشف اسرار شریعت وطریقت و حاوی للفروع والاصول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔دام فیوضکم وبرکاتکم علینا وعلی الناس اجمعین۔

''مجھے دلائل السلوک' دیکھنے کا بذریعہ دلاور خان موقع میسر آیا جس سے میرے دل میں نور ایمان کی لہر اٹھی اور حیران ہو گیا کہ اس دور ظلماتی اور الحادی میں ایسا ہیرا' موتی یگانہ' دریکتا' وحید الدہر اور سراج منیر اس سرزمین پاک و ہند میں منور ہوا' اگر میں خود اپنی آنکھوں سے کتاب نہ دیکھتا' کوئی دوسرا آدمی زبانی ان واقعات وحالات کو بیان کرتا تو یقیناً دل قبول نہ کرتا' نہ ہی قابل قبول تھیں ظاہراً۔ گو یہ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ ان لوگوں سے زمین خالی نہیں ہوتی' مگر ایسے جامع شریعت وحقیقت ہستی کا اس دور میں پایا جانا اگر محال نہیں تھا تو یقیناً کم یاب تو تھا اور ہے۔

میں خود اس مرض کا قدیم المریض ہوں۔ طبیب قلب کا سالہا سال سے متلاشی ہوں مگر جو ملا آخر وہ دکاندار ہی ثابت ہوا' اس لئے میری کشتی کنارے نہ لگ سکی نہ ہی مرض سے نجات ملی' اگر کوئی صورت حاضری کی میسر آئی تو حاضر خدمت ہوں گا' وقت آخری ہے اور میں چند ایک معروضات پیش کر کے جواب لینا چاہتا ہوں۔

ا: کیا اذکار واشغال مشائخ وبیعت جلسہ ذکر' اور دو وقت ذکر کرنے اور مجموعی طور پر ذکر کرنے کا وجود قرون ثلثہ میں ملتا ہے جو قرون مشہود بالخیر ہیں' اگر ان کا وجود قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا تو اس کو بدعت کہنا بعید نہ ہوگا۔

۲: کیا نجات اخروی کے لئے اور دیگر تمام کمالات کے حصول کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کافی نہیں کہ مزید اذکار واشغال مشائخ بایں قیودات وتخصیصات اختیار کئے جائیں جب کہ انسان عامل بالکتاب والسنت ہے۔

۳: کیا علم سلوک وتصوف جزودین ہے؟ اگر ہے تو قرون ثلثہ اس سے کیوں خالی رہے؟ اگر نہیں تو اس کے حصول کا کیا فائدہ؟

۴: اگر علم سلوک جزودین ہے تو اس کے حصول کے لئے ولی کامل اور مرشد کامل کو مقوف علیہ ٹھہرانا کہاں ثابت ہے اس کا حصول تو کتب تصوف اور کتاب اللہ اور سنت سے ہوسکتا ہے۔

۵: یہ تو ٹھیک ہے کہ علم سلوک ایک باطنی علم ہے مگر حصول علم کے لئے زندہ اشخاص کافی ہیں عالم علوم باطنیہ سے حاصل ہوسکتا ہے مگر جو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں مشہور ہے کہ فیض روح سے بھی ہوسکتا ہے تو اہل قبور سے کس طرح ہوسکتا ہے جب بعد الدارین ہوچکا ہے نیز فقہا میں تو بعض سرے سے سماع موتی کا انکار کرتے ہیں۔ جب حال یہ ہے تو فیض حاصل کرنا کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور امام صاحب کا مذہب بھی بعض عدم سماع بتاتے ہیں۔

۶: خدا تعالیٰ نے سوال کے بغیر پیدائش انسانی' جنات وشیاطین قرآن میں بیان فرمادیں مگر روح کی پیدائش اور حقیقت باوجود سوال کے نہ بتائیں جس سے خوب واضح ہوتا ہے کہ روح کوئی فرشتہ اور جن سے بھی زیادہ الطف چیز ہے تو ایسی لطیف ہستی سے فیض حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے' فیض کے لئے اول روح سے ہم مجلس ہو پھر اس کو دیکھے وہ نظر آئے پھر اس سے ہمکلام ہو اس کی کلام سن جائے' پھر اس سے

اخذ فیض کیا جائے' چہ جائیکہ اس سے خرقہ خلافت لیا جائے' جس کی کوئی نظیر آپ فرماتے ہیں اگر ہے تو جب عدم سماع بھی سامنے ہے۔

۷: کیا روح پر موت طاری نہیں ہوتی؟ قرآن میں کل نفس ذائقہ الموت' موجود ہے' اس کلیہ سے آپ روح کو کیسے مستثنیٰ فرماتے ہیں؟ کیا روح کیلئے بھی روح ہے جبکہ حیات کا موقوف علیہ ہی روح ہے۔

۸: فنا فی الرسول ﷺ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اور مراقبات کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ صوفیائے کرام کے نزدیک اور ان کے حصول و تحصیل کی کیا صورت ہے؟ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا وہ طریقہ آپ ہم کو لکھ کر ارسال کر سکتے ہیں؟ کہ ہم بھی ان کو حاصل کر کے خدا کے خاص بندوں میں داخل ہو جائیں۔ آپ سے دور افتادہ ہیں' مہربانی کر کے تفصیل سے لکھیں' نیز کشف ملائکہ و جن و کشف قبور جن جن وظائف سے حاصل ہو جاتے ہیں وہ بھی مفصل لکھنا مہربانی ہوگی' میں آپ کے حلقہ کا آدمی ہوں۔

☆

خط کا جواب

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

پہلے سوال کا جواب

سب سے پہلے بدعت کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے جو چیز بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود تھی وہ سنت ہے اور جو حکم بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا وہ بدعت ہے۔

اب وجود شرعی کی تفصیل سنیے :۔ اصطلاح اصول فقہ میں وجود شرعی اسے کہتے ہیں جو بغیر بیان رسول کریم ﷺ معلوم نہ ہو سکے اور حس عقل کا اس میں دخل نہ ہو اس شے کا وجود حضور اکرم ﷺ کے فرمان اور بیان پر ہی موقوف ہوگا۔ پھر بیان میں خواہ صراحت ہو اشارۃً یا دلالۃً ہو یعنی بیان کی کوئی فرع پائی گئی تو اس حکم کا جواز ثابت ہوگا اور اس حکم کا وجود شریعت میں آ گیا' خواہ اس وقت اس حکم کی جنس بھی خارج میں موجود نہ ہو' چہ جائیکہ اس کا جزیہ ضروری ہو۔ پس جس حکم کا جواز کلیۃً ثابت ہو گیا وہ حکم بجمیع جزئیات ثابت ہوگا خواہ اس کا کوئی جزیہ بوجود خارجی قرون ثلثہ میں موجود ہو یا نہ ہو' اگر اس کلیہ کا کوئی جزئیہ قرون ثلثہ کے بعد خارج میں وجود میں آیا وہ سنت میں داخل ہوگا بدعت نہ ہوگا۔

یوں تو اقسام حدیث میں قول رسولؐ فعل رسولؐ تقریر رسولؐ۔ حوا جس نفس رسولؐ عزم رسولؐ ہم رسولؐ۔ اور خواطر رسولؐ سب ہیں' مگر اذکار تو وہ سنت ہے جس کا ثبوت صراحۃً رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور خیر القرون میں پایا جاتا

ہے۔ اذکار و اشغال جن کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہو اور ان کی جزئیات مشائخ نے اس اصل سے اخذ کی ہوں وہ داخل سنت ہوں گی۔ کیونکہ وسائل و ذرائع حکم مقاصد میں داخل ہیں۔

دوسری چیز یہ سمجھ لی جائے کہ تعلق باللہ نسبت باللہ اور توجہ الی اللہ سب ماموز من اللہ ماموز بہ ہیں اگرچہ کلی مشکک ہے جس کا ادنیٰ درجہ مندوب ہے اور اعلیٰ درجہ فرض ہے اور سینکڑوں آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ان کا ماموز من اللہ ہونا ثابت ہے بلکہ تمام شریعت کا خلاصہ اجمال یہ ہے کہ مال اور اولاد سے تعلق حفاظت کا ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق عبادت اور اطاعت کا ہو۔ جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے سینکڑوں آیات و احادیث سے ان کا ماموز من اللہ ہونا پائے گا اور غیر سے قلبی انقطاع کا ثبوت ملے گا۔

تیسری بات یہ سمجھ لیں کہ ماموز بہ اور ماموز من اللہ مقصود لذاتہ ہے اور جو چیز ماموز بہ ہوا اس کی تحصیل کے لئے جو ذرائع اور وسائل اختیار کئے جائیں گے یا جو طریقہ متعین کیا جائے گا' مقید کیا جائے گا وہ بھی ماموز بہ ہوگا جیسے وضو کو دیکھئے مقصود لذاتہ تو نماز ہے اور نماز موقوف ہے وضو پر لہٰذا وضو کے لئے پانی مہیا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ وہی تو وسیلہ اور ذریعہ طہارت ہے۔ اسی طرح نماز کے لئے ستر عورت فرض ہے لہٰذا لباس کا مہیا کرنا بھی فرض ہوا' لہٰذا ذکر الٰہی کے سلسلے میں مشائخ نے جو وسائل اور ذرائع اختیار کئے یا جن ذرائع کو اصل مقصود کے لئے متعین کیا یا مقید کیا موکد یا غیر موکد کیا' جن پر مقصود ذاتی موقوف تھا' وہ بھی مقاصد میں داخل ہوئے' ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ یہ احداث فی الدین نہیں ہوگا' ہاں احداث للدین ہوگا جس طرح طبیب ہر زمانہ

اور ہر موسم میں ادویہ بدلتا اور تجویز کرتا ہے' طبیب کا اصل مقصد تو صحت بدن انسانی ہے' اسی طرح اذکار کا اصل مقصد تعلق مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہے جس طریقہ سے حاصل ہو وہ اختیار کرنا فرض کے حکم میں داخل ہوگا۔ یا مثلاً اعلائے کلمۃ اللہ ایک مقصد ہے اور جہاد بھی اس کا ایک ذریعہ ہے' جہاد جن آلات حرب پر موقوف ہوگا انکی تحصیل بھی فرض ہوگی۔ جیسے آج کے حالات کے مطابق توپ ٹینک ہوائی جہاز وغیرہ ان کو اس وجہ سے بدعت نہیں کہا جائیگا کہ رسول کریم ﷺ یا صحابہؓ کے زمانہ میں یا خیر القرون میں ان کا وجود نہیں تھا' بس تلوار' نیزہ سے ہی کام لینا سنت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مقصد جب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا ہے مگر اس مقصد کے حصول کے لئے حالات کے مطابق ذرائع مہیا کرنا جن پر یہ موقوف ہے وہ بھی واجب ہوگا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ سمجھ لیجئے کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان کو جزو دین کہا گیا ہے اس لئے اس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ احسان صرف جزو دین ہی نہیں' بلکہ دین کی روح اور خلاصہ ہے جس نے اسے حاصل نہ کیا اس کا دین ناقص ہے' کیونکہ احسان کی حقیقت یہ بیان ہوئی ہے کہ تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک حدیث میں دین کے تینوں اجزاء کا ذکر ہے۔ ایمان جو اصل ہے' اعمال جو فرع ہیں اور احسان جو ثمرہ ہے اسے چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے ایک شخص مغرب کی نماز میں فرض کی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے' ظاہر ہے کہ اس کی نماز نہ ہوگی' اسی طرح احسان کو چھوڑ دینا دین کے ایک عظیم جزو کو ترک کرنا ہے اس لئے دین ناقص رہ جائے گا۔

پانچویں یہ بات سمجھ لیجئے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہ درجہ احسان صرف

صحبت رسول ﷺ سے حاصل ہو جاتا تھا' صرف فرائض کی پابندی کے ساتھ صحبت رسول ﷺ شامل ہو گئی تو درجہ احسان حاصل ہو گیا اور وہ بھی اس پایہ کا کہ بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ درجے کے صحابیؓ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا' جب آفتاب نبوت اوجھل ہو گیا تو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ دین کا یہ اہم حصہ جو دین کا ماحصل کمال کا اعلیٰ درجہ اور مقصود ولذاتہ ہے حاصل ہو سکے۔

رہا دو وقت ذکر کرنے کا سوال تو یہ نص سے ثابت ہے مثال کے طور پر دیکھئے۔

۱: انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورہ

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو جو جمع ہو جاتے تھے

اس حقیقت کو کشف صحیح کی تائید بھی حاصل ہے' اولیاء اللہ نے اس آیت سے دو امور ثابت کئے ہیں۔

اول۔ اجتماعی ذکر۔ اسمیں ذاکرین کے انوار کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے جس سے نحوست دور ہوتی ہے۔

قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے' ہمت قوی ہو جاتی ہے اور اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی' یہ کیفیت چشدنی ہے گفتنی نہیں۔

۲: واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفه ودون الجهر من القول بالغدو ولاصال ولاتکن من الغافلین.

اس آیت میں ذکر قلبی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے زبان سے نہیں۔

دوم: صبح وشام ذکر کرنے کا حکم ہے، آخری بات یہ نکلی کہ جو شخص اس طرح ذکر نہیں کرتا وہ خدا سے غافل ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے غافل ہو جانے سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے، اور اس غفلت سے دین میں جو نقص پیدا ہو جاتا ہے، اس میں کلام کی گنجائش کہاں ہے؟

۳: واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة و العشی

۴: ولاتطرد الذین یدعون ربهم بالغداة و العشی۔

یوں تو ہر حالت میں ذکر کرنے اور ذکر کثیر کرنے کا حکم ہے مگر دو وقت اہتمام سے ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اجتماعی ذکر کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے کہ:

لا یقعدقوم یذکرون اللہ الاحفت بهم الملائکة و غشیتهم الرحمة وتنزلت علیهم السکینه هم قوم لایشقی جلیسهم.

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کا ثبوت موجود ہے، پھر اس نعمت کا ذکر ہے کہ اس مجلس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں، رحمت باری اور سکون قلبی نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس مجلس میں بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہ سکتا۔

پھر صحیح حدیث موجود ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت حلقہ ذکر کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے، جہاں کہیں کوئی مجلس ذکر پاتے ہیں دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں اور اس مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ذکر کا مامور من اللہ ہونا اور صبح وشام اہتمام سے ذکر کرنا نص سے ثابت ہے۔

دوسرے سوال کا جواب!

ذکر کثیر جو تمام اوقات کو شامل ہے اور صبح وشام ذکر کرنے کا مامور من اللہ ہونا نصوص قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو یہ ذکر کرنا بھی عمل بالکتاب والسنّت ہے ان کو ایک دوسرے سے جدا کیوں سمجھا جائے؟ حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ عقائد (ایمان) اور اعمال (اسلام) کے علاوہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس کا پورا کرنا اور اس فرض کو بجا لانا ضروری ہے جسے احسان کہا گیا ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کامل طور پر عامل بالکتاب والسنّت ہو ہی نہیں سکتا جب تک ذکر کثیر بالعموم اور صبح وشام ذکر بالخصوص اہتمام سے نہ کرے۔

تیسرے سوال کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں بیان کر دیا گیا ہے کہ تصوف جزو دین ہے۔

چوتھے سوال کا جواب

کوئی علم یا فن کسی استاد کی شاگردی اختیار کیے بغیر نہیں سیکھا جا سکتا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا صحیح فہم حاصل کرنا کامل اور ماہر استاد کے تعلیم دینے پر موقوف ہے محض کتابوں کے مطالعے سے کتاب اللہ کے اسرار اور سنت رسول ﷺ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی' پھر اس کلیہ سے تصوف کو مستثنیٰ کیوں کیا جائے' اس کے سیکھنے کے لئے مرشد کامل کی ضرورت کا انکار کیوں کیا جائے' جبکہ وہی فن سکھانے کی مہارت اور اہلیت رکھتا ہے۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو

سکتی۔ حالات' واردات' کیفیات اور روحانی ترقی کے لئے مراقبات' کتابوں سے سیکھنے کی چیز ہی نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے۔ یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں' شیخ کے باطن سے اور اس کے روح سے حاصل ہوتے ہیں' جس نے ولایت اور معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا' ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ کامل ہو' دل کا اندھا نہ ہو' قوی القلب ہو' جس کے قلب کے انوار اتنے قوی ہوں کہ سالک کی روح اور اس کے باطن کو اپنی طرف کھینچ سکے۔

پانچویں' چھٹے اور ساتویں سوال کا جواب

اولیاء اللہ کے ارواح سے اور ان کی قبور سے فیض حاصل کرنا اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق سوال کرنا مذہب اہل سنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے' رہا بعد الدارین کا اشکال تو یہ بعد جسم کے لئے ہے' روح کے لئے بعد نہیں' معراج کی متواتر احادیث کیا آپ کے پیش نظر نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جا بجا اہل برزخ کو دیکھا' ان کو راحت کی حالت میں بھی دیکھا' انبیاء کی امامت بھی کرائی' ان سے کلام ہوئی حالانکہ وہ برزخ میں تھے اور حضور ﷺ دنیا میں تھے' گو اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کے ارواح حاضر ہوئے یا روح مع الجسم۔ میں ذاتی طور پر امر ثانی کا قائل ہوں۔ دیکھئے حضرت موسیٰؑ سے کتنا فیض ہوا کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ کیا اس کے بعد بھی روح سے فیض لینے میں شبہ رہ سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ سالک روح کو دیکھتا کیسے ہے' کلام کیونکر ہوتی ہے۔ فیض کس طرح ہوتا

ہے۔سوال وجواب کیسے ہوتے ہیں؟ روح کی حیات کس طرح کی ہے وغیرہ؟ تو یہ چیزیں بتائی نہیں جاسکتیں' البتہ سیکھی اور سکھائی جاسکتی ہیں۔ میں تصوف کو جزو دین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں گا' انشاء اللہ تعالیٰ یہ دکھا دوں گا کہ روح سے فیض کیسے اخذ کیا جاتا ہے وہ شخص روح سے کلام کرلے گا۔ قبر کے عذاب وانعام کو دیکھ لے گا۔ انبیاء کی روحوں سے ملاقات کرلے گا اور حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر روحانی بیعت کرادوں گا بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو' خلوص لے کر آئے۔ پھر سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ گو دلائل سمعیہ بھی سماع کے موئد ہیں' ان کا انکار صرف جاہل اور ضدی ہی کرسکتا ہے۔

دور صحابہ ؓ میں کشف والہام بغیر ریاضت ومجاہدہ کے حاصل ہو جاتا تھا۔ صحبت رسول ﷺ کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

حیات روح کی حقیقت یہ ہے کہ روح کی حیات نور سے ہے' جس طرح روح محرک بدن انسانی ہے' اسی طرح نور محرک روح ہے۔ اور محرک نور ذات باری تعالیٰ ہے۔ روح کے بدن سے جدا ہونے سے تصرف وتدبیر کا تعلق بدن سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس جدائی کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح فانی نہیں روح کی فنا آنی ہے اور بقا زمانی ہے۔

کل نفس ذائقۃ الموت کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ قانون ہے کہ ذائق مذوق کے بعد زندہ رہتا ہے جیسے انسان ذائق ہے اور روٹی مذوق روٹی کھائی گئی۔ انسان زندہ موجود ہے۔ اسی طرح روح ذائق ہے اور موت مذوق ہے اس لئے موت کے بعد

روح زندہ رہتی ہے۔

سماع موتیٰ کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے متعلق جو غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ عدم سماع کے قائل تھے۔ یہ درست نہیں دیکھئے عرف شذی صفحہ ۳۸۶

واشتهر على السنة الناس ان لموتى ليس لهم سماع عند ابى حنفية رحمة الله وصنف ملا على القارى رحمةالله عليه رسالة وذكر فيهاان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا

اور لوگوں کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتیٰ کے قائل نہیں' ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے کی کوئی سند نہیں' یہ بالکل بے اصل ہے۔

اور اہل السنّت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت کو عالم برزخ میں دنیا کے حالات کا علم ہوتا ہے' دیکھئے عرف شذی صفحہ ۳۸۷

في شرح المقاصد ان علم ا لميت مجمع عليه

شرح مقاصد میں ہے کہ میت کو علم ہونا اجماعی عقیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ علم بغیر حیات کے محال ہے اور عرف شذی صفحہ ۳۸۷ پر ہے۔

والمحققون ان اباحية لا يكنر سماع الاموات.

محققین کا مذہب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سماع موتیٰ کے منکر نہیں تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات 401:3 فرماتے ہیں:

''وبالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحونند کہ دلالت می کنند بر وجود علم موتیٰ را بدنیا واہل آن پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار ومنکر دین ومشائخ گفتہ اند ہر کہ ایں اعتقاد ندارد۔

ایمان بحقیقت نبوت ندارد''

معلوم ہوا کہ روح زندہ ہے جو کمالات اسے دنیا میں حاصل ہوتے ہیں جسمانی موت کے بعد روح سے چھین نہیں لئے جاتے جو علم اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا برزخ میں اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے' شرط یہ ہے کہ حاصل کرنے والا برزخ سے روح کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو نمازوں کی تعداد میں کمی کرنے کی درخواست کرنے اور کم کرانے کا فائدہ حاصل ہوا تھا۔

آٹھویں سوال کا جواب

فنا فی الرسول ﷺ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سلوک کے وہ منازل ہیں کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے حصول کے لئے کوشاں رہے' مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے اور یہی آرزو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے' ان منازل کے حصول کے لئے سچی تڑپ انسان کی سعادت کی بہت بڑی دلیل ہے مگر یہ منازل صرف زبانی اوراد و وظائف سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ قلب اور روح کا معاملہ ہے اور صرف ذکر لسانی سے تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن نہیں ہو پاتا' بلکہ ان منازل کے حصول کے لئے دوسری شرائط ہیں' سب سے پہلے اصلاح قلب کی ضرورت ہے' اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر قلبی کثرت سے کیا جائے اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ اصلاح قلب ایسا کمال ہے جو شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

اور:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاملے

ہست محبوبے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمائمت

شیخ کامل کی رہنمائی میسر آ جائے تو اتباع سنت کا اہتمام لازمی طور پر کیا جائے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا　　　　تواں رفت جز در پے مصطفےٰ ﷺ

شیخ کامل اس راہ پر اس ترتیب سے چلاتا ہے کہ سب سے پہلے لطائف کراتا ہے جب وہ منور ہو جاتے ہیں تو مراقبہ احدیت کراتا ہے جب یہ رابطہ خوب مضبوط ہو جائے تو شیخ اپنی روحانی قوت سے مراقبہ معیت پھر اقربیت کراتا ہے۔ پھر دوائر ثلاثہ پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن ۔ یہ مراقبات عالم ملکوت سے گزار کر شیخ کامل کراتا ہے۔ پھر مراقبہ سیر کعبہ پھر سیر صلوۃ پھر سیر قرآن اس کے بعد مراقبہ فنافی الرسول کراتا ہے اور دربار نبوی ﷺ میں حاضری ہوتی ہے۔ فنافی الرسول ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حضور اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی سیرت میں فنا ہو جائے۔ پھر شیخ کامل توجہ روحانی سے فنافی اللہ اور بقاباللہ کا مراقبہ کراتا ہے یہ ذکر لسانی سے حاصل نہیں ہو سکتے' بلکہ شیخ کامل کی توجہ سے ذکر قلبی کرنے سے یہ مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ مراقبہ فنا بقا میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ سالک روحانی طور پر یوں محسوس کرتا ہے کہ عرش بریں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہے اور سبحان ربی الاعلی اور سبحان ربیء العظیم کہہ رہا ہے' عرش معلیٰ اللہ تعالیٰ کے ذاتی انوار و تجلیات کا مہبط ہے۔ وہ انوار و تجلیات سرخ سنہری معلوم ہوتے ہیں۔ کائنات کی کیفیت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز' شجر' حجر' حیوان' ملائکہ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم پکار رہے ہیں' ایک گونج اٹھتی ہے اور سالک پر سب چیزوں سے غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا تسبیح و تحمید کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

قد فطر الله الجمادات على تسبيحه وتحميده تنزيهه لطافا تسبيحها تسبيح حقيقي۔

اسی طرح انسانوں کے متعلق بھی تسبیح کے یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مخلوق دو قسم کی ہے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ ذوی العقول یعنی انسان معرفت الٰہی اور عبادت الٰہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور غیر ذوی العقول اللہ کی تسبیح و تہلیل کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں ایک مراقبہ جمادات و اشجار بھی ہے۔ میں یہ مراقبہ نہیں کرایا کرتا کیونکہ خام آدمی کے لئے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس مراقبہ میں پتھروں اور درختوں، پانی اور ہوا کی بولی سکھائی جاتی ہے اور صوفی کامل ان غیر ذی روح چیزوں سے کلام کر سکتا ہے اور ان کی کلام سمجھ سکتا ہے۔

ملائکہ، جنات، شیاطین اور روح سے کلام ہونا تو سلوک کی ابتدائی باتیں ہیں، ہاں اس سلسلے میں طبائع انسانی کے اختلاف کی وجہ سے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سلوک میں منازل بالا حاصل ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ عالم امر اور عالم حیرت کے منازل بھی طے کر لیتے ہیں، مگر انہیں مشاہدات نہیں ہوتے، یہ بھی اللہ کی شان ہے اور اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے، بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں بالکل ابتداء میں مشاہدات کی نعمت عنایت فرما دیتا ہے، ایسے لوگوں کو رویت اشکال کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے اس مراقبہ میں روح کی اصل شکل بھی جو بعد موت ہوگی سامنے آ جاتی ہے، اس مادہ پرستی کے دور میں بہت کم ایسے آدمی ملتے ہیں جن کی روح انسانی شکل پر ہو نعوذ باللہ من ذالک علماء قشر ایسی باتوں کا انکار کر

دیتے ہیں اس کی وجہ عدم علم ہے' کشف قبور میں جب روح سے کلام ہوتی ہے تو روح بھی سامنے آجاتی ہے اس کی کلام بھی سنائی دیتی ہے۔

جمادات میں شعور کے موجود ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: تسبح لہ السماوات السبع والارض

اور:

وان من شئی الایسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم

اور:

الم تران اللہ یسجدلہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب'

بعض مفسرین کا قول ہے کہ سجدہ سے دلالت علی الصانع مراد ہے مگر یہ قول درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ الناس کے ساتھ کثیر کی قید نے اس تاویل کو اڑا دیا ہے' کیونکہ صانع پر تو تمام جہان دلالت کرتا ہے مصنوع دال علی الصانع ہوتا ہے اور کثیر من الناس سے ظاہر ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو دال علی الصانع نہیں اور یہ بات اصولاً غلط ہے مصنوع ہو اور دال علی الصانع نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

اس لئے یہ قول غلط ٹھہرا' لہٰذا سجدہ اور تسبیح حقیقی ثابت ہوئی۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے:

عن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم تلبی الالبی ما عن یمینہ وشمالہ من حجر او شجر اومدر حتی تنقطع الارض من ھھنا وھھنا

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلم تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں۔ (حاجی کی تلبیہ سُن کر)

اس حدیث سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے، جس سے وہ تلبیہ کی آواز سنتے ہیں اور خود کلام کرتے ہیں"

اور ابوداؤد میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الحصاة تناشاء الله الذی بخرجها من المسجد ليد عها.

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد حرام سے کنکریاں اٹھا کر باہر لے جانا چاہے تو وہ کنکریاں اس کو خدا کا واسطہ دیتی ہیں کہ انہیں وہیں رہنے دے باہر نہ لے جائے۔

یہ حدیث بھی اہل کشف کی تصدیق کرتی ہے کہ کنکریوں میں شعور ادراک ہوتا ہے۔

ایک حدیث بخاری اور ترمذی میں آئی ہے:

عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان احد جبل يحبنا ونحبه

احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں محبت کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے۔ نحبہ' سے محبت حقیقی مراد ہے تو یحبنا میں بھی محبت کا لفظ حقیقی معنوں پر محمول ہوگا۔ ہاں مسئلہ ظنی ہے داخل عقائد نہ ہوگا۔

جمادات اور اشجار کو تسبیح و تہلیل، تحمید و تنزیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنا مقصد تخلیق پورا کر رہے ہیں، مگر انسان جو معرفت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ خدا سے غافل

ہو گیا ہے۔ انسان اگر اپنا مقام پہچان لے اور قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں لگ جائے تو اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے اور اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے۔

یہ خیال رہے کہ مشاہدات' مکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا یا جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا کمال کی چیز نہیں اصل کمال قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہے۔

اللہ کی اطاعت اور عبادت پر استقامت صوفی کامل کے لئے ضروری ہے چاہئے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرتا ہوا اپنی منزل مقصود یعنی قرب الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جائے اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

O

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

۲ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

۳ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۴ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

۵ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۶ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

۷ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

۸ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

۹ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ ——— الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

۱۲ ——— الٰہی بحرمتِ ختمِ خواجگان خاتمہ من وخاتمہ حضرت محمد احسن بیگ و حضرت سید بنیاد حسین بخیر گرداں

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ O

دینی و دنیوی جائز مقاصد کے حصول، ازالہ بلیات، حلِ مشکلات وقضائے حاجات کے لیے سحری کے معمول (ذکر الٰہی) کے بعد سلسلہ خواجگان نمبر گیارہ تک پڑھ کر بکمال خشوع وخضوع واستحضارِ قلب دعا مانگے بفضلہ تعالیٰ مستجاب ہوگی عام حالات میں حصولِ برکات وتقویتِ نسبت کے لیے پڑھے تو بارہویں سطر بھی شامل کرے اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے خاتمہ بالایمان فرمائیں گے۔

عکسِ سنداتِ خُلفاءِ شیخ سِلسلہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت محمد احسن بیگ مدظلہ العالی

حضرت سید بُنیاد حُسین نقوی مدظلہ العالی

تبرکات شیخ رح

(انتخابات مکتوبات)

انتخاب مکتوبات شیخ مکرمؒ

یہ مکاتیب حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے ۷۴-۱۹۷۱ء میں اپنے محبوب خلیفہ جناب میجر محمد احسن بیگ مدظلہ کے نام تحریر فرمائے تھے جبکہ وہ ہندوستان میں ایام اسیری گزار رہے تھے۔

بعض مکاتیب کے مخاطب کچھ دوسرے احباب ہیں جو وہیں اسی دور میں سلسلہ عالیہ میں شامل ہوئے اور زیر تربیت تھے۔ ان میں بعض باتیں اصول تصوف، طریقت اور آداب شیخ سے متعلق ضمناً آگئی ہیں۔ انہیں اس کتاب میں تبرکاً شامل کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین اس سے مستفید ہو سکیں۔ مکاتیب کی نقل بطور اصل پہلی مرتبہ شائع کی جا رہی ہے۔

مکتوب (۱) بنام حضرت میجر محمد احسن بیگ صاحب مدظلہ العالی

۲۳ فروری ۱۹۷۲ء

مکتوب (۲) بنام حضرت میجر محمد احسن بیگ صاحب مدظلہ العالی و کرنل فتح محمد خان ۲۷ جنوری ۱۹۷۳ء

مکتوب (۳) بنام حضرت میجر محمد احسن بیگ صاحب مدظلہ العالی

۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء

مکتوب (۴) بنام میجر غلام سرور صاحب ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء

(ج)

REPLY

Message to be returned to enquirer

(Not over 25 words, family news of strictly personal character).

۷۸۹

میجر احسن السلام علیکم پوری جماعت برزخ تک دربار نبوی ﷺ میں

دعا میں مصروف ہے آپ دل جماعت ہیں، جواب خلاصی

تفصیل سے محال ہے بیننا و بینہم حجاب الفساد جماعت

کا السلام علیکم و دعا قبول اللہ یار

۷۸۹

(پہلا خط) مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۷۲ء

میجر احسن السلام علیکم پوری جماعت برزخ تک دربار نبوی ﷺ میں دعا میں مصروف ہے۔ آپ دل جماعت ہیں۔ جواب خلاصی تفصیل سے محال ہے۔ بیننا و بینہم حجاب الفساد۔
جماعت کا السلام علیکم و دعا قبول۔ اللہ یار (دستخط حضرت جی)

Please write very clearly

Note :—

This form may please be sent to the Secretary-General, Pakistan Red Cross Society, National Headquarters, Dr. Dawood Pota Road, Karachi-4, after completion.

PAKISTAN RED CROSS SOCIETY

MESSAGE FORM

Enquirer دریافت کنندہ

Name نام MAULVI ALLAH YAR KHAN
Street گلی یا سڑک SARJAL
Locality رہائش کا وقوع CHAKRALA
County نام شہر بمعہ صوبہ MIAN WALI (PUNJAB)
Country ملک PAKISTAN

Message پیغام
(Not over 25 words, family news of strictly personal character).

Date تاریخ 22 FEB 1972

ADDRESSEE جس کے نام پیغام بھیجا جائے

Name نام MAJ. MOHAMMAD AHASSAN Bdg
Street گلی یا سڑک C/o 99 APO
Locality رہائش کا وقوع CAMP NO 93 P.W
County نام شہر بمعہ صوبہ P of W. NO 36284
Country ملک INDIA

REPLY OVERLEAF
Please write very clearly

(مں)

(دوسرا خط) از چکوال۔ پاکستان ۷۸۶ الداعی الی الخیر ناچیز اللہ یار خان

مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۳ء (دستخط حضرت جیؒ)

خدمت عزیزم کرنل مطلوب حسین صاحب السلام علیکم!

چند دن ہوئے کہ جناب میجر محمد احسن بیگ صاحب و کرنل فتح محمد خان صاحب کا خط ملا۔ اس خط کا جواب میں نے دے دیا ہے۔ میں نے ان دو ماہ میں تقریباً تھائیس خطوط آپ لوگوں کے نام لکھے ہیں ایک ایک کر کے' کاش کہ جناب عزیز ان کو ملتے۔ کم ہیں۔ آج پھر بندہ کو عزیزم میجر رشید جعفر صاحب کا خط ملا ہے میں آپ کو بھی اور ان کو بھی بندہ پوری جماعت کو عرض کروں گا کہ تمام کمالات کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ سوائے اتباع محمدی ﷺ کے کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ ابدالیت' نجابئیت' نقبائیت' اوتادیت' ارشادیت' قطبیت' غوثیت' قیومیت' فردیت' قطب وحدت اور صدیقیت اس سے آگے بھی قربت جس کو مقام اسرار کہا جاتا ہے۔ زبان سلوک میں' ان تمام مناصب محمد رسول اللہ ﷺ کی جتیاں (جوتیوں) کی خاک سے ملتے ہیں۔ یاد رکھنا یہ مناصب جو میں نے بیان کئے ہیں۔ ان کے حصول کی دو ہی شرطیں ہیں:

(۱) اول۔ اتباع شریعت محمدی ﷺ معہ اتباع سنت رسول اللہ ﷺ

(۲) معہ ذکر علی الدوام کے خلوص باشیخ

شیخ سے چونکہ تعلق قلبی ہوتا ہے اور بہت ہی نازک تعلق ہوتا ہے اس کا خیال کیا جائے اس وقت آپ لوگوں کے شیخ اور مربی جناب میجر احسن بیگ صاحب ہیں آپ اگر بندہ تک آئے تو ان کی وساطت سے آئے ان کا ادب تعظیم ملحوظ رکھنا اور خدا کے بندے بن جاؤ' تمہاری موت زندگی فی الحال (سوال ہے) اب ایک ہی دروازہ رب العالمین کا ہے یاد رکھنا حصول سلوک میں موت آئے تو وہ حیات ہے حیات ہے۔ پوری جماعت کو یہ خط سنانا۔ آپ کا خط جس میں ذکر کا سوال تھا جواب مفصل دیا تھا۔

(ظ)

(تیسرا خط) از چکڑالہ ۷۸۶ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء

فراموشی مکن اے یار جانی
اگر دورم مرا از دیک دانی

خدمت عزیزم محمد احسن بیگ صاحب و کرنل فتح محمد صاحب و کرنل مطلوب حسین صاحب'
السلام علیکم! میں نے کئی خطوط آپ حضرات کی خدمت میں ارسال کئے۔ غالباً مل چکے ہوں گے۔ یہ (خط) منارہ جاتے ارسال کیا میں انشاء اللہ ۱۴ جولائی ۱۹۷۳ء کو منارہ چلا جاؤں گا۔
اور چالیس دن مسلسل قیام کروں گا۔ آپ لوگوں سے عرض ہے۔ معاملہ نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ آپ بہر حال یاد خدا میں ہمہ تن مصروف ہو کر اس کو یاد کرو ظاہراً باطناً۔ ظاہر اتباع شریعت باطن میں لطائف و مراقبات پر پورا زور دینا۔
میں پوری جماعت سے مخاطب ہوں' آپ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھرو۔ پوری زمین کو چھان مارو۔ آپ کو کامل عارف نہ ملے گا۔ محال ہے محال ہے اور خوب یاد رکھنا بیگ صاحب آپ کے پاس ہیں جو موجودہ حالت میں جناب والوں کے شیخ ہیں۔ ان کی عزت تمام مشائخ کی عزت ہے اور خوب یاد رکھنا ان کی کاملیت میں ذرہ برابر بھی شک محال ہے۔ بتاؤ جس شخص کو مراقبہ احدیت 'معیت' اقربیت ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ فنا فی الرسولؐ ہو جائے سالک المجذوری ہو جائے پھر بیگ کی کاملیت میں شک کرتا ہے تو وہ احمق نہیں تو کیا ہے۔ جو شخص عالم خاکی سے نکال کر بلکہ عالم ملکوتی سے بھی نکال کر عالم برزخ میں لے جا کر دربار رسالت ﷺ میں پیش کر دیتا ہے۔ میدان حشر دکھا دیتا ہے۔ اس کی کاملیت میں شک و شبہ کرنا' پھر بھی اس سے طلب کرامت کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔
عزیزو! حالت نازک صورت اختیار کر چکی ہے۔ آپ ہمہ تن بیگ سے لپٹ جاؤ۔ ان کی صحبت سے ہی تم کو جو کچھ حاصل ہوگا ہوگا۔ خدا کے بندے بن جاؤ۔ نوکری بلکہ دنیا کی کوئی قوت خدا سے دور نہیں کر سکتی' نوکری کرو' خدا کو یاد کرو' عزیزو! دنیا تو وہ چیز ہے جو خدا سے دور کر دے

(٤)

چیست دنیا و لباس دنیوی　　　　از خدا غافل شدن اے مولوی

چیست دنیا از خدا غافل شدن　　　　نے لباس و نقرہ و فرزند و زن

نماز کی سخت پابندی کرنا' سابقہ صوفیہ کی طرف خیال کرنا' ان کی محنت کو مد نظر رکھنا' ان کی غذا' ان کے لباس' ان کے مجاہدات تخلیہ اختیار کرنا وغیرہ۔ آپ لوگوں کو ہر طرح کی آزادی ہے۔

اس دفعہ منارہ بڑی جماعت ہوگی۔ بعد منارہ میں پھر گلگت چلا جاؤں گا۔ چین کی سرحدوں پر وہاں بھی جماعت ہے۔ وہ (لوگ) آئے تھے دعوت دے گئے ہیں۔ پھر واپسی پر کاغان جاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر قاری صاحب کی شادی پر ضلع ساہیوال میں' پھر رمضان المبارک آ جائے گا۔ پھر ارادہ حج کا مصمم ہے ۹۰ آدمی جماعت کا لاریوں پر جائے گا۔ باقی خدا حافظ۔

(ق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(چوتھا خط) حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب

چکڑالہ ضلع میانوالی　　　　　　　　　　　　تاریخ ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء

خدمت عزیزم میجر غلام سرور صاحب

السلام علیکم! کافی عرصہ سے کوئی گرامی نامہ جناب کا موصول نہیں ہوا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ ۱۴ جولائی ۱۹۷۳ء کو منارہ معہ جماعت معمول و طلباء کے چلا جاؤں گا۔ اور چالیس دن کا پروگرام خود جماعت نے ہی بنایا ہے باقی تمام خیریت ہے زندگی کا اعتبار نہیں۔ اس لئے چالیس دن مقرر کئے (ہیں) کہ جو رفقاء صاحب استعداد ہیں ان کی ترقی کی کوشش کی جائے اور دوسروں کی اصلاح کی جائے۔

تصوف نام ہی ظاہری و باطنی تزکیہ کا ہے ظاہر اتباع شریعت باطن میں تزکیہ باطن 'ذکر باطنی' لطائف مراقبات۔ عزیزم دین ۳ (تین) چیزوں سے مرکب ہے۔ اور ۳ (تین) چیزوں کا نام دین ہے۔

نمبر ۱: عقائد اصول دین (ہیں)

۲ دوم: اعمال و احکام ظاہری جن کو فروعات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳ سوم: تزکیہ باطن جس کو علم تصوف کہا جاتا ہے۔

یہ تین رکعات ہیں ان میں (ایک) رکعت رہ گئی تو نماز نہ ہوگی۔ کوئی شخص نماز مغرب کی ایک رکعت ترک کر دیوے یا وتروں کی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح تصوف اور دین کو سمجھیں۔ خیال کرنا میجر بیگ صاحب کا دامن مضبوطی سے تھامنا۔ ان کی عزت دل میں ہو ایسا نہ ہو کہ کسی کو اپنی میجری کا خیال ہو کسی کو کپتانی کا کسی کو کرنیلی کا'

شعر: در یں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ایسا شیخ مل جائے تو اس کی جتی (جوتے) کی دھوڑ (خاک) بن جائے:

چنگی یارے کہ پائی خاک او شو　　　　اسیر حلقہ فتراک او شو

کہ باشد دوست آں یار خدائی　　　　دلش روشن ز نور آشنائی

نماز ذکر کی پابندی (اور) صحبت بیگ کو تریاق خیال کرنا۔ آپ لوگوں کو جو ملے گا۔ وہ صحبت بیگ سے ملے گا۔ جن پر بیگ راضی تمام مشائخ راضی' جن پر بیگ ناراض تمام مشائخ ان پر ناراض بلکہ خدا رسول بھی ناراض مسئلہ سلوک میں۔

اللہ یار (دستخط حضرت جی")

کتابیات

نام کتاب	نام مصنف
ا	
الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۹۱۱ھ
المسامرہ فی شرح المسایرہ	کمال الدین محمد ابن ابی الشریفؒ ۹۰۵ھ
الشفاء فی حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاضؒ ۵۴۴ھ
الاقتصاد فی الاعتقاد	حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ ۵۰۵ھ
الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال	علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۹۱۱ھ
اللآلی المصنوعہ	" " "
شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	" " "
احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ ۵۰۵ھ
الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	حضرت شاہ ولی اللہؒ
اقتضاء صراط مستقیم	علامہ ابن تیمیہؒ ۷۲۸ھ
الفوز الکبیر	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۱۷۶ھ
الترغیب والترہیب	علامہ عبد العظیم منذریؒ
المنقذ من الضلال	امام غزالیؒ
اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ
الرفع والتکمیل	علامہ سیوطیؒ

نام کتاب	نام مصنف
الروح وما فیہا	سید محمد جریری بیرونیؒ
الجامع الصحیح البخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ
الاربعین فی اصول دین	امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ
الزواجر عن الکبائر	علامہ احمد بن حجر الہیثمیؒ
الیواقیت والجواہر	امام عبد الوہاب شعرانیؒ ۹۷۳ھ
الکشف عن مہمات التصوف	مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۳۶۳ھ
الروض الباسم	علامہ وزیرؒ
الطالع السعید	علامہ الکمالؒ
الفتح الالٰہیہ	ابن فارسؒ

ب

نام کتاب	نام مصنف
بہجۃ النفوس شرح بخاری	عبد اللہ بن ابی جمرہؒ ۶۹۵ھ
بلغۃ الحیران	مولانا حسین علیؒ

ت

نام کتاب	نام مصنف
تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)	امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ
تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ
تفسیر مدارک التنزیل	حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفیؒ ۶۸۶ھ

نام کتاب	نام مصنف
تفسیر جمل	حافظ الدین محمد ابو البرکات نسفی ۶۸۶ھ
تفسیر تیسیر الرحمٰن	علامہ مہیمیؒ
تفسیر روح المعانی	علامہ شہاب الدین محمود آلوسیؒ ۱۲۷۰ھ
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ۱۲۲۵ھ
تاسیس التقدیس	امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ
تہذیب الکمال	حافظ جمال الدین مزیؒ ۷۴۲ھ
تحفہ اثنا عشریہ	شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ۱۲۳۹ھ
تعلیم المتعلمین	امام غزالیؒ
تحفۃ الذاکرین	علامہ شوکانیؒ ۱۲۵۰ھ
تفہیمات الٰہیہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۱۷۶ھ
خ	
خیالی	......
د	
درمختار	......
ر	
روض الانف شرح	علامہ ابو القاسم سہیلیؒ

نام کتاب	نام مصنف
سیرۃ ابن ہشام	۵۸۱ھ
س	
سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یوسف ابن ماجہ قزوینیؒ ۲۷۳ھ
ش	
شامی	......
شرح مواقف	سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ ۸۱۶ھ
شرح وقایہ	......
ط	
طبقات الکبریٰ (ترجمہ اردو)	امام عبد الوہاب شعرانیؒ
ع	
عبقات	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۱۲۴۶ھ
ف	
فتح الباری شرح بخاری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ
فتاوی الحدیثیہ	علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکیؒ ۹۷۵ھ

نام کتاب	نام مصنف		
ک			
کتاب الاذکار	محی الدین ابو زکریا نوویؒ ۶۷۶ھ		
کتاب الروح	حافظ ابن قیمؒ ۷۵۱ھ		
م			
معارف لدنیہ	امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ۱۰۳۳ھ		
مکتوبات	" " " "		
معجم	شیخ برہان الدین بقاعیؒ		
مؤطا	امام مالکؒ ۱۷۹ھ		
مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ لقب الخطیب عمریؒ تبریزی ۷۳۷ھ تالیف ختم کی		
ن			
نقش حیات	مولانا مدنیؒ		
نسیم الریاض	امام محمد غزالیؒ		

حواشی

حواشی

صفحہ	شمار	
26	۱	جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔
30	۲	بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے۔
30	۳	اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل ورآمد مت کیا کر۔
31	۴	میرے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں۔
32	۵	روض الریاحین: امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ (بحوالہ الطبقات الکبریٰ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (اردو ترجمہ)
35	۶	مشکوۃ' کتاب الایمان۔
36	۷	اللمعات مشکوۃ: ۴۵۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۔۲ تفہیمات الہیہ: ۱۳
38	۸	تفہیمات الہیہ ۱۳۰ ۔۲ تفہیمات الہیہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
39	۹	تفسیر مظہری ۴: ۳۲ ۔۲ تعلیم المتعلمین ۲۱ ۔۳ الکشف عن مہمات التصوف: ۷
40	۱۰	شامی درمختار جلد اول بحث علم القلب ۲ تفسیر جمل ۱: ۴۹۷' ۳ تحفہ اثنا عشریہ ۲۳۷

حواشی

صفحہ	شمار	
41	۱۱	اس اجمال کی تفصیل کے لئے کتاب ہذا کے ۴۳۳ میں اعتراض نمبر ۸ کے ذیل میں دیئے گئے مندرجات ملاحظہ فرمائیں۔
44	۱۲	فیض الباری جلد ا: ۱۴۹، ۱۵۰۔ اذکار اشغال نسبت سلاسل تصوف کا بیان
45	۱۳	فیض الباری جلد ا: ۳۰۴
46	۱۴	ان اصطلاحات کی تشریح مقامات سلوک کے باب میں ملاحظہ ہو
47	۱۵	تفسیر کبیر: ۳۹۰
48	۱۶	کتاب الروح۔ ابن قیم: ۲۲۰
75	۱۷	روض الانف ا: ۱۹۸۔ ۲۔ تفسیر کبیر ۵: ۴۵ و تاسیس التقدیس
77	۱۸	تفسیر کبیر ۵: ۴۴۵
83	۱۹	تفسیر کبیر۔ ارسالہ روح
84	۲۰	تفسیر مظہری ۱۴: ۲۰۷
91	۲۱	کتاب الروح۔ ابن قیم: ۲۶۵
95	۲۲	فتح الباری مع بخاری ۱۲: ۳۱۵
97	۲۳	ابن ماجہ۔ باب ترجیع الاذان۔ ۲۔ احیاء العلوم ۳: ۴۰
98	۲۴	استاد مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے روح میں پرواز کی قوت پیدا کرنے

اوراس کا مشاہدہ کرنے کے لئے چھ ماہ کا عرصہ مقرر کیا ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ لگائی ہے کہ اگر کوئی ''طلب صادق'' لے کر آئے پھر اس کوشش کے نتیجہ کو پانے اختیار کے تحت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا پھر انشاء اللہ وہ دیکھ لے گا۔۔۔۔۔الخ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہر تجربہ کا معلم اور ماہر فن اپنے تجربہ اور مہارت فن کی بناء پر ایسا اندازہ کر سکتا ہے اور یہ ایک امر واقعہ ہے مگر جس طرح ظاہری علوم وفنون میں عزم اور استعداد کے اختلاف کی بناء پر مختلف لوگ مختلف عرصے میں علم وفن سیکھتے ہیں اسی طرح تصوف وسلوک میں بھی شیخ کامل کی تربیت سے عزم واستعداد کے اختلاف کی وجہ سے مختلف سالک مختلف مدتوں میں گوہر مراد پاتے ہیں حضرت استاد مکرم کے شاگردوں میں سے ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے جو نو دن اور ایک ہفتے کے اندر اللہ کے فضل سے اس قابل ہو گئے کہ ان کی روح میں قوت پرواز پیدا ہو گئی اور اپنی روحانی پرواز کو مشاہدہ کرنے لگے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔

(۱): مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الابقا'' میں بیان کیا ہے کہ مولانا اکرام رسول کان پوری رحمۃ اللہ علیہ رسول نما کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ آپ کی کرامت تھی کہ ہر شخص کو بیداری میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کرا دیا کرتے تھے۔

(۲): امام یافعی نے کفایۃ المعتقد صفحہ نمبر ۵۳ پر فرمایا ہے۔ ''مناقب شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ میں درج ہے۔ ایک شاگرد کی روایت ہے کہ رات آپ نکلے میں پیچھے ہو لیا۔ شہر کے دروازے خود بخود کھلتے گئے اور بند ہوتے گئے ایک مقام پر پہنچے ایک میت کو پیش کیا گیا پھر ایک آدمی لایا گیا اس سے شہادتین کا اقرار کرایا گیا پھر فرمایا کہ

مرنے والے کی جگہ یہ ہوگا۔ پھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا "ہم نہاوند گئے تھے ساتواں ابدال فوت ہو گیا تھا، نیا آدمی قسطنطنیہ کا عیسائی تھا، اس کو مسلمان کیا اور اسے ساتواں ابدال مقرر کیا" یہ واقعہ الحاوی للفتاوی میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اور الجزالدال میں اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الابقاء میں شائع کیا تھا۔

دیکھئے ایک آدمی اللہ کے فضل اور شیخ کامل کے فیض نظر سے ایک دن میں کفر سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں آیا اور سلوک میں ترقی کر کے اسی روز ابدال کے منصب پر فائز ہو گیا۔ **مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا**

(۳) فوائد الفواد صفحہ ۱۷۲ پر ایک واقعہ درج ہے کہ:۔

"بعد ازاں در بزرگی شیخ بہاء الدین زکریا سخن در پیوست فرمود کہ در ہفدہ روز آں نعمت بایافت کہ یاراں دیگر بسالہا نیافتہ بودند تا چنانکہ بعضی یاراں قدیم مزاج تغیر کردند کہ ما چندیں سال کردیم مارا چندی نعمت نرسید و ہندستانی بیامد و اندک شخی یافت و نعمت فراواں ایں خبر بسمع شیخ رسید ایشاں را جواب فرمود کہ شما ہیزم اتر آوردہ بودید و ہیزم تر کے بیا کہ آتش گیرد اماز کریا ہیزم خشک آوردہ بود بیک نفخ در گرفت"

دیکھئے! طلب صادق اور استعداد لے کر آنیوالے طالب کو شیخ کامل کے فیض سے اللہ تعالیٰ نے سترہ روز میں کامل بنا دیا

(۴) حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی سچا طالب چالیس روز متواتر تمام شرائط کے ساتھ اتباع نبوی ﷺ پر عمل کرے انشاء اللہ اس پر مکاشفات کے دروازے کھل جائیں گے، سب سے پہلے

انوار روحانی اور کواکب روحانی دیکھنے میں آئیں گے پھر فرشتوں کا مشاہدہ ہوگا' پھر صفات کا مشاہدہ ہوگا۔ ان کے واسطے سے سالک پر بعض حقائق کھلنے لگیں گے۔ یہ تمام ذکر ہی کا ثمرہ ہے" (امداد السلوک ۳۱)

اور مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"اے نوجوان! یا تو مان جا کہ حضور ﷺ کا فرمان ٹھیک ہے کہ قبر جہنم کا گڑھا ہے یا بہشت کا باغ ہوتی ہے' یا چودہ سال کے اخراجات میرے پاس جمع کرا دے۔ اے نوجوان تو نے چودہ سال باپ کی کمائی کھا کر بی۔اے کی ڈگری پائی۔ ادھر بھی ایسا کرنا پڑے گا۔ ہم تمہیں بھیک مانگ کر مفت کیوں کھلائیں' پہلے تمہیں ٹسٹ کریں گے کہ نور فطرت بجھ تو نہیں گیا۔ بعض اوقات نور فطرت بجھ بھی جاتا ہے' اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ ان الذین کفروا سواء علیهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون اگر نور فطرت بجھ نہیں گیا اور تو مسخ نہیں ہوگیا تو پھر تمہیں کسی کامل کے پاس لے جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت! یہ نوجوان باطن کا اندھا ہے' اس کی تربیت فرما دیجئے' وہ تربیت فرمائیں گے' جس دن تمہاری روحانی تکمیل ہو جائے گی۔ اور کامل تمہیں کاملا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمائے گا تو پھر میانی صاحب میں جا کر دس بارہ قبریں پھر جانا تو ایک منٹ سے پہلے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کی قبر دوزخ ہے اور اس کی بہشت ہے"

(مجلس ذکر حصہ دہم صفحہ ۹۱-۹۰) دیکھ لیجئے۔

صوفیہ کرام مکاشفات کے لئے مدت بھی مقرر کرتے آئے ہیں اور طلب صادق استعداد اور شیخ کے کمال میں اختلاف کی وجہ سے طالبین کی تکمیل کے لئے کہیں ایک

لحہ کہیں ایک روز کہیں ۷ روز کہیں ۴۰ روز اور کہیں ۱۴ سال کا عرصہ رکھا گیا ہے ۲۹۔

شیخ کامل کی پہچان میں خصوصیت نمبر ۶ نمبر ۷ نمبر ۸ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں شیخ کامل سے مراد صرف وہ رہبر ہے جو تصوف سلوک کے راستہ پر چلانے کا اہل ہو اور سلوک کی منازل طے کرانے کی اہلیت رکھتا ہو اور تصوف و سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے مراقبہ فنافی الرسول بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جو شیخ اتنا نہیں رکھتا وہ یقیناً شیخ طریقت کے اعتبار سے ناقص ہے جیسا (الابریز صفحہ ۴۳)

"ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب تک سید الوجود ﷺ کی معرفت حاصل نہ ہو اس وقت تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی"۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ بیعت میں اس کی تصریح فرمائی ہے وھو ھذا۔

"بیعت کہ پیش صوفیہ معتبر و مقبول است چہار قسم یافتہ می شود ہر قسم را شرط علیحدہ است و ثمرات دیگر۔ ا بیعت وسلیت ۲ بیعت شریعت ۳ بیعت طریقت ۴ بیعت حقیقت وسوائے ایں آنچہ برائے تحصیل مال و جاہ یا برائے تحصیل حاجات دنیوی از مرشد باشد فی الحقیقت اعتبارے ندارد"

۲۔ بیعت شریعت: ضرورت مردے کہ باوجود علم و تقوی دو صفت داشتہ باشد۔ یکے عدم مساہلت و مداہنت در مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل و اسہل است، ثمرہ آں رسیدن است بہ نجات کلی در عقبی الخ

۳۔ بیعت طریقت: پس حقیقتش آنکہ مرد خوش ہمت ہر گاہ فضائل و مناقب اولیاء و تصرفات عجیبہ ایشاں مثل حصول مراد مردم و قوت و ہمت و تصرف بر دلہا و کشف احوال

موتی وکشف مستقبلات حوادث وملاقات ارواح طیبہ وفائتہ می سنود وشوق تحصیل آں دردل او غالب می شود از قبیل متعارف است کہ ہم صنعتے بغیر مزاولت واخذ آں از ماہران آں فن بکمال نمی رسد۔ پس چیز ے کہ مانند آں دردست ہیچ کس دیدہ نمی شود از فکر ناقص خود مصدر ایں آثار باشد وایں امور مراد را سہل الحصول باشد استاذ خود ساختہ حق متابعت انہا ادا نماید و مقصود خود رسد۔ وثمرہ آن مصفا ساختین وجہ روح است از کدورت جسمانی۔ ومنور وکمل ساختن آں بانوار روحانی اسماء ربانی ومبداء فیض الہی گشتن برائے بندگان الہی وحل مشکلات آنہا تا بہ طفیل آں درجناب الہی بحکم الخلق عیال اللہ فاحبہم الی اللہ انفعہم لعیالہ۔ مستحق فضیلت محبوبیت مشرف گشتن وبازمرہ اولیاء وصلحاء شریک فضائل شدن ومناسبت صفائی بالیشان پیدا کردن''

۴۔ بیعت حقیقت: شرط ایں فناوجود وقطع تعلقات کرنی وحظوظ نفسانی وبے تعلقی از مال وجاہ وعلاقہ واران وثمرہ آں موجود بودن بنور تجلیات الہی وفنا گشتن حجب وجود ظلمانی است''

معلوم ہوا کہ بیعت طریقت وحقیقت کے لئے شرائط اور ہیں اور بیعت شریعت کے لئے اور ہیں' جو شخص ان شرائط پر پورا نہیں اترتا وہ طریقت وحقیقت کی بیعت لینے کے قابل نہیں اس میدان میں وہ ناقص ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اے راہ آخرت کے مسافر' تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ' اس کے ساتھ حسن ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو کہ وہ تجھے واقف کار بنا دے گا اور خدا کے قریب پہنچا دے گا۔ اس کے

بعد تیری شرافت صداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہل قافلہ کا سلطان بنادے گا پس تو قائم رہے گا یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی ﷺ کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپ ﷺ کے حوالے کر دے گا۔ پھر آپ ﷺ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ تجھ کو نائب بنا دیں گے قلوب کیفیات اور معنی پر۔ پس تو حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر اور نبی ﷺ کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف۔ یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے۔''

پھر فرماتے ہیں۔

''مشائخ دو قسم کے ہیں ایک مشائخ شریعت ایک مشائخ معرفت۔ شیخ شریعت تجھ کو مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخ طریقت تجھ کو قرب خدوندی کا رستہ بتائے گا۔''

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''شیخ کے لئے مقامات منازل تلوینات تمکینات اور فوائد وضو کا سمجھنا اور مشاہدات و معائنات سے گزر کر مرتبہ فناء الفنا اور بقاء البقاء تک پہنچنا اور عظمت و کبریا اور وحدانیت و فردیت کی معرفت بھی ضروری ہے تا کہ سالکین کی تربیت اور طالبین کی رہنمائی کر سکے اور پیر بننے کے قابل ہو جائے'' (امدادالسلوک صفحہ ۲۷)

اور حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"اور یاد رکھو۔ فقیر فنافی اللہ صاحب حضور ہوتا ہے' وحدانیت الٰہی میں غرق کرتا اور مجلس محمدی ﷺ میں پہنچانا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں' بلکہ آسان ہے اور صرف ذکر و فکر اور زہد و تقوے سے یہ بات حاصل ہونا دشوار ہے' کیونکہ مرشد کامل و مکمل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود کو پہنچا سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو اسے کامل کہنا غلط ہے۔ بلکہ وہ راہزن ہے۔ (عین الفقر صفحہ ۶)

اور امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم بہ تفصیل احوال و مقامات و معرفت بہ حقیقت مشاہدات و تجلیات و حصول کشف والہامات و ظہور تعبیرات و قعات از لوازم ایں عالی مقام است و بدونہا خرط القتاد

(مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم صفحہ ۲۲۱)

اس تفصیل کے بعد یہ خلش باقی نہیں رہنی چاہیے کہ شیخ کامل کے لئے جو شرائط حضرت استاد مکرم نے بیان فرمائی ہیں وہ کوئی نئی ہیں' ہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفیائے کرام جن حضرات کو خلیفہ مجاز بنا دیتے ہیں ان سب میں تو یہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں' پھر ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے۔ یہ اہل اللہ صوفیاء کرام بعض اوقات صرف علماء ظاہر کو بھی خلیفہ مجاز بنا دیتے ہیں۔ وہ بیعت شریعت و بیعت وسیلت کے لئے ہوتا ہے۔ بیعت طریقت کے اعتبار سے وہ واقعی ناقص ہوتے ہیں' اگر کوئی ایسا خلیفہ مجاز سادگی سے اپنے نام کے ساتھ شیخ طریقت لکھنا شروع کر دے تو اس سے حقیقت نہیں بدلتی۔" (مرتب)

حواشی

صفحہ	نمبر	حوالہ
99	۲۵	
100	۲۶	انما يخشى الله من عباده العلماء قال الشيخ شهاب الدين في هذه الآية تعريضا الى انه من لا خشية له فهو ليس بعالم. ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه.
100	۲۷	اس شخص کا اتباع نہ کر جس کا دل ذکر الٰہی سے غافل ہو اور خواہشات نفس کا تابع ہو۔
105	۲۸	باب: ۳۰ ۔ در مختار ۱۰۵:۱
112	۲۹	فتح الباری ۳۰۱:۱
112	۳۰	روض الانف ۳۲۲
112	۳۱	فتح الباری ۳۰۱:۱
112	۳۲	فتح الباری ۴۰۸:۲
113	۳۳	ابن کثیر ۴۶۸:۳
113	۳۴	ابن کثیر ۲۳:۳
114	۳۵	یسبحون اللیل والنهار لا یفترون (الانبیاء)
115	۳۶	خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر دیا دل جس نے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے
115	۳۷	تفسیر مظہری۔ ۱۰۱:۲
126	۳۸	فتاویٰ الحدیثہ۔
134	۳۹	فتاویٰ الحدیثہ۔ ۲۷۷:۲
136	۴۰	اللآلی المصنوعہ ۳۳۲:۳
140	۴۱	الخبر الدال۔۔۔ سیوطی ۱۵:
141	۴۲	ایضا ۲۳:
141	۴۳	ایضا ۱۴:
142	۴۴	معارف لدنیہ امام ربانی ۴۰:

حواشی

صفحہ	نمبر	حوالہ
142	۴۵	تفسیر مظہری ۹۲:۱۵
143	۴۶	الخبر الدال ۲۳:
144	۴۷	مکتوبات۔ ۲:۲
144	۴۸	مشکوٰۃ کتاب العلم
148	۴۹	الترغیب ۵۴۷:۲
148	۵۰	الترغیب ۵۴۸:۲
149	۵۱	تحفۃ الذاکرین ۴۱:
150	۵۲	الترغیب ۵۵۹:۲
150	۵۳	فتح الباری ۲۲:۳
151	۵۴	فتح الباری ۲۷:۳
151	۵۵	فتح الباری ۲۳:۳
154	۵۶	الترغیب ۱۹:۴
155	۵۷	الترغیب ۱۹:۴
156	۵۸	الترغیب ۲۰:۴
156	۵۹	الترغیب ۲۰:۴
156	۶۰	الترغیب ۲۰:۴
157	۶۱	الترغیب ۲۲:۴:
157	۶۲	الترغیب ۱۷۸:۴
158	۶۳	فتح الباری مع بخاری ۲۷۳:۱۱
159	۶۴	فتح الباری مع بخاری ۲۷۳:۱۱

		حواشی	
160	۶۵	تفسیر کبیر۔	
161	۶۶	فتح الباری	۴۷۳:۱۱
162	۶۷	تفسیر کبیر	۴۷۱:۵
164	۶۸	تفسیر مظہری	۲۲:۱۲
166	۶۹	فتاوی الحدیثیہ	۲۸۵:۲
166	۷۰	الترغیب	۴۴۴:۳
170	۷۱	روح المعانی۔	
171	۷۲	الترغیب	۵۳:۳
174	۷۳	ابن کثیر	۴۹۵:۳
175	۷۴	تفسیر مظہری	۴۱۰:۳
175	۷۵	تفسیر مظہری	۴۱:۳
176	۷۶	ایضاً	
176	۷۷	حاشیہ تفسیر کبیر	۵۰۴:۴
177	۷۸	حاشیہ تفسیر کبیر	۵۰۴:۳
177	۷۹	الترغیب	۱۹۰:۳
177	۸۰	الترغیب	۵۳۷:۴
185	۸۱	بخاری	۹۳۸:۲
186	۸۲	مشکوٰۃ	۴۴۷:
187	۸۳	فتاوی الحدیثیہ	۲۵:۱
193	۸۴	کتاب الاذکار نووی ۱۹:	
194	۸۵	کتاب الاذکار	۲۰
197	۸۶	تفسیر حصیر الرحمٰن	

		حواشی	
199	۸۷	بہجۃ النفوس	
200	۸۸	مشکوٰۃ	۱۹۲:
207	۸۹	عبقات	۸:
208	۹۰	تفسیر کبیر	۳۱۹:۶
213	۹۱	کتاب الروح	۲۹:
214	۹۲	تفسیر کبیر جلد	۱۳۳:۱
214	۹۳	المرشد الامین واحیاء العلوم جلد ۳	
215	۹۴	الفتح الربانی وعظ: ۱۸ ذیقعد ۵۴۵ھ	
215	۹۵	مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳: مکتوب ۳	
215	۹۶	المنقذ من الضلال صفحہ	۵
225	۹۷	فتح الباری	۳۱۵:۱۲
225	۹۸	فتح الباری	۳۱۵:۱۲
225	۹۹	فتح الباری	۳۱۵:۱۲
227	۱۰۰	ابن کثیر	۶۸۲:۲
229	۱۰۱	کتاب الروح	۳۱۹
249	۱۰۲	الفوز الکبیر	۴۷:
249	۱۰۳	المنقذ من الضلال	۵۰:
250	۱۰۴	الیواقیت والجواہر	۱۳۳:۱
250	۱۰۵	ایضاً	
251	۱۰۶	الحاوی للفتاوی	۳۵:۲
251	۱۰۷	الحاوی للفتاوی	۴۴۸:۲
252	۱۰۸	فتح الباری مع بخاری	۳۶۰:۱۲
253	۱۰۹	الحاوی للفتاوی	۴۴۵:۲

		حواشی
253	۱۱۰	الحاوی للفتاوی ۴۳۵:۲
254	۱۱۱	ایضا ۴۴۳:۲
254	۱۱۲	الحاوی للفتاوی ۴۴:۲:۲
254	۱۱۳	اشعۃ اللمعات ۲۳۹:۳
255	۱۱۴	فتاوی الحدیثیہ ۲۵۵:۲
256	۱۱۵	فتاوی الحدیثیہ ۲۵۶:۲
257	۱۱۶	تفسیر ابن کثیر ۳۶۸:۵
257	۱۱۷	ایضا
259	۱۱۸	فتح الباری ۲۹۲:۶
259	۱۱۹	روح المعانی
261	۱۲۰	فتح الباری ۳۴۷
261	۱۲۱	اشعۃ اللمعات ۶۳۰:۳
262	۱۲۲	فتح الباری ۷:۱
269	۱۲۳	فتاوی الحدیثیہ ۲۵۶:۲
269	۱۲۴	اشعۃ اللمعات ۲۴:۳
270	۱۲۵	الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ :۷
375	۱۲۶	اللمعات شرح مشکوٰۃ ۵۴۸:۳
376	۱۲۷	تفسیر جمل ۴۴۵:۲

		حواشی
376	۱۲۸	تفسیر ابن کثیر ۴۸۲:۲
377	۱۲۹	تفسیر ابن کثیر ۲۶۹:۳
378	۱۳۰	احیاء علوم الدین ۱۵:
379	۱۳۱	کشف استار حاشیہ در مختار۔ باب الیمین وفی الضرب والقتل
380	۱۳۲	کتاب الروح ۶۲:
381	۱۳۳	شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور ۴۰
381	۱۳۴	ایضا ۹۷
381	۱۳۵	ایضا ۴۰
382	۱۳۶	فتح الباری معہ بخاری ۲۰
383	۱۳۷	تفسیر مظہری ۷۷:۸
383	۱۳۸	تفسیر مظہری ۷۷:۱۰
383	۱۳۹	حاشیہ خیالی ۱۱۸:
383	۱۴۰	شرح مواقف ۱۵۷
384	۱۴۱	تفسیر ابن کثیر ۳۳۹:۳
388	۱۴۲	شرح وقایہ حاشیہ مولانا عبدالحق م ۵۴
389	۱۴۳	مشکوٰۃ باب حکم الاسراء ۳۳۵
390	۱۴۴	الترغیب:۔ ۱۹۶

صفحہ	نمبر	حواشی
390	۱۴۵	الترغیب ۱:۱۹۷
391	۱۴۶	تفسیر ابن کثیر ۳:۳۴۷
		اور کتاب الروح ۵:
392	۱۴۷	تفسیر ابن کثیر ۳:۳۸۳
392	۱۴۸	تفسیر ابن کثیر ۳:۴۳۹
392	۱۴۹	شرح وقایہ ۴۵۳
394	۱۵۰	تفسیر ابن کثیر ۳:۱۸
394	۱۵۱	تفسیر ابن کثیر ۳:۱۶
395	۱۵۲	مشکوٰۃ باب المعراج ۲/۵۶۲
395	۱۵۳	مشکوٰۃ ۴۰۴
396	۱۵۴	مشکوٰۃ ۵۴۵
397	۱۵۵	اقتضائے صراط مستقیم
397	۱۵۶	فتح الباری بخاری ۲:۳۳۸
400	۱۵۷	فتاوی الحدیثیه ۴۰۶
401	۱۵۸	مشکوٰۃ ۴۱۰
403	۱۵۹	تفسیر کبیر ۴۶۵
403	۱۶۰	تفسیر ابن کثیر ۲:۲۷۹
		اور الزواجر
		عن الکبائر ۱:۱۹
404	۱۶۱	مشکوٰۃ ۱۵۷
		کتاب فضائل القرآن

صفحہ	نمبر	حواشی
405	۱۶۲	ابن کثیر ۳:۳۱
408	۱۶۳	فتح الباری ۱۳:۲۹
408	۱۶۴	اخیران ابصار القلب وجلائه یحصل
		بالذکر وانه یتمکن من الذکر بالتقوی،
		فالتقوی باب الذکر والذکر باب الکشف
		والکشف مفتاح الفوز الکبیر (احیاء غزالی)
409	۱۶۵	فتح الباری ۴۵۰
412	۱۶۶	تحفۃ الذاکرین ۱:۳۳
414	۱۶۷	صواعق محرقه علامه ابن حجر
414	۱۶۸	الانتباه فی سلاسل اولیاء الله ۳۱۰
415	۱۶۹	تهذیب التهذیب ترجمه حسن بصری
418	۱۷۰	الحاوی للفتاوی ۲:۱۹۱
426	۱۷۱	تحفۃ الذاکرین ۵۵

آراء دلائل السلوک

آراء دلائل السلوک

(۱) دلائل السلوک کے بعض مواضع کو دیکھا۔ مولف کتاب مسلک اکابر دیو بند سے منسلک معلوم ہوتے ہیں مندرجات کتاب باحوالہ دیئے گئے ہیں۔ تصوف میں بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح اس دور میں الحادی فضا کی وجہ سے افراط وتفریط کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ افراط میں توحید باری کے مسئلہ پر زد پڑتی ہے اور تفریط میں تصوف کو بدعت قرار دیا گیا۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التکشف عن مہمات التصوف اور مسائل السلوک علی ہامش بیان القرآن میں مہمات التصوف کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے جس کو نجدی علماء نے دیکھ کر اقرار کیا ہے کہ اگر تصوف کی حقیقت یہ ہے تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے یہ تو کتاب وسنت کی عملی شکل ہے۔ مجھے دلائل السلوک میں تصوف کے متعلق اسی راہ اعتدال کی بو محسوس ہوتی ہے۔

(حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیو بند)

(۲) میں نے کتاب دلائل السلوک' از افادات حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مرتبہ حافظ عبدالرزاق صاحب کا مطالعہ کیا۔ کتاب میں نہایت عمدہ مضامین ہیں بہت سے مفید مسائل کا حل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ممدوح اور جناب حافظ صاحب موصوف کو جزا خیر عطا فرماویں اور اللہ تعالیٰ اس کتاب کے فیوض و برکات سے خاص وعام امت مسلمہ کو مستفید فرمائیں۔

(محمد یوسف شاہ میرواعظ کشمیر)

(۳) دلائل السلوک کے مطالعہ سے آج میں فارغ ہوا ہوں اور میرے تاثرات یہ ہیں۔

اول: تصوف پر بحث فاضلانہ ہے۔ مصنف نے تزکیہ روح وقلب پر زور زیادہ دیا ہے اور زہد خشک کو نظر انداز کر دیا ہے۔ انداز اقرب الی القرآن ہے۔

دوئم: مجھے مصنف سے اس بات پر اتفاق ہے کہ تصوف کے بغیر انسان یوں لگتا ہے جیسے شاخ بے نم اور گل بے رنگ۔ یہ انسانیت کا نچوڑ اور شریعت کا ماحصل ہے۔

سوئم: تصوف پر اہل علم کی آرا محنت سے جمع کی گئی ہیں اور ماخذ کا پورا اہتمام کیا ہے۔

چہارم: کتاب میں روح پر بحث اتنی مفصل ہے کہ اگر روح کی حقیقت کو پا لینا ممکن ہوتا تو شاید مصنف کامیاب ہو جاتے۔

پنجم: کتاب کے بیشتر مباحث فکر جدید کے زیادہ قریب ہیں۔ باوجودیکہ مسائل زیر بحث کا تعلق غیر مرئی دنیا سے تھا۔ تاہم مصنف نے انہیں قابل فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔

ششم: کتاب کی زبان ادیبانہ ہے۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

(۴) دلائل السلوک فن تصوف میں نہایت عمدہ اور بہت ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ طریقت کو خداداد قابلیت کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے کی خاص توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تصوف کی حقیقت اور اس کے نتائج حسنہ سے کامل بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس کتاب کے پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور نتائج حسنہ سے فیض یاب کرے۔

(حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ علیہ خلیفہ اعظم حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ)

(۵) میں نے مولانا اللہ یار خان کے مولفات دلائل السلوک، اسرار الحرمین، علم و عرفان کے اکثر مواضع کو دیکھا ان کے مضامین کو اکابر دیوبند کے مسلک کے موافق پایا۔ قرآن وحدیث سے متصادم نہ پایا۔

(مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

O

التبیان فی مسائل السلوك والاحسان

المعروف به

دلائل السّلوک

افادات

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ تالیفات اویسیہ ○ مرشد آباد ○ (ضلع میانوالی)